اردو کا کلاسیکی ادب

یادگارِ چشتی

مصنفہ

مولوی نور احمد چشتی

مرتبہ

گوہر نوشاہی

188872

ادب لاہور

UNIVERSAL LIBRARY
OU_188872
UNIVERSAL LIBRARY

OUP—787—13-6-75—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 9105 Accession No. U. 5139

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

بعونِ صناعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۱۳۸۵ھ

اردو کا کلاسیکی ادب

یادگارِ چشتی

از ۔ مولوی نور احمد چشتی مرحوم

ناشر

مجلسِ ترقیٔ ادب ۲ ۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

فہرست

صفحہ	عنوان
۱	باعثِ تحریر
۹	مقدمہ
٦۹	حمد
۷۱	احوال لاہور کا
۷۲	فاتحہ
۷۳	حقیقتِ فاتحہ
۷۴	حالِ منّت
۷۷	بیانِ حالت
۷۸	کیفیتِ نوشاہی
۷۹	ایضاً حالِ لاہور
۸۱	حالِ مزارات
۸۵	فصل دستور توالد و تناسل (اہلِ اسلام)
۸٦	عامل لوگ
۸۷	تعویذ بندمہ ، تعویذ اسمائے الٰہی
۹۰	پنجھیری
۹۰	عقیقہ
۹۱	مجرا
۹۲	شیخ کا حال

ارزل لوگوں کا دستور ۹۳
کُنجی کا حال ۹۳
دیگ کرایہ لینا ۹۴
نائی حجام ۹۶
چابک سواروں کا دستور ۱۰۰
سات ماہی کی ریت ۱۰۰
کلال اور ککے زئیوں کا دستور ۱۰۲
نقل ۱۰۲
شیخوں کا دستور ۱۰۳
ترکیب بنانے لُچّیوں کی ۱۰۴
پتّل کا دستور ۱۰۴
میراثیوں کا دستور ۱۰۵
بیٹھک کا دستور ۱۰۶
کیفیت ویل ۱۰۸
نقل ۱۰۹
بھنگ کا دستور ۱۱۱
بوزہ کا حال ۱۱۲
چیچک کا حال ۱۱۲
راجپوت کا حال ۱۱۳
حال خوجہ ۱۱۴
پراچہ لوگ ۱۱۵
باجوے کا حال ۱۱۵
گوجر کا حال ۱۱۵
چولی کا حال ۱۱۶

ارائیں کا حال ۱۱۷
دبہ گر ۱۱۸
شیخ کا احوال ۱۱۹
مجلدی ۱۲۰
بہشتی کا حال ۱۲۱
تنور کا حال ۱۲۲
نان بائی لوگ ۱۲۳
سُنی شیعہ ۱۲۳
بیان بہتر فرقوں کا ۱۲۶
کناری باف ۱۳۵
شالی کوب ۱۳۶
کاترہ بافوں کا حال ۱۳۷
جولاہہ کا حال ۱۳۸
چھپر بند ۱۴۰
سادات کا حال ۱۴۰
گیارھویں کا دستور ۱۴۲
شجرے کی کیفیت ۱۴۴
چار پیرِ طریقت ۱۴۵
چار ابرو کی صفائی... ... ... ۱۴۷
مغلوں کا حال ۱۴۹
رنگھڑ کا حال ۱۴۹

تصنیف و تالیف تحریر ۱۴۹

دیباچہ ۱۵۰

وہابیہ	۱۵۲
خاک دامنی	۱۵۲
طریق انگوٹھی چلانے کا	۱۵۵
مہتروں کا حال	۱۵۵
دھوبیوں کا حال	۱۵۷
تیلی	۱۵۸
مغلوں کا دستور	۱۵۹
گنڈا	۱۵۹
مہتروں کا دستور	۱۶۰
مُلاّ کا حال	۱۶۱
لڑکے پڑھانا—مکتب	۱۶۲
آمین کا دستور	۱۶۳
اسقاط کا حال	۱۶۴
دستورِ فاتحہ	۱۶۶
نماز کا دستور	۱۶۶
وعظ	۱۶۹
رنگریز کا حال	۱۷۰
آہن گروں کا حال	۱۷۱
زمین دار کا حال	۱۷۳
نائی کا دستور	۱۷۴
کان چھدنا	۱۷۵
زمین داروں کا حال	۱۷۷
سنار کا حال	۱۷۷

قریشی... ... ... ١٧٩
کلانوت ١٨١
طلا والا ١٨٢
خراسی کا حال ١٨٣
عید کی سیویوں کے استعمال کا حال ١٨٤
سیویں ١٨٤
پھلیرا کا حال ١٨٦
پیر کی جگہ ١٨٧
درزی کا دستور ١٨٨
خیمہ دوز کا حال ١٩١
گڈی والا ١٩١
ڈور کا بیان ١٩١
بیان کھیلوں کا ١٩٢

ختنے کا دستور ١٩٥

بیان رکتھ ١٩٥
تنبول کا حال ١٩٨

شادی کا دستور ٢٠٠

منگنی کا حال ٢٠٠
ہتھ دھراوا ٢٠٠
چوتھا ٢٠١
گرہ یعنی شادی کا روز مقرر کرنا ٢٠٢
وتراوا ٢٠٣

سنّدا دینا	۲۰۳
سہرا باندھنا	۲۰۴
شادیانہ	۲۰۴
شادی کا حال	۲۰۵
لڑکے کا تیل	۲۰۷
مہندی کا دستور	۲۰۸
لڑکے کی مہندی	۲۰۸
ساھدی (کی) مہندی	۲۰۹
برات کا حال	۲۱۱
مِلنی کا دستور	۲۱۴
نکاح کا دستور	۲۱۵
تخت کا حال	۲۱۶
واڑا کرنا	۲۱۹
پانی وارنا	۲۲۰
گانٹا کھولنا	۲۲۱
سالی کا حال	۲۲۲
جوتی چُھپائی	۲۲۲
مُکلاوے کا حال...	۲۲۳
شادی کی قسم	۲۲۵
رنڈی رنڈا	۲۲۵
دوسری قسم دوشیزہ اور رنڈے کی	۲۲۵
تیسری قسم رنڈی اور کنوارے کی	۲۲۵
چوتھی قسم کنچنی اندر ڈالنا	۲۲۶
کنچنی	۲۲۶

ہنسلی کا دستور ۲۲۸
کھڈیہ ۲۲۹
تارکش کا حال ۲۲۹

اہلِ اسلام کے بڑے دن ۲۳۰

سنو سبیل کا حال ۲۳۲
گھوڑے کا بیان ۲۳۵
پھلیدانہ ۲۳۸
بابا فرید کی روٹی ۲۳۹
بھڈے پیرے ۲۴۲
بسنت کا حال ۲۴۳
گنج بخش کا عرس... ... ... ۲۴۴
آخری چار شنبہ ۲۴۵
مولوی غلام حسین صاحب ۲۴۶
چراغوں کا میلہ ۲۴۷
غسل کا دستور ۲۴۹
قبرستان جانا ۲۴۹
عرس جناب غوثِ اعظم قدس سرہ العزیز... ... ۲۵۰
معراج شریف ۲۵۵
شبِ برات ۲۵۶
رمضان ۲۵۷
تسبیح ۲۵۷
قضائے عمری ۲۵۹
عیدِ فطر ۲۵۹

دہار عیدِ فطر ٢٦٠
بقر عید ٢٦١

تاریخ ٦٦٢

از نتائجِ طبعِ فضیلت مرتبت بھائی محمد جان صاحب
لاہوری کوٹھی‌دار پشمینہ در امرت سر ... ٢٦٣
طبع زاد برادر عزیزم محمد علی سلمہ متخلص بہ پردل ... ٢٦٤
از طبع روشن جناب محمد حسن متخلص بہ شعری کشمیری ٢٦٥
من طبعِ سیادت مآب فقیر انور حسین رسول شاہی
مداحِ آلِ عبا متخلص بہ ہما سلمہ اللہ ٢٦٥
ایضاً منہ سلمہ اللہ تعالی ٢٦٦
من تصنیف فقیر نور احمد متخلص بہ چشتی عفاعنہ ... ٢٦٦
تقریظی کہ والد ماجدم بہ مطالعہ عبارت منشورۂ کلتپرہ
برائے سرفرازی این مستمند عنایت فرمودند ... ٢٦٧
ایضاً منہ ٢٦٨
ایضاً تعمیہ ٢٦٩
ایضاً منہ ٢٧٠

خط ٢٧٠

مرنے کا دستور ٢٧١

مرنا لڑکے یا لڑکی کا ٢٧١
جوان کا مرنا ٢٧٢
بوڑھے کا مرنا ٢٧٣

—:٥:—

مقدمہ

مولوی نور احمد چشتی نے اپنی مشہور تصنیف "تحقیقاتِ چشتی" میں اپنا جو آبائی شجرہ نقل کیا ہے ، وہ درج ذیل ہے :

"نور احمد المتخلص بہ چشتی بن مولوی احمد بخش چشتی بن مولوی غلام حسین چشتی بن مولوی محمد ابراہیم چشتی بن مولوی ضیاءالحق چشتی بن مرزا عنایت‌اللہ بیگ بن مولوی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہم[1] ۔"

صاحبِ "تحقیقات" کے علاوہ موصوف کے والدِ بزرگوار مولوی احمد بخش چشتی المتخلص بہ یکدل لاہوری نے بھی اپنے روزنامچوں میں اس شجرے کو بار بار دہرایا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"بر دانایانِ خرد ور و خرد ورانِ سخن پرور پوشیدہ نماناد کہ فقیر احمد بخش چشتی بندۂ خداست . . . و فرزندِ مولوی غلام حسین چشتی است سلمہ و مدظلہ ، وی پورِ مولوی محمد ابراہیم چشتی است ، وی پورِ مولوی ضیاء الحق والدین چشتی ، وی پورِ مولوی محمد عاقل چشتی اورنگ آبادی است رحمهم اللہ تعالیٰ[2] ۔"

۱۔ تحقیقات : دیکھیے احوالِ مصنف ، صفحہ ۷ تا ۲۰ ، مطبوعہ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور ، ۱۹۶۴ع ۔

۲۔ یکدل : بیاض نمبر ۲ ۔ یکدل نے مرزا عنایت اللہ اور مولوی محمد عاقل کے درمیان ایک واسطہ سہواً کم کر دیا ہے ۔

ان دو شجروں کے علاوہ ایک شجرہ مولوی احمد بخش چشتی کے پوتے مولوی حامد علی چشتی نے مرتب کیا تھا جو موصوف کے صاحب‌زادے عبدالرشید چشتی کی یاد میں شائع شدہ کتاب "حیاتِ رشید" میں شامل ہے۔ یہ شجرہ اس اعتبار سے قابلِ ذکر ہے کہ اس میں تین نام زائد ہیں۔ اس کے علاوہ یہ شجرہ مولوی محمد عاقل سے اوپر چلا جاتا ہے:

"مولوی احمد بخش یکدل بن مولوی غلام حسین بن مولوی محمد ابراہیم بن مولوی ضیاء الحق بن قاضی عبداللہ خاں بن ابوالقاسم بن محمد اعرابی بن فیروز بن حضرت علی رضی اللہ عنہ[۱]۔"

اس شجرے کی تصدیق چشتی خاندان کے کسی علمی یا صدری وسیلے سے نہیں ہوتی۔ مرتب نے اپنے مصادر کا حوالہ نہیں دیا۔

اپنے اجداد کے بارے میں نور احمد چشتی نے لکھا ہے:

"جدِ کلاں راقم آثم کے مولوی محمد عاقل صاحب اول بہ ہمراہیِ ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہ[۲] ملکِ ایران سے ہند میں تشریف لا کر مدتِ مدید دکن میں بہ عہدہ ہائے جلیلہ سرفراز رہے۔ بعد ازاں ۱۰۵۰ھ میں صاحبزادگانِ عالی شان مولوی عنایت اللہ صاحب و مولوی نظام الدین صاحب مع عیال و اطفال ملکِ مالوفہ میں واپس چلے گئے اور وہاں جاتے ہی بہ اتالیقی اولادِ شاہ تہماسپ[۳] مشغول ہوئے۔"

۱۔ شجرۂ منسلکہ "حیاتِ رشید" مؤلفہ مرزا اعجاز حسین دہلوی، لاہور، ۱۹۰۹ع۔

۲۔ ہمایوں نے ۹۵۱ھ مطابق ۱۵۴۴ع میں شاہ طہماسپ صفوی سے عسکری امداد حاصل کر کے ہندوستان کی طرف مراجعت کی تھی۔

۳۔ اس زمانے میں ایران میں شاہ عباس دوم (۱۰۵۲ھ تا ۱۰۷۷ھ) کا عہدِ حکومت تھا۔

مولوی ضیاءالحق صاحب ۱۵ محرّم ۱۱۶۰ھ مطابق ۲۸ جنوری ۱۷۴۷ع میں فوت ہو کر حافظ پور (شرق رویہ لاہور) کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ مولوی صاحب موصوف، صاحبِ علم و فضل اور زاہد و متقی تھے۔ آپ نے اپنی تصنیف "ضیائی" میں اپنی ذات "بوے گل" لکھی ہے[1] جس کی وضاحت آپ کے اخلاف میں یوں کی گئی ہے کہ آپ کا اشارہ "بوے گل" سے در اصل اس مصرع کی طرف ہے: "محمدؐ گل است و علی بوے گل۔" گویا آپ نے محمدؐ اور علی کی اولاد یعنی اپنے فاطمی اور علوی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے[2]۔

مولوی ضیاءالحق صاحب کی اولاد میں ایک صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم چشتی اور ایک صاحبزادی تھیں۔ آپ نے اپنی صاحبزادی کی شادی مرزا ہدایت اللہ سے کی تھی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ آگرہ میں مقیم ہوگئیں۔ مولوی محمد ابراہیم کی شادی مرزا امان اللہ بیگ کی صاحبزادی عابدہ بیگم سے ہوئی تھی۔ چنانچہ مولوی احمد بخش یکدل لکھتے ہیں:

والدۂ پدرِ من عابدہ بیگم دخترِ مرزا امان اللہ بیگ، نواسۂ

---

۱ - تحقیقات: ص ۱۱ -

۲ - باستفادہ مولانا مسعود علی چشتی۔ مولوی نور احمد نے اپنے چشتی کہلانے کے سبب میں لکھا ہے کہ:

"مرزا عنایت اللہ بیگ جدِ کلاں راقم الحروف کا کہ جس کی اولاد سے راقم ہے، بحالتِ یتیمی پاک پتن میں آیا اور بابا فرید گنج شکر نے اس کو اپنا متبنّیٰ کیا۔ اس کو بجائے فرزندانِ خود چاہتے تھے۔ (تحقیقات: ص ۲۲)۔

محمد مرزا از نبائر سلطان مراد بخش[۱] ۔"

مولوی محمد ابراہیم کے ہاں ایک صاحبزادہ مولوی غلام حسین چشتی اور ایک صاحبزادی عابدہ بی بی پیدا ہوئیں ۔

مولوی ضیاء الحق کی وفات کے بعد پنجاب میں سکھوں کی شورشیں شروع ہوگئیں ۔ لاہور صدر مقام ہونے کے سبب سے قتل و غارت کا مرکز بنا ۔ بے شمار گھرانے ترک وطن پر مجبور ہوئے اور متعدد خاندانوں کا شیرازہ درہم برہم ہوگیا ۔ اس ابتری اور تباہی کی داستان مولوی یکدل اور مولوی نور احمد دونوں باپ بیٹوں نے لکھی ہے ۔ چنانچہ مولوی یکدل کا بیان ہے :

"یاد دارم کہ چون کشتیٔ مغلیہ و سلطنت چغتائیہ غرق شد و برہم خورد ، جدّ شریف بندہ[۲] و اجداد تمام شرفا و سادات عظام و علماے کرام وغیرہ ہر گروہ سفید پوشان قلم پرست چہ ہندو چہ مسلمان جامۂ سوگواری پوشیدند ، از آنکہ مسلط شدند موبسران یعنی سکھان دھقان مزاج زانو برہنہ و کون برہنہ و جھٹکہ خور و بعدہ مال مردم خوار و آتش زن و دزد ، شدہ شدہ سلطنت شد ۔ آن بزرگان بعضی روانۂ شاھجہان آباد و حیدر آباد و لکھنو و مکّہ و مدینہ و مصر و روم و شام و بعضی بخراسان و بہاولپور و حیدرآباد و سندھ و آنانی کہ قوت نداشتند و شرفا بودند در ھمیں لاھور بگوشہ نشستہ بعضی بافندگی و بعضی صلہ چینی و بعضی معماری و بعضی سبد برداری و بعضی معلّمی و بعضی ترہ فروشی و بعضی گدائی دیہات ۔ ھمیں طور خلقی افتادہ ماند و حیران

---

۱ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ، صفحہ ۲۶ کے الفاظ سے نکالا ہے (بیاض نمبر ۳) ۔

۲ ۔ مراد ہے مولوی محمد ابراہیم چشتی ۔

پریشان ، تا آنکہ در ہماں غم از جہاں رفتند[1] ۔"

اور مولوی نور احمد ان واقعات کو اپنے جدِّ امجد یعنی مولوی محمد ابراہیم چشتی کے ذکر میں یوں درج کرتے ہیں :

"بعد ازاں پنجاب میں روز بروز ابتری ہونے لگی ۔ سکھوں نے فساد برپا کردیا ۔ احمد شاہ ابدالی آیا ۔ متصل خانقاہِ حضرت ایشاں کشتوں کے پشتے لگ گئے ۔ محلہ سید سر کہ جہاں مولوی ابراہیم صاحب کے مکاناتِ موروثہ تھے ، لوٹا گیا ، آتش زنیاں ہوئیں ۔ اس حیص بیص میں نقصانِ عظیم عایدِ حال ان کے ہوا ۔ پھر حسب الحکم احمد شاہی زکریا خاں بن نواب خاں بہادر نے گونہ انتظام کیا ، مگر سکھوں نے قائم نہ رہنے دیا ۔ ویرانیٔ ملک پر کمر باندھ لی ۔ ہر طرف خطرۂ عظیم پیدا ہوگیا ۔ حتیٰ کہ لوگ باہر شہر کے رہنے والے ، مکانات اپنے چھوڑ چھاڑ کر تتر بتر ہونے لگے تو اس اثنا میں مولوی محمد ابراہیم صاحب مع ایک صاحبزادۂ عالی وقار یعنی حضرت مولوی غلام حسین اور ایک صاحبزادی اور ایک کنیزک مع زوجۂ محترمہ خود لاہور کے حصار میں تمام املاک چھوڑ کر آ گئے[2] ۔"

مولوی محمد ابراہیم چشتی مع اہل و عیال محلۂ نوگھرا اندرون ذکی دروازہ میں آئے اور ایک مکان خرید کر سکونت اختیار کی ۔

---

۱ - بیاض نمبر ۱۲ ، ص ۴۵ - سبد برداری بمعنی سبد چینی ۔ رک ، سبد چین : میوہ ای کہ از درخت بچینند و در سبد بگذارند ، بقیہ میوہ کہ در آخر فصل در شاخہ ھای درخت بجا ماندہ باشد باین معنی پساچین ھم گفتہ شدہ ۔ (فرہنگ عمید : ص ۶۸۹) ۔

۲ - تحقیقات : ص ۱۱ ۔

گزر اوقات کے لیے ذکی دروازے کے اندر ایک مسجد میں امامت قبول کی اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔

مولوی محمد ابراہیم چشتی کی صاحبزادی کے بارے میں مولوی نور احمد کا بیان ہے کہ موصوفہ کی شادی ایک ُملاّ زادے سے ہوئی جس نے اپنی ذات غوری بیان کی۔ مولوی صاحب نے لڑکے کو زیورِ علم سے آراستہ کر کے موضعِ خود پور (مانگا منڈی، ضلع لاہور) میں ایک مسجد کا امام مقرر کرا دیا۔ مولوی احمد بخش یکدل نے اس خاتون کے بارے میں تفصیلی اطلاع فراہم کی ہے۔ ان کے بقول اس خاتون کا نام عابدہ بی بی تھا اور ان کی شادی مولوی محمد حیات بن دسوندھی سے ہوئی تھی۔ مولوی یکدل نے یہ اطلاع بھی فراہم کی ہے کہ عابدہ بی بی کی شادی ُملاّ زادے محمد حیات سے پیشتر خدا بخش بن منوّر وکیل سے ہوئی تھی، جس سے طلاق حاصل کر لی گئی تھی۔ چنانچہ ان واقعات اور ُملاّ محمد حیات کے خاندان پر روشنی ڈالتے ہوئے یکدل لکھتے ہیں:

"پدرم را خواہری بود عابدہ بی بی نام، در عقدِ محمد حیات بود۔ از وی امام بخش الحال از امام بخش پسری آمد محمد بخش۔ و محمد بخش را الحال سہ پسر می آمدند: چراغ دین و شہاب الدین و علم الدین۔ و باز محمد بخش را دو خواہر بیگم و بھاگن و در نالو ڈوگر و خطبور (خود پور) ہر دو کد خدا اند۔ چوں در قرب و جوار سہ مسجد را امامت می کنند و ہمیں محمد بخش مالکِ ہر سہ مسجد است۔ میاں عبداللہ مولوی بود کہ نانای محمد بخش بود از وی کت و زیور و مال بسیار ماند۔ امام بخش بیچارہ محتاج بود۔ امام بخش مرد بسیار غریب و نیک بخت و غسّال بود۔ امام بخش خورد سالہ بود کہ مادرش عابدہ بی بی دخترِ حضرت

مولوی محمد ابراہیم چشتی ، خواہر خورد حضرت مولوی غلام حسین
چشتی بود و اول در عقدِ خدا بخش بن منوّر وکیل دادہ بودند ۔
او شراب خور بود لہذا بزور از وی طلاق دھانیدہ او را بہ حیات
ناسی مُلاّ عقد کردہ دادند ۔ و آں ام البلایا زود انتقال کرد ۔"

اس بیان کے بعض الفاظ سے ظاہر ہے کہ مولانا یکدل کے خیالات اس خاندان کے بارے میں بہت اچھے نہ تھے ، لیکن موصوف نے اس نفرت کا سبب اپنی کسی تحریر میں واضح نہیں کیا ۔ مولوی نور احمد چشتی بھی باپ کے اس رویے سے آگاہ تھے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"معلوم نہیں کہ جناب والدم ان (عابدہ بی بی) کی اولاد سے کس باعث ناراض ہوئے کہ اب ان سے میل ملاقات تک نہیں رکھتے [1] ۔"

مولوی غلام حسین چشتی کی شادی کے لیے مولوی محمد ابراہیم چشتی کے ایک ارادت مند عصام الدین نے ، جو قومِ آہن گراں سے تھے ، اپنی لڑکی کا رشتہ پیش کیا ۔ مولوی صاحب نے ان کو عبادت گزار اور صالح دیکھ کر یہ رشتہ قبول کر لیا ۔ چنانچہ اس خاندان میں یہ پہلا رشتہ تھا جو ذات پات کی قید سے بے نیاز ہو کر محض اخلاقی اقدار کی بنیاد پر کیا گیا ۔ اس ضمن میں یہ بات قابلِ ستائش ہے کہ مولوی نور احمد یا مولوی یکدل دونوں میں سے کسی نے بھی اس امر پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی ۔ چنانچہ یکدل لکھتے ہیں :

"و طایفۂ اجداد بندہ از قدیمی چشتی و پیرانِ سلاطینِ چغتائیہ شدہ آمدہ ایم ۔ و تا حال ہماں طریق است ۔ پس در لاہور بتجویزِ

---

۱ ۔ تحقیقات : ص ۱۴ ۔

جدّی امجدی ، شادی حضرت والدی قدس سرّہ بدختر عصام[1] الدین مرحوم از قوم آھن گر شد ۔ و والدۂ من عظمت النسا بیگم مرحومہ حافظہ و سعیدہ و من ازوی آمدم خالہای قوم پیدا شدند ۔ پس دریں قوم از بی استعدادی ستوازی شدم و از گروہ حدادین انکار نکردیم[2] ۔"

یہ اعتراف مولانا یکدل کی عظمت کردار کا آئینہ دار ہے ۔

مولوی محمد ابراہیم اپنے والد بزرگوار مولوی ضیاء الحق کے مرید تھے ۔ ۱۷۶۶ع میں جب لاہور پر بھنگی سرداروں کا قبضہ ہوا تو گوجر سنگھ بھنگی نے مولوی محمد ابراہیم چشتی کی مدد معاش کے لیے دہلی اور لوہاری دروازے پر ان کا دو دو آنے یومیہ مقرر کردیا ۔ مولوی محمد ابراہیم زاہد ، عابد اور ولی کامل تھے ۔ آپ کا انتقال بتاریخ پنجم ماہ صفر ، ۱۱۹۵ھ میں ہوا ۔ آپ جس مسجد میں امامت اور درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے ، اسی میں دفن ہوئے ۔ مفتی غلام سرور لاہوری کا

---

۱ ۔ مولوی نور احمد نے "تحقیقات" میں ان کا نام عظیم الدین لکھا ہے ۔
مولوی یکدل کا دوسرا بیان بیاض نمبر ۱۳ کے صفحہ ۱۵ ، ۱۶ پر ہے ۔ یہ بیان آیندہ سطور میں آئے گا ۔

۲ ۔ بیاض نمبر ۱۳ صفحہ ۲۶ ۔ مولوی نور احمد لکھتے ہیں :
"چنانچہ مصنف بھی ان لوگوں سے مل بانٹ یعنی تعلق رکھتا ہے اور یہ ہماری برادری مشہور ہے ۔ مگر اتنا فرق ہے کہ ہم لوہار ترکھان میں سے ناطہ لے لیتے ہیں اور دیتے نہیں ۔ اور ہم سوا اپنے قرابتی کے کسی کو ناطہ نہیں دیتے (یادگار چشتی : ص ۴۷) ۔

موزوں کردہ مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ "تحقیقاتِ چشتی"[1] میں درج ہے :

جناب شیخ ابراہیمِ عالی کہ عالم بود در علم حقیقت
وصالش گشت ہمیں ماہ روشن زہادی زیب دین شمس الکرامت

۱۲۶۵ھ میں آپ کے پوتے مولوی احمد بخش یکدل نے آپ کے مزار کو از سرِ نو تعمیر کرایا - مولوی نور احمد لکھتے ہیں :

"چونکہ اب مزار پُر انوار بوسیدہ ہو گئی تھی ، سو والدی ماجدی مولوی احمد بخش صاحب یکدل سلّمہ اللہ تعالیٰ نے سال ۱۲۶۵ھ میں از سرِ نو تعمیر کرائی - اور اب بھی وہ خانقاہِ عالی جاہ بطرفِ جنوب اندرون اس مسجدِ مذکور کے بعمارتِ خشتی استر کار چوناگچ موجود ہے - اور دروازہ اس کا شمال رویہ اندر مسجد کے ہے - بوقت تعمیرِ مزار وہ مسجد ویرانہ پڑی ہوئی تھی - جناب والدم نے کچھ اپنے پاس سے دے کر اور کچھ بطور چندہ جمع کر کے وہاں ایک چاہ جاری کرا دیا اور مسجد کی بھی کچھ شکست و ریخت کی مرمت کرائی - اور ایک شخص مُلاّ رحمت نامی کو وہاں امام مسجد کیا[2] -"

مولوی محمد ابراہیم چشتی کے قلمی آثار میں ان کے فارسی میں لکھے ہوئے دو مکتوب مولانا مسعود علی چشتی کے پاس موجود ہیں جن میں سے ایک خط مولوی صاحب مغفور کے کسی دوست اور دوسرا

---

۱ - تحقیقات : ص ۱۴ - یکدل نے یہ سنہ ۱۲۲۰ھ لکھا ہے - بیاضوں میں ایک شعر ہے :

ز ہجرت یک ہزار و دو صد و بیست
کہ جدّ امجدم را خلق بگریست

۲ - تحقیقات : ص ۱۴ ، ۱۵ -

مولوی صاحب کے صاحب زادے مولوی غلام حسین چشتی کے نام ہے ۔

مولوی محمد ابراہیم چشتی کے صاحب زادے مولوی غلام حسین چشتی والد کی وفات کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوئے ۔ آپ نے لوہاری دروازے میں علومِ متداولہ کا مکتب جاری کیا ۔ چنانچہ مولوی نور احمد کے بقول :

"چندی بمقامِ لوھاری منڈی صاحبزادگان چوپڑگان و دیوان بھوانی داس کو پڑھاتے رہے اور بعد ازاں خاندانِ فقیر صاحبان یعنی فقیر عزیز الدین صاحب مرحوم باتالیقیِ فقیر چراغ الدین خلف فقیر عزیز الدین صاحب سرفراز رہے[1] ۔"

مولوی صاحب موصوف کی اہلیہ نے بھی آپ کی تقلید میں ایک زنانہ مدرسہ جاری کیا تھا ۔ موصوفہ ، جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ، قرآن پاک کی حافظہ تھیں ۔

مولوی غلام حسین چشتی کا پیدائشی نام مولوی غلام علی تھا ۔ آپ جب تلاشِ حق میں حضرت فخر الدین فخرِ عالم دہلوی کی خدمت میں شاہجہاں آباد پہنچے تو آپ نے بیعت سے سرفراز فرمانے کے بعد ان کا نام غلام حسین رکھا ۔ یہ بیان مولوی نور احمد کا ہے[2] ۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مولوی محمد ابراہیم چشتی کی وفات (یعنی ۱۱۹۵ھ) سے قبل رونما ہو چکا تھا کیونکہ آپ کے جن دو خطوں کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے ان میں سے ایک پر لکھا ہے :

"برخوردار سعادت اطوار قرۃ العین غلام حسین از عمر و دولت

---

۱ ۔ تحقیقات : ص ۱۴ ، ۵۱ ۔
۲ ۔ ایضاً ۔

بہرہ یاب بود ، سلامت باشید[1] ۔"

مولوی نور احمد نے مولوی غلام حسین کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :

"قدِ مبارک موزوں و میانہ اوسط بہ مضمون خیر الامور اوسطہا اور رنگ گندم گوں ، کشادہ پیشانی ، پیوستہ ابرو ، فراخ چشم ، با حیا ، بہ سببِ عادتِ کثرتِ مراقبہ آپ ہمیشہ سرنگوں رہا کرتے تھے ۔ سفید ریش اور سفید موے سر اور سرِ مبارک بموجبِ سنّتِ نبویہ محلوق ، خوش پوشاک ۔ اکثر سر پر دستار سبز رکھا کرتے تھے اور ہاتھ میں چھڑی رنگین ، پاپوش باناتی اکثر برنگ بسنتی ۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں فنافی الحسین تھے ۔ اور مزاجِ عنایت امتزاج حضرت کا اس قدر خلیق تھا کہ ہر ایک آدمی جو جلیس و انیس حضرت کا تھا ، اپنی نسبت یہی کہتا تھا کہ مجھ سے زیادہ مولوی صاحب کسی پر مہربان نہیں ۔ اور آج تک لوگ ان کے اخلاقِ محمدی سے رطب اللسان اور جذب البیان ہیں ۔ اور رؤساے پنجاب ان کی جناب میں با ادب مریدانہ پیش آتے تھے ۔ مزاج آپ کا جزو پسند ، سیاحت دوست تھا اور آپ سیرِ اقالیم کو پسند فرماتے تھے[2] ۔"

اس شوقِ سیاحت میں مولوی صاحب گھریلو زندگی کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے ۔ مولوی نور احمد نے صرف اس قدر اشارہ کیا ہے کہ آپ امیرِ کابل کے ایما پر کابل کے رئیس زادوں کو تعلیم دینے کے لیے گئے تھے ۔ مولوی احمد بخش یکدل کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی غلام حسین اس زمانے میں کابل گئے جب کہ ابھی

---

۱ ۔ مجموعۂ متفرّق اوراق ، مملوکۂ مولانا مسعود علی چشتی ۔

۲ ۔ تحقیقات : ص ۱۸ ۔

یکدل مکتب میں بھی داخل نہ ہوئے تھے - یکدل کی پیدائش ۱۲۱۲ھ کی ہے - وہ یقیناً چار سال کی عمر میں داخلِ مکتب ہوئے ہوں گے ، کیونکہ سترہ سال کی عمر میں تو یکدل فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے تھے - اس اعتبار سے مولانا غلام حسین چشتی کے سفرِ کابل کا زمانہ ۱۲۱۲ھ اور ۱۲۱۵ھ کے درمیان قیاس کیا جا سکتا ہے - اس زمانے تک مولوی غلام حسین صاحب کی اولاد کی تفصیل یہ تھی کہ ان کے ہاں دو لڑکے : حبیب اللہ و قادر بخش ، اور دو لڑکیاں : بیگم بی بی و رکھی پیدا ہو کر وفات پا چکی تھیں اور مولوی احمد بخش یکدل، موجود تھے - یہ زمانہ خاصا طویل رہا - مولوی یکدل کے بیان سے ثابت ہے کہ موصوف کی شادی یعنی ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۱۴ع تک مولوی غلام حسین کابل ہی میں تھے ، کیونکہ یکدل کا رشتہ ان کی والدہ نے دوسروں کی امداد سے طے کیا تھا[1] - یکدل نے اپنے مکتب میں داخل ہونے کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی غلام حسین کے گھر سے چلے جانے کے بعد اس گھر پر عسرت اور تنگ دستی کا ایک طوفان امڈ آیا تھا - ان حالات میں مولوی غلام حسین کی لائق اور صالح بیوی نے شرافت اور وضع داری کا بھرم قائم رکھا -

مولوی نور احمد نے لکھا ہے کہ مولوی غلام حسین کابل سے واپس آ کر دوبارہ خاندانِ خالصہ کے اتالیق مقرر ہوگئے - مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مولوی غلام حسین ، ان کے صاحب زادے مولوی

---

۱ - و بعده والدهٔ من در پئ نسبتِ من شد معرفت حافظ امام بخش و خیر النساء زن او پور مولوی لطف اللہ و او پور مولوی عبدالهادی بود -" (بیاض نمبر ۱۲)

مولوی نور احمد چشتی کا نسبی شجرہ

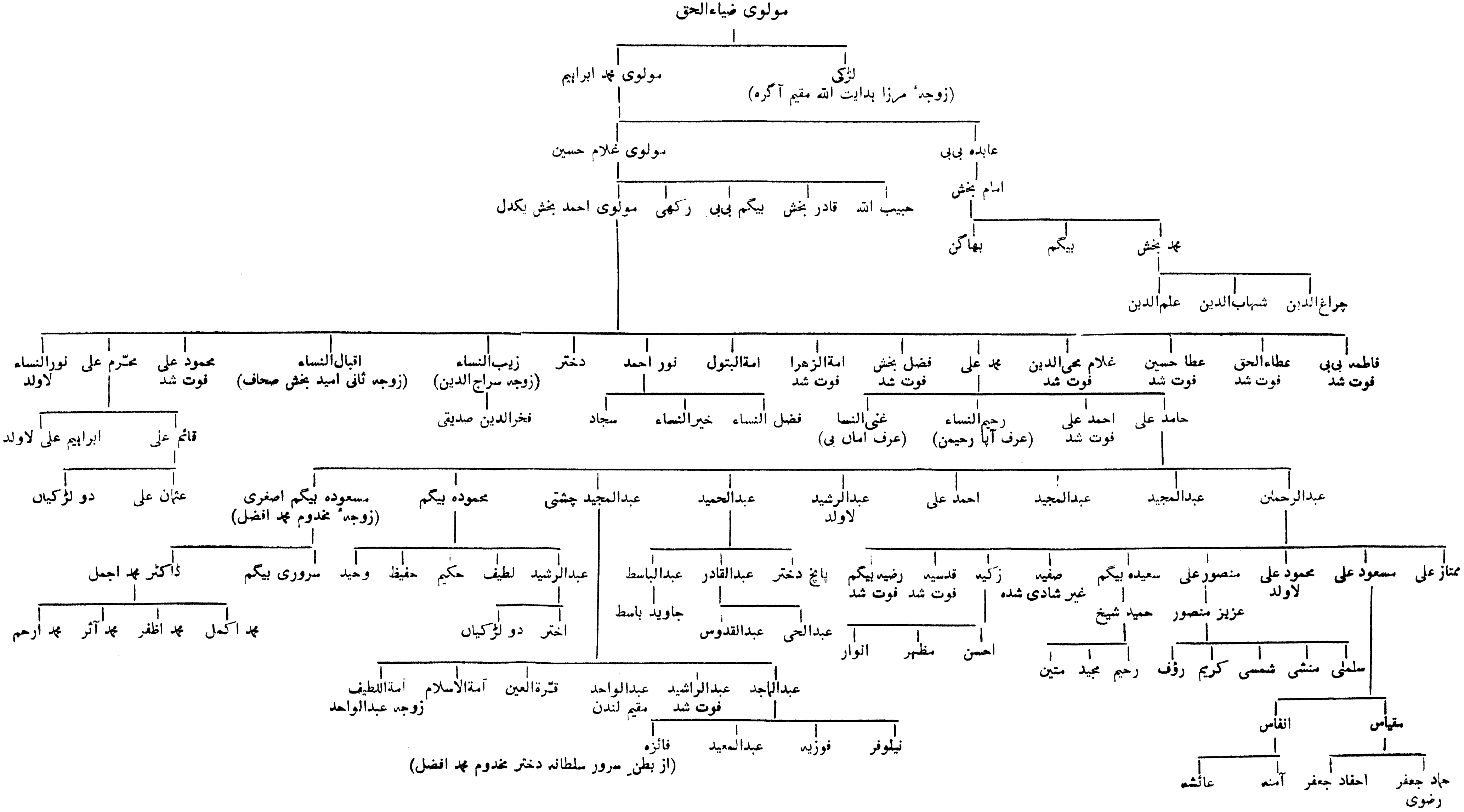

مولوی نور احمد چشتی کا ننھیالی شجرہ

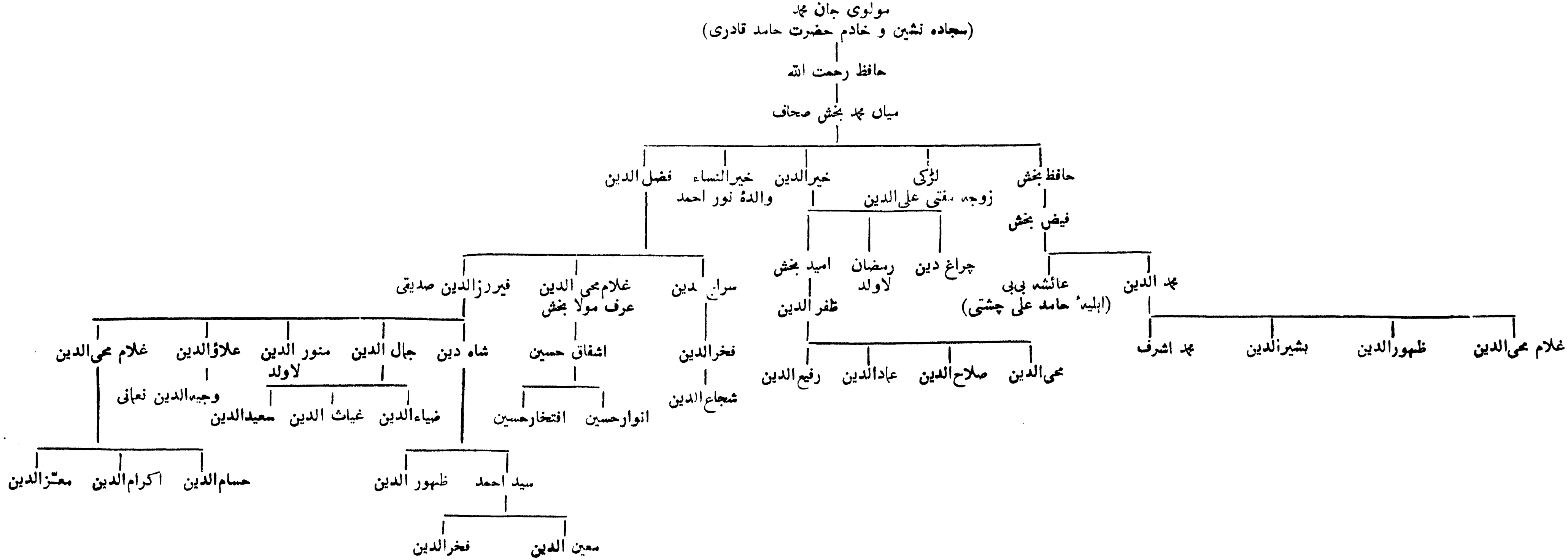

احمد بخش یکدل اور ان کے پوتے نور احمد کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا ۔ مولوی نور احمد کے اس بیان سے کہ "جب مولوی غلام حسین صاحب کابل سے لاہور میں واپس تشریف لائے اور بدستورِ قدیم اس خاندان عالی شان کے اتالیق مقرر ہوئے تو پھر مہاراجہ صاحب نے سائر لاہور پر چند چند روپیہ سالیانہ بنام والدم اور مولوی غلام حسین صاحب اور بندہ کے مقرر کر دیے" اگر یہ مراد لی جائے کہ یہ وظیفہ تینوں حضرات کے لیے ایک ہی زمانے میں جاری ہوا تو اس کے اجرا کا زمانہ مولوی نور احمد کی ولادت یعنی ۱۸۲۹ع کے بعد ہوگا ۔ اس صورت میں یہ وظیفہ مولوی غلام حسین کی وجہ سے نہیں بلکہ مولوی احمد بخش یکدل کی شخصیت کو مد نظر رکھ کر جاری کیا گیا ہوگا ۔ یہ بات خلافِ قرینہ بھی نہیں ہے کیونکہ مولوی یکدل کے سوانح کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں ہے ۔

مولوی غلام حسین ۱۲۵۲ھ تک دیوان اجودھیا پرشاد ، دیوان بیج ناتھ اور دیوان شنکر ناتھ کے خاندان کو پڑھاتے رہے ۔ چنانچہ ناظر ضلع لاہور پریم ناتھ اور شیو ناتھ آپ ہی کے شاگرد تھے ۔ ۱۲۵۲ھ کے بعد آپ علائقِ دنیوی سے قطع تعلق کر کے خانہ نشین ہوگئے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے ۔ اس زمانے میں آپ کے صاحب زادے مولوی یکدل آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ۔

مولوی غلام حسین کی وفات ۱۰ ۔ صفر ۱۲۶۰ھ بروز پنجشنبہ مطابق ۲۹ فروری ۱۸۴۴ع کو علی الصبح ہوئی ۔ مولوی نور احمد چشتی نے وفات کا حال یوں قلمبند کیا ہے :

"بوقتِ وفات آپ سید ظہور علی شاہ کی گود میں تھے اور ان کے حضور میں سید جلال بخاری کا ذکر ہو رہا تھا ۔ آخرِ کلام

ان کی لا إلہ الا اللہ محمدالرسول اللہ ہوئی اور بعد ازاں جان بحق تسلیم ہوئی۔ بس بعد جب دو ساعت انگریزی گزریں تو پائے مبارک آپ کا ہلا بلکہ پائے مبارک کو تا ران مبارک جنبش ہوئی۔ اشخاص موجودہ حیران ہوئے تو مولوی جان محمد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ یہ معاملہ نعش حضرت شیخ شبلی پر بھی ہوا تھا[1]۔"
مولوی احمد بخش یکدل کو اپنے باپ سے جو قلبی تعلق تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل سطور سے کیا جا سکتا ہے:

"ناگہاں باوا جی قدس سرہ دھم صفر ۱۲۶۰ھ رحلت فرمودند۔ آنچہ برمن گزشت سخت گزشت۔ یک ہزار و چار صد روپیہ بر ایشاں خرچ کردم، در مسجد چینی خواب گاہ کردند۔ ہفت صد روپیہ بر مسجد و خانقاہ بخرچ آمدہ از خود بسیار دادم و مردم برادری (کذا) مُن بسیار دادند۔ حالا غلاف و جاروب و چراغ و گل ھا بر مزار ایشاں می پاشند و خدمت از قرار واقعی جاری است تا کہ پنجشنبہ ھا و جمعرات کلاں ھا و چہلم و شش ماھی و شب برات و عرس بعد از یکسال و مرثیہ ھا بخیر و خوبی بسیار شد[2]۔"

مسجد چینی میں اس خانقاہ کا اب کوئی نشان موجود نہیں۔
"تحقیقات چشتی" کی تصنیف یعنی ۱۸۶۴ء تک خانقاہ کی جو شکل موجود تھی اسے مولوی نور احمد نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے[3]۔
"تحقیقات چشتی" میں مفتی غلام سرور لاہوری کے مندرجہ ذیل قطعات تاریخ بھی درج ہیں۔ جن میں مولوی غلام حسین چشتی کے مادہ ہائے

---

۱ - تحقیقات : ص ۲۱ -
۲ - بیاض نمبر ۱۰ -
۳ - تحقیقات : ص ۲۱ -

وصال موزوں کیے گئے ہیں :

آں اہلِ صفا غلامِ حسین محبوبِ خدا غلامِ حسین
چوں رفت بخلد ، حوران و غلماں گفتند کہ ما غلامِ حسین
شہِ خلد مقبولِ ربِ جلیل کہ جاں کرد قرباں بنامِ حسین
ندا شد بسرور بتاریخِ سال بگو ہادیِ ما غلامِ حسین
مولوی شیخ چشت اہلِ بہشت مدح خوانِ علی وصیِ نبی
سرورِ زار سالِ ترحیلش گفت پاکیزہ دل غلام علی

۲

مولوی نور احمد چشتی کے والد مولوی احمد بخش یکدل ، مولوی غلام حسین چشتی کی پانچویں اولاد تھے ، جیسا کہ یکدل خود لکھتے ہیں :

"بیگم بی بی و حبیب اللہ و قادر بخش و رکھی وغیرہ خواہران و برادرانِ من شدند ، اما ہیچ کسی نماند ، الاّ من۱ ۔"

مولوی یکدل ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے ۔ اپنی پیدائش کے بارے میں انہوں نے اپنی تحریروں میں خاطر خواہ تفصیل مہیا کی ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"روزی کہ زائیدم ہفتم ماہ صفر روز پنجشنبہ وقت دو گھڑی شب باقی ماند و (در) ۱۲۱۲ھ بوجود آمدم۲ ۔ مبارک باد شد ۔ ہماں وقت جدِ شریفم۳ قلم برداشتہ ابیات چند از زبان قدسی بر آوردہ صبحگاہاں کہ سید امیر بخش عرف میر نتھو شاہ کہ مردِ عامل

---

۱ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ۔
۲ ۔ ایک دوسری جگہ بھی اشارۃً کہتے ہیں : "الحال ۱۲۶۲ھ سال پنجاہ و دوئم می رود ۔" (بیاض متفرق اول ، مملوکۂ نیشنل میوزیم کراچی) ۔
۳ ۔ مراد ہے مولوی محمد ابراہیم چشتی ۔

و کامل و مرگان پوش و حاکمان وقت بر دروازۂ او می رسیدند و شاعر نیز بود و صاحبِ علم (قبرش بیرونِ خضری دروازه لبِ خندق تا حال موجود است) برای مبارک بادی آمد ـ جنابِ جدِ امجدی گوشگزار کردند و میر نتھو صاحب دعا در حقِ بنده کردند :

چون پورم از غلامی حسینی — بفرزندی کہ یا رب باد شادان
دو چشمِ خویش را انوار افزود — بود ایں هر دو را الله نگهبان
بود فرزندش از عمرِ طبیعی — بعلم و ورع خود مقبولِ اقران
چون تاریخِ ولادت باز جستم — بهم شد مصرعی از لطف یزدان
بروز چار شنبہ از صفر هفت — قرانِ ماه و مهر و مشتری دان
بگوشم هاتفی از غیب گفته — باحمد بخش یکدل لطف یزدان

۱۲۱۲

میر نتّھو شاه صاحب کہ نام ایشان امیر بخش بود ، نامِ بنده بر بخش خیال کردند و فرمودند کہ مرا از استخاره معلوم شد کہ او فقیر و شاعر و ناثر باشد ـ پس تخلص هم از جانبِ بنده "یکدل" باشد ـ همیں تاریخ موزوں فرمایند ـ چنانچہ جدِّ شریفم هم چناں گفتند[1] ـ"

مولوی نور احمد کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمانے میں مولوی یکدل پیدا ہوئے ، اُس زمانے میں مولوی غلام حسین ، حضرت فخرالدین[2] فخرِ عالم دہلوی کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کے لیے

---

۱ ـ بیاض نمبر ۱۳ ، ص ۱۱۵ ـ
۲ ـ مولوی فخر الدین نظامی ۱۱۹۹ هجری میں فوت ہوئے ـ ان کے بیٹے
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

شاہجہاں آباد گئے ہوئے تھے ۔ چنانچہ مولوی نور احمد لکھتے ہیں :

"ازانجا کہ ذاتِ مبارک آپ کی بڑی متعبّد اور متشرّع تھی لہٰذا شوقِ الٰہی نے وہ جذبہ دکھایا کہ بہ دل و جان تجسّسِ پیرِ روشن ضمیر میں مشغول ہوئے ۔ اس اثنا میں یہاں حضرت والدم مولوی احمد بخش صاحب المتخلص بہ یکدل پیدا ہوئے ۔ جب انھوں نے ہوش سنبھالا اور بہ عمرِ شش سالہ پہنچے تو ان کو بخدمتِ حافظ روح اللہ صاحب ، جو عالم مشہور لاہور کے تھے ، سپرد کیا گیا اور انھوں نے بہ خیال خاندان ان کو بکوششِ تمام پڑھانا شروع کیا[۱] ۔"

اس جگہ مولوی نور احمد اور یکدل کے اپنے بیان میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے ۔ مولوی یکدل نے اپنے اُستاد کا نام "میاں فضل اللہ از قومِ خوجہ" لکھا ہے ۔ یہ حضرت اس زمانے میں بھوانی داس کلال اور بشن سنگھ کے گھروں میں بیٹھ کر درس و تدریس کا کام کرتے تھے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قطب الدین نظامی تھے جو غالباً ۱۲۳۸ھ میں فوت ہوئے ۔ میاں نصیر الدین عرف میاں کالے ، مولانا فخر الدین نظامی کے پوتے تھے ۔ اگر مولوی غلام حسین اپنے والد مولوی محمد ابراہیم (متوفی ۱۱۹۵ھ) کی حیات میں دہلی جا کر مرید ہوئے ہوں تو یہ واقعہ ۱۱۹۵ھ سے پہلے کا ہوگا ۔

۱ ۔ تحقیقات : ص ۱۵ ۔

مولوی حافظ روح اللہ[1] اور مولوی فضل اللہ دونوں ہم عصر تھے۔ لیکن چونکہ مولوی روح اللہ زیادہ شہرت یافتہ تھے اس لیے ممکن ہے مولوی نور احمد کو نام میں مغالطہ ہوگیا ہو۔ یکدل کے الفاظ سے نہ صرف مولوی نور احمد کے اس بیان کی تردید ہوتی ہے بلکہ ان کے اس بیان پر بھی نظرثانی کی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ یکدل کی پیدائش کے وقت مولوی غلام حسین شاہجہان آباد میں تھے۔ یکدل لکھتے ہیں :

"و چون سرشتِ مرا از غم کردہ اند ، از عہدِ صبا کہ مادرم در ہجرِ پدرم کہ روانۂ پشاور بودند و با مرزائی خان ناظمِ کابل در کابل و فضل احمد پیر زادہ نقشبندی پیرِ ابدالیان صحبت داشتہ و چیزی آوردہ ، مادرم بمکتبِ میان فضل اللہ از قومِ خوجہ فرستادی و او در خانۂ بھوانی داس کلال و بشن سنگھ

---

۱ - مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں : "مردی بزرگ صاحبِ علم بود و در صرف و نحو و منطق و معانی و حدیث و تفسیر و طب ثانی نداشت۔ شاگردِ رشید مولانا حافظ محمد سلیم لاہوری بود۔ حکامِ عہد مثل رنجیت سنگھ وغیرہ بسیار ادبِ وی می کردند۔ و وی در لاہور سنگ و زنہ و درعہ بحکمِ شرعِ محمدی جاری کرد و فتوای وی در علمای ہفت اقالیم منظور بود و واحدی در علم باوی تابِ مقاومت نداشت۔ و چون در مکۂ معظمہ رفت در سی روز ماہ رمضان قرآن حفظ کرد۔ آخر بوقتِ معاودت در بندر بمبئی وفات یافت۔ و تصانیفِ وی بسیار است. . . وفات در سنہ یک ہزار و دو صد و چہل و چہار (۱۲۴۴ھ) بوقوع آمد۔ (گنج تاریخ : صفحہ ۲۰۸)

نشستی ۔ ہر بھگت کہ مردہ و دھرم سنگھ و چیت سنگھ و
نہال سنگھ و گلاب سنگھ وغیرھم خواندندی ، من غریب ترین
مردم و نیز مسلمان بودم ، امّا میاں فضل اللہ مرحوم بحرمتِ جدّم
حرمت کردی و قرآن شریف بر قرآن غلام محمد پورِ غلام علی بن
دوست محمد خوانده شد ۔ مادرم بمحنت و مشقّت سہ روپیہ را
قرآن شریف از امام بخش حافظ بن مولوی لطف اللہ خطّاط بن
عبد الہادی گرفتہ داد ، و آن تاحال موجود است ۔ مرا چیزی
می آمد و چیزی نمی آمد ۔ سخت لاچار از ذہنِ نارسا بودم و مادرم
برای من دعا کردی و سر برھنہ نمودی۲ ۔"

یکدل کی والدہ عظمت النساء بیگم ، جس طرح پہلے مذکور ہوا ، مولوی عصام الدین بن عصمت اللہ بن محمد رضا کی بیٹی تھیں ۔ مولوی عصام الدین کی اولاد میں عظمت النساء کے علاوہ ایک صاحب زادے حاجی امام الدین بھی تھے ۔ حاجی امام الدین حج کے لیے مکّہ معظمہ گئے اور وہیں فوت ہوگئے ۔ چنانچہ یکدل لکھتے ہیں کہ ان کا مزار مکّہ معظمہ سے پانچ کروہ کے فاصلے پر ہے ۔ حاجی امام الدین کے بیٹے محمد مکّی اور حاجی احمد ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ع) تک زندہ تھے ۔ عظمت النساء اور حاجی امام الدین دونوں بہن بھائی مولوی عصام الدین کی بیوی رحمت النساء بنت جیوا کے بطن سے تھے ۔ اس اعتبار سے یکدل کا ننھیالی شجرہ یوں ترتیب پاتا ہے :

---

۲ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ۔

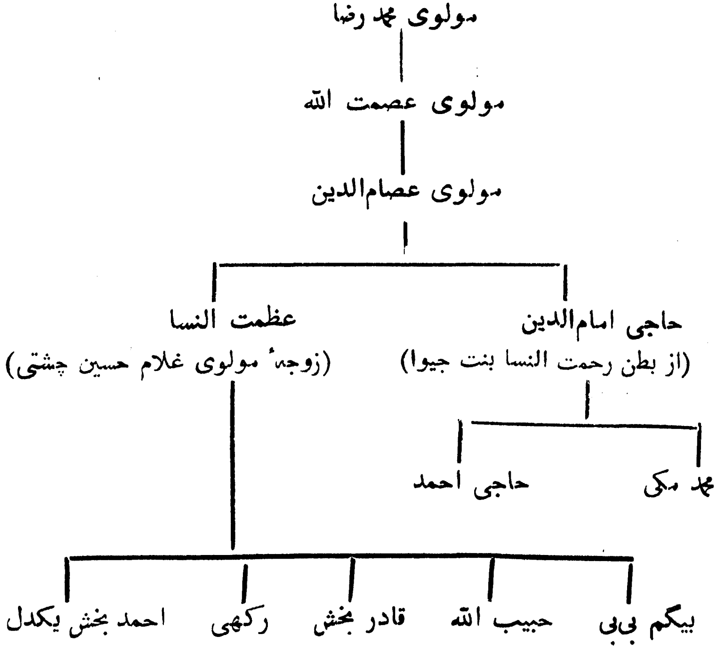

یکدل کی والدہ اور ان کی نانی یکدل سے بے پناہ محبت کرتی تھیں ۔ اپنی والدہ کے بارے میں یکدل لکھتے ہیں : ”مرا چون مرض آمدی جاروب بموی سر در پاخانہ از دیوانگی دادی ۔“ اور دونوں ماں بیٹیوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :

”مادرِ مادرِ من قرآن خوان و مادرِ من صابرہ و محنت کشیدہ و سخیہ و کریمہ و رحیمہ و خاشعہ بودہ است و بر من عاشقہ بود ۔
مرا پرورش داد ۔ من اورا در آسیا سائی شریک شدم[1] ۔“

مولوی صاحب موصوف نے اس زمانے میں اپنے گھر کی جس

---

۱ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ۔

عسرت اور تنگ دستی کا نقشہ کھینچا ہے ، اُس نے بعد میں ان کی شخصیت کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کیا ۔ مولوی صاحب کی ذات میں سخت کوشی ، دور اندیشی اور ذہانت انھی حالات کے تحت پیدا ہوئی ۔ چنانچہ مولانا یکدل سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر اپنے والد کی مسندِ تعلیم و تعلّم پر رونق افروز ہوگئے ۔

مولانا یکدل کے بیان کے مطابق سترہ برس[۱] کی عمر ہی میں ان کی شادی مولوی محمد بخش صحاف بن رحمت اللہ بن جان محمد بن رزق اللہ کی صاحب زادی فضل النساء سے ہوگئی ۔ والد کی غیر موجودگی میں بوڑھی والدہ اور بیوی کا خرچ مدرسے کی قلیل آمدنی سے کیسے پورا ہو سکتا ۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آپ نے اپنے خسر یعنی مولوی محمد بخش صحاف کے ساتھ مل کر کتابت ، ترجمہ اور نقل نویسی کا کام شروع کر دیا ۔ بیاضوں ہی میں ایک جگہ اس کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے ۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولوی محمد بخش کے علم میں ہے کہ میں کس قدر تیزی کے ساتھ کتابیں لکھتا تھا ۔ یہ زمانہ یقیناً ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ع) اور ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ع) کے درمیان کا ہوگا ۔ کیونکہ ۱۸۱۷ع میں ، جیسا کہ آئندہ سطور میں بیان کیا جائے گا ، مولانا یکدل کی باریابی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ہوگئی تھی ۔ ان تین چار سالوں میں ، جن کا اوپر ذکر ہوا ، مولانا یکدل کام

---

۱ ۔ یکدل کے الفاظ ہیں : ''در ہفدہ سالگی مرا بدخترِ محمد بخش صحاف بن رحمت اللہ بن جان محمد بن رزق اللہ دامن چاک کرد ۔'' (بیاض نمبر ۱۳) لیکن ایک دوسری جگہ اس شادی کا سال ۱۲۳۰ھ بیان کیا گیا ہے ۔ (بیاض نمبر ۷) اس اعتبار سے شادی کے وقت یکدل کی عمر سترہ برس سے یقیناً زیادہ ہوگی ۔

کی زیادتی اور حالات کی ناساعدت کے سبب سے اس قدر پریشان تھے کہ آپ کو دماغی عارضہ لاحق ہوگیا ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

''در مکتب لاہوری منڈوی در ہفدہ سالگی بہ طفلان چوپڑگان
ہندو نژاد تعلیم دادہ ترجمہ نویسی و کتابت و شعر و سخن و
شورشی در دل از آن آفتاب منظر[1] در دلم پیدا می آمد ، شدہ شدہ
بمالیخولیا کشید ۔ من دامنِ قرآن شریف مستحکم گرفتہ غلامیِ
درگاہِ عرش اشتباہ حضرت قدوۃ السالکین مخدوم علی گنج بخش
ہجویری برگزیدم و شام ہر روز بلاناغہ چہ ابر و چہ صفا و چہ
گل و لا و چہ تاریکی و روشنائی ، عشا در حرمِ اقدس خواندہ در
خانہ می آمدم ۔ و ازاں ناز خیر شاہ سیّد طبیب در چوک جھندہ
فصد و ماء الجبن و شش ماہ بادرنجبویہ و اسطوخودوس ۶ ماشہ
دو وقتی می فرمود ، تا اللہ تعالیٰ ببرکتِ قرآن شریف و
حمایتِ جناب ہجویر و بغداد رحمہما اللہ نجات داد[2] ۔''

---

۱ ۔ ''آفتاب منظر'' سے اشارہ کس کی طرف ہے ، ہرچند کہ واضح نہیں لیکن گمان کہتا ہے کہ یہ کسی محبوب سے وابستگی کی طرف اشارہ ہے ۔ ممکن ہے اس ''آفتاب منظر'' کا نام ''حاتم'' ہو ۔ مولانا یکدل کے خسر مولوی محمد بخش کو بھی اسی نام پر شبہ ہوا تھا ، جس پر مولانا یکدل ان الفاظ میں خفا ہوئے ہیں : ''حاتم بر من جان دادی و مجلای او را معشوقۂ من قرار دادی ۔'' (بیاض نمبر ۱۳) ''حاتم'' کا ذکر مولانا یکدل نے اس سے قبل بیاض نمبر ۱۲ میں جس طرح کیا ہے ، اس سے بھی اس شبہے کو تقویت پہنچتی ہے ۔ ''حاتم'' مولانا کی دودھ بہن تھی ۔ اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ تعلق جنسی نہیں بلکہ ذہنی اور روحانی تھا ۔

۲ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ۔

مولوی نور احمد نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوہاری منڈی کے مدرسے میں درس و تدریس کا آغاز کرتے ہی مولانا یکدل ، مہاراجا دینا ناتھ کے خاندان کے اتالیق مقرر ہو گئے تھے ۔ اس کے علاوہ لاہور کے بیشتر رئیس زادے بھی ان کی علمی شہرت کے باعث انھی کے دامنِ تلمّذ سے وابستہ ہو گئے تھے[1] ۔

جس طرح پہلے لکھا گیا ، ۱۲۳۳ھ یعنی ۱۸۱۷ء میں مولانا یکدل کی زندگی میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا ، اور وہ یہ کہ ملتان کے ممتاز صاحبِ علم و ثروت اور مہاراجا رنجیت سنگھ کی طرف سے منکیرہ کے وکیل ملک سکندر خاں خاکوانی اس سال مہاراجا سے ملنے کے لیے لاہور آئے ۔ ملک سکندر خاں ، مولانا یکدل کے پردادا مولوی ضیاء الحق چشتی کے شاگرد تھے ۔ آنھوں نے اہلِ شہر سے استفسار کیا کہ کیا مولوی ضیاء الحق کی اولاد میں سے کوئی صاحب موجود ہیں ؟ چنانچہ ان سے مولانا احمد بخش یکدل کا تعارف کرایا گیا ۔ سکندر خاں خاکوانی آپ سے مل کر آپ کے علم و فضل اور ذہانت سے بے حد متاثر ہوئے[2] ۔ چنانچہ وہ مولانا یکدل کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں لے گئے اور مہاراجا سے آپ کی عزت افزائی اور اعترافِ کمال کی سفارش کی ۔ اسی اثنا میں مہاراجہ نے ملتان فتح کیا اور حکم دیا کہ کوئی صاحبِ علم اس فتح کی اطلاع شہنشاہ انگلستان کو بھیجنے کے لیے شایانِ شان مراسلہ تحریر کرے ۔ ملک سکندر خاں خاکوانی نے موقع دیکھ کر مولانا یکدل کا نام پیش کیا ۔

---

۱ ۔ تحقیقات : ص ۲۲ ۔

۲ ۔ ''لوگوں نے والدِ ماجدِ بندہ کا نام لیا اور وہ آپ کو اپنے پاس بلوا کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ میں حضرت مولوی ضیاء الحق کا شاگرد تھا ۔'' (تحقیقات : ص ۲۳) ۔

چنانچہ مہاراجا نے یہ کام مولانا کے سپرد کر دیا ۔ یہ مراسلہ اس قدر عمدہ اور قابلِ ستائش تحریر ہوا کہ بقول مولوی نور احمد "تمام دربار آفرین آفرین ! پکار اٹھا ۔" امر ناتھ اکبری نے لکھا ہے کہ یہ خط مولانا نے چودہ برس کی عمر میں لکھا[1] ۔ لیکن امر ناتھ کو اس سلسلے میں سہو ہوا ہے ۔ ۱۸۱۷ء میں (کہ امر ناتھ نے اس واقعے کو اسی سال کے واقعات میں درج کیا ہے) مولانا یکدل کی عمر (۱۷۹۷ء میں ولادت کے اعتبار سے) بیس سال سے کم نہ تھی ۔

اس خط کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کی نوازشات کا رخ مولانا یکدل کی طرف ہو گیا ۔ چنانچہ امر ناتھ اکبری لکھتے ہیں :

"و برطبق فرمان سرکار والا ، استادی مخدومی و مطاعی مولوی احمد بخش چشتی لاهوری کہ از احفاد زهد الانبیاء خواجہ فرید شکر گنج مسعود اجودهنی روح اللہ روحہ و غرف اللہ فی الفردوس فتوحہ ، و از نبائر مولوی ضیاءالحق چشتی اورنگ آبادی ثم لاهوری در لاهور موجبِ فخر خاندان ها می‌باشند و خاصۂ تربیت نقیر و قطمیر این خاندانَ بسرپرستی ذات اقدس ایشان تعلق دارد ، نامۂ نامی را در عمر چهارده سالگی برنگاشتہ و سامان بهزاد رقم نقاشان نرگسین قلم را رنگین نسخہ از نگارخانۂ چین بباد داده و بعنایات خاقانی سرفراز و بجاگیر و خلعت ممتاز گشتند[2] ۔"

مولانا یکدل نے اپنے محسن ملک سکندر خان خاکوانی کو ایک جگہ اپنا استاد لکھا ہے[3] ۔ مولوی نور احمد نے اعتراف کیا ہے کہ

---

۱ ۔ ظفر نامہ : ص ۱۰۴ و ۱۲۳ ۔

۲ ۔ ظفر نامہ : ص ۱۰۴ (واقعات متعلق سال ۱۸۱۹ء) ۔

۳ ۔ بیاض نمبر ۲ ، مملوکۂ مرتّب ۔

"سکندر خاں صاحبِ مذاق اور واقفِ اسرار الٰہی تھے[1]۔ مولانا یکدل نے یقیناً ان سے استفادہ کیا ہوگا۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت سکندر خاں ملتانی خاکوانی چہ تہوّر درمیان طریقت داشت و کنارہ از معاصی و اجتناب از زخارف و خود را موظف سحر و شام داشتی۔ سبحان اللہ چہ کلام و چہ اشراف بر اسرار قلوب[2]۔"

مولانا یکدل کو مہاراجہ کے لیے خط لکھنے کے صلے میں جو کچھ صلا اس میں سب سے پہلی چیز تو دربار میں ملازمت کی پیشکش تھی جسے مولانا نے اپنی والدہ کے اس حکم کے مطابق کہ "پیشہ آبای تو معلّمی ست نہ کہ چاکری" قبول نہ کیا اور مہاراجا سے معذرت کرلی۔ مہاراجہ اس جواب سے خوش ہوئے اور بقول مولوی نور احمد:

"اسی وقت ایک چاہ موضع لبان والا اور ایک شریف پور اور ایک تلواڑا اور ایک پکی ٹھٹھی اور ایک بمقام موضع جگ پورہ، جو سرِ دریائے ڈیک ہے اور ایک ہوشیار پور اور ایک جالندھر میں عطا کیا۔ اور ماسوا اس کے ایک باغ موضع سانده میں بھی کہ جس کی زمین چالیس بیگھہ ہے، عنایت فرمایا۔ اور کل آمدنی چھ سو روپیہ سالیانہ مقرر کردی۔[3]"

۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ع میں مولانا یکدل کی والدہ عظمت‌النساء بیگم کا انتقال ہوگیا۔ مولانا کو اپنی والدہ سے جو محبت اور قلبی تعلق تھا، اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ یہ سانحہ مولانا کے لیے بہت

۱۔ تحقیقات: ص ۲۳۔
۲۔ بیاض نمبر ۱۴۔
۳۔ تحقیقات: ص ۲۴۔

بڑے صدمے کا باعث تھا ۔ چنانچہ والدہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"مادرم وفات کرد ، پانصد روپیہ خرچ کردم و خدمت بیماری شش ماہ کردم ۔ او بر من بسیار راضی رفت[1] ۔"

مولانا یکدل نے اپنی والدہ کی تاریخِ وفات اس طرح موزوں کی ہے :

تاریخِ مادرم عصمہا اللہ

مادرم رفت و غمم در گرفت　　خاتمہ را فاتحہ از سر گرفت
فکر چون اندر پئی آنہا شدہ　　رضوان اللہ علیہا شدہ

۱۲۴۰ھ

اس وقت تک مولانا یکدل (فضل النساء کے بطن سے) پانچ بچوں کے باپ بن چکے تھے ۔ مدرسے میں تعلیم و تعلّم کا کام پورے شباب پر تھا ۔ امر ناتھ اکبری نے مولانا یکدل کے سامنے اپنا زانوے تلمّذ تہ کرنے کا سال ۱۸۲۸ع یعنی ۱۲۴۴ھ لکھا ہے ۔ مولانا یکدل قدیم مشرقی اساتذہ کی طرح تھے جن کے شاگردوں کو تحصیلِ علم کے لیے بے شمار صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں ۔ سرزنش اور محاسبے کے اس امتحان میں جو شاگرد کامیاب ہو جاتا تھا ، اس کی علمی فضیلت میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہ رہتی تھی ۔ مولانا یکدل کے شاگردوں میں راجوں اور رؤسا کے بیٹوں کی کثرت تھی لیکن سختی اور تنبیہ کے معاملے میں کسی قسم کا لحاظ نہ رکھا جاتا تھا ۔ امر ناتھ اکبری اپنے زمانۂ طالبؓ علمی کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"دریں سال (۱۸۲۸ع) منِ آھوی صحرای بی ادبی را بہ مکتب

---

۱ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ۔

سپردہ بتادیم ادیب سراپا ادب مقرر نمودہ ۔ عمّم لالہ کدار ناتھ از فیضان عام سرمایۂ دانش و صفوت مولوی غلام حسین چشتی بتربیت عام و حلم فائز شدند ۔ نظر بر وارستگی ھا متوجہ زیارت خواجہ معین الدین چشتی بہ اجمیر گشتند ۔ مرا خلف رشیدش مجموعۂ فضایل و کمالات مخدومی و مطاعی مولوی احمد بخش چشتی برای اکتساب علوم موروثی و مکتبی تقیّد نمودند ۔ استاذم حفظ جاهم نگہ نداشتی و پدرم نیز بهنگام الغیاث بفریاد مرا ندیدی ۔ تخم عداوت در دل می کاشتم و بمکافات مستعد بودہ از زندان دبستان نجات آرزو می کردم ۔ چوں دانش رسمیم دامن گرفت و بامتیاز سپید و سیاہ فرحت اندوختم ، حالیا استاذ را بر می ستایم و همہ اوقات بپاداش آن رنج گنجها برای آں می اندیشم[۱] ۔“

دیوان امر ناتھ نے عقیدت اور ارادت کا یہ سلسلہ تا دیر قائم رکھا ۔ چنانچہ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ - ۱۸۴۳ع) میں لکھے گئے روزنامچے میں مولانا یکدل نے اشارہ کیا ہے کہ ۷ ماہ ہاڑ سمت ۱۹۰۰ کو ”امر ناتھ جی دہ روپیہ بہ بندہ درماهہ می رسانند حالانکہ آمدند از سرکار پنجروپیہ در ماهہ[۲] ۔“ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ع) کے قریب ، جب کہ مولانا یکدل کے مالی حالات اچھے نہ تھے ، امر ناتھ اکبری نے نہ صرف درماهہ بند کر دیا تھا بلکہ استاد کی مخالفت بھی شروع کر دی تھی اور اس کا رویہ گستاخانہ ہو گیا تھا ۔ مولوی یکدل ایک جگہ لکھتے ہیں :

---

۱ - ظفر نامہ : ص ۱۸۶ ۔

۲ - بیاض نمبر ۷ ۔

"امر ناتھ بالکل از من برگشت حالانکہ گفتہ بود کہ :

خشتم بر سر اگر ز چشتی گردم   بر گردم اگر ازو ، کنشتی گردم[1]

اسی روزنامچے میں دوسری جگہ یہ جملے ملتے ہیں :

"و امر ناتھ شورشی ورزید و دلگیر گونہ شد و او را امراض واھمہ و وسواس و فقیری و آزادگی دامن گرفت[2] ۔"

امر ناتھ کے علاوہ مولانا کے پاس امر ناتھ کے چچا کدار ناتھ کے دو بیٹے بدری ناتھ اور پران ناتھ بھی زیرِ تعلیم تھے ۔ لیکن ان کے باپ نے بھی ، جو خود مولوی غلام حسین چشتی کا شاگرد تھا ، رشتۂ تلمذ کو بالائے طاق رکھ کر مولانا یکدل کے ساتھ ناروا سلوک کیا ۔ چنانچہ مولانا کے یہ الفاظ کہ : "و باز کدارو با من بدی ھا کرد[3] " اس امر کا واضح ثبوت ہیں ۔

۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ع میں مولوی احمد بخش یکدل کی اہلیہ فضل النساء فوت ہوگئیں ۔ اس وقت تک مولانا کے ہاں سات بچے پیدا ہو چکے تھے ۔ آٹھواں بچہ پیٹ میں تھا کہ موصوفہ انتقال کر گئیں ۔ مولانا یکدل کو اس خاتون سے بے حد پیار تھا ۔ چنانچہ اپنے روزنامچوں میں ان کی وفات کو اپنے لیے بہت بڑا نقصان اور صدمہ قرار دیتے ہوئے ان کے بارے میں لکھتے ہیں :

"نیک بخت و پاک دامن و فرماں بردارِ من و مادرِ اولادِ من بود[4] ۔"

بیوی کی وفات کے بعد مولوی یکدل اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ کچھ مدت کے لیے لاہور سے باہر جانا پسند کیا ، غالباً اس لیے

---

۱ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ۔
۲ ۔ ایضاً ۔
۳ ۔ ایضاً ۔
۴ ۔ بیاض نمبر ۱۲ ۔

تا کہ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے - چنانچہ اسی سال یعنی ۱۲۵۰ھ میں مولوی یکدل اپنے صاحبزادے مولوی نور احمد کو ہمراہ لے کر دہلی چلے گئے اور مزاراتِ خواجگانِ چشت اور دیگر بزرگانِ دین کے مزارات کی زیارت کی - اپنے سفرِ دہلی کا ذکر انھوں نے اپنے روزنامچوں میں جا بجا کیا ہے - چنانچہ لکھتے ہیں :

"در مکتوب خودم بتکرار بقلم آمد کہ در ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ع) بشاهجهان آباد پیوستم و هشت ماه در آنجا بودم[1] -"

اس سفر میں جن مزارات کی زیارت کی ، ان میں سے بعض کا ذکر انھوں نے خاص طور پر کیا ہے :

"اول بمزاراتِ پیرانِ چشت علیه الرحمة فیض اندوختم - چون بمزارِ یمین الدین خسرو رسیدم ، آستانۂ میمین او را کہ بہ میخِ زر زده بودند ، بوسه دادم . . . آدابِ فاتحہ بجا آورده بمراقبہ هزاران حظوظ اندوختم و بزیارتِ جناب محبوب الٰهی شرفِ کونین و مسجدِ گنبد بی نظیر و قبر حضرت محمد شاه بادشاه و مخفی دختر شاهجهان بادشاه و صحن لآنی سبحان الله[2] -"

---

۱ - اوراقِ منسلکہ گلستانِ سعدی بخطِ یکدل مکتوبہ ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۳ع) - مولوی نور احمد نے اس سفر کی تقریب دیوان کدار ناتھ برادر خورد راجہ دینا ناتھ کی شادی قرار دی ہے - اگر یہ درست ہے تو یہ غالباً راجہ کدار ناتھ کی دوسری شادی ہوگی ، کیونکہ دیوان امر ناتھ نے ۱۸۲۸ع (۱۲۴۴ھ) کے واقعات میں اپنے چچا کدار ناتھ کے ہاں لڑکے کی پیدائش کا ذکر کیا ہے - اس لڑکے کا نام بدری ناتھ رکھا گیا جو بعد میں مولوی یکدل کا شاگرد ہوا - (دیکھیے تحقیقات : ص ۲۴ و ظفر نامہ : ص ۱۸۶) -

۲ - ایضاً اوراقِ منسلکہ -

قیامِ دہلی کے دوران میں مولوی یکدل کو بہادر شاہ ظفر بادشاہ کے دربار میں باریاب ہونے کا موقع ملا ۔ بادشاہ نے از راہِ قدردانی مولوی صاحب کو تیرہ پارچہ کا خلعت اور فخر الشعرا کا خطاب ارزانی کیا ۔ مولوی نور احمد لکھتے ہیں :

"بہادر شاہ بادشاہ سے . . . ان کو خطابِ فخر الشعرا ملا اور ایک مُہر بدر الدین مُہر کن کی دستخطی ، حضرت بہادر شاہ نے والدم کو بایں عبارت کندہ کراکر عطا فرمائی ۔"

"فضیلت پناہ ، یکدل آگاہ ، فخر الشعراء مولوی احمد بخش یکدل فدویِ محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی ۔" اور ماسوا اس کے تیرہ پارچہ کا خلعت مع دو رقم جواہر آپ کو اور سات پارچہ کا فدوی مؤلفِ کتاب ھذا کو عطا ہوا اور ہر طرح سے بمراحمِ شاہانہ و تلطّفاتِ خسروانہ سرفرازی بخشی[1] ۔"

دہلی سے واپسی کے بعد مولوی یکدل نے پے بہ پے تین شادیاں کیں ۔ ان میں سے پہلی شادی ، جو در اصل مولانا یکدل کی دوسری شادی تھی ، ۲۷ شعبان ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۸۳۵ع کو ہوئی ۔ مولوی صاحب نے آخرِ عمر تک کل پانچ شادیاں کیں ، جیسا کہ لکھتے ہیں :

"امروز کہ ۲۸ رمضان المبارک ۱۲۷۹ھ روز پنجشنبہ ۹ ماہ چیت سمت ۱۹۲۰ (۱۹ مارچ ۱۸۶۳ع) می گزرد ، سبحان اللہ طبع در گرفت است . . . تا در ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ع) آں جنت نشین کشادہ پیشانی[2] روانۂ مسلکِ تقدس گردید ۔ و باز دویم یک

---

۱ - تحقیقات : ص ۲۴ ، ۲۵ ۔

۲ - یعنی زوجۂ اول ۔

سال و چہار ماہ و باز سویم یک سال و یک ماہ و باز چہارم پانزدہ سال و باز پنجم زن را امروز ہشتم سال است[1] ۔''

ان پانچ بیویوں میں سے بعض کے بارے میں مولانا نے تفصیلات بھی فراہم کی ہیں ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

۱ ۔ ''فضل نشان[2] دختر محمد بخش مجلای منکوحہ[5] من در ماہ بیساکھ ۱۲۳۰ھ[3] کتخدا شدہ بود ، روز دو شنبہ وقت شام ۲۲ ۔ ماہ مگھر ۳ ۔ شوال ۱۲۵۰ھ روز بسنت[4] بطین رخت ہستی بر بست در گنج شہیدان متصل شاہ ابوالمعالی قدس سرہ مدفون شد[5] ... با من بیست سال زیستہ دختران و فرزندان برآوردہ[6] ۔''

اس بیوی سے مولوی یکدل کے ہاں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں ۔ ان کی تفصیل آئندہ سطور میں ''اولادِ یکدل'' کے تذکرے میں بیان ہوگی ۔ان آٹھ بچوں کے نام یہ ہیں : عطا حسین ، عطاء الحق ، غلام محی الدین ، فضل بخش ، فاطمہ ، امۃ الزہرا ، امۃ البتول عرف جیئاں بی بی ، نور احمد ۔

۲ ۔ ''زوجہ[5] دوئم دختر الہ بخش خراطی مرحوم (عظمت النساء مرحومہ[7]) ۲۷ شعبان ہفتم پوہ ۱۲۵۱ھ سمت ۱۸۹۲[8] بمن منکوحہ شد و باز بتقدیر ایزدی ۲۱ ماہ پوہ ۶ شوال ۱۲۵۳ھ

---

۱ ۔ اوراقِ منسلکہ گلستانِ سعدی ۔

۲ ۔ فضل النساء ۔ پنجاب میں تلفظ بگاڑ کر اسی طرح پکارتے ہیں ۔

۳ ۔ جمادی الاول ۱۲۳۰ھ ، مطابق مئی ۱۸۱۵ء ۔

۴ ۔ ۲ فروری ، ۱۸۳۵ء ۔

۵ ۔ بیاض نمبر ۷ ۔

۶ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ۔

۷ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ۔

۸ ۔ ۱۸ دسمبر ۱۸۳۵ء ۔

سمت ۱۸۹۴[1] روز چارشنبه در گورستان میانی مدفون شد[2] ۔"
اس بیوی کے بطن سے مولوی محمد علی پیدا ہوئے۔

۳ ۔ زوجۂ سوئم[3] ۲۵ ۔ ذوالحجہ ۱۲۵۳ھ[4] با من منکوحہ شد و باز ۲۶ ۔ صفر ۱۲۵۵ھ[5] روانۂ آن طرف ۔ شاہ المعالی بسر سر تلہ مدفون شد[6] ۔ بعد ازاں بیگم نام از موچی دروازہ آوردم[7] ۔"
اس بیوی کے بطن سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کے بارے میں مولوی صاحب نے لکھا ہے "بعد از انفصال شیردایہ رخصت شد ۔"

۴ ۔ بختیار بی بی ، والدۂ محمود علی کے بارے میں مولوی یکدل نے ۱۲۶۵ھ میں لکھا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان سے ان کی شادی کو دو سال ہوگئے ہیں[8] ۔ گویا ان سے مولوی صاحب کی شادی ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ع) میں ہوئی ۔

۵ ۔ ان کا نام معلوم نہیں ہوسکا ۔ ان کے بارے میں ۱۲۷۹ھ

---

۱ ۔ ۴ جنوری ۱۸۳۸ع ۔
۲ ۔ بیاض نمبر ۷ ۔ ان کی قبر میانی صاحب سے گورستانِ چشتیاں سلطان پورہ روڈ میں منتقل کر دی گئی تھی ۔
۳ ۔ مولوی یکدل کے پوتے مولوی حامد علی چشتی نے بیاض نمبر ۵ کے حاشیے پرلکھا ہے : "جدۂ سوئم خاکسار، لعل بی بی بنت حافظ نظام الدین انصاری سادہ کار بود ۔ او پسر محمد عظیم و او پسرِ حافظ عصمت اللہ بود ۔"
۴ ۔ ۲۳ مارچ ۱۸۳۸ع ۔
۵ ۔ ۱۱ مئی ۱۸۳۹ع ۔
۶ ۔ بیاض نمبر ۷ ۔
۷ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ۔
۸ ۔ بیاض ۱۳ ۔

(۱۸۶۳ع) میں مولوی یکدل نے لکھا تھا کہ ان کو رشتۂ ازدواج میں آئے آٹھ سال ہوگئے ہیں ۔ گویا ان سے آپ کی شادی ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ع) میں ہوئی ۔ یہ خاتون مولوی محترم علی چشتی کی والدہ تھیں ۔

۱۸۴۹ع میں انگریزوں نے پنجاب کو مکمل طور پر فتح کرکے سلطنتِ خالصہ کے آخری مہاراجہ دلیپ سنگھ کو معزول کر دیا ۔ پنجاب میں مشرقی تہذیب ، جو سکھ دور تک کسی نہ کسی صورت میں اسلامی تہذیب ہی کا ایک پرتو تھی ، خاتمے پر پہنچی اور اس کی جگہ یورپ کی ایک نئی معاشرت لاہور کے گلی کوچوں میں نمودار ہونے لگی ۔ مولوی یکدل کو انگریزوں سے دلی نفرت تھی ، اس پر انھیں ایک اور بڑا صدمہ ۱۸۵۷ع کی جنگِ آزادی میں ہندوستان سے مسلمان حکومت کے خاتمے اور انگریزوں کی ہندوستان پر مستقل حکومت کے قیام سے ہوا ۔ مولوی یکدل نے ۱۸۵۷ع کے دوران میں جو روزنامچہ تحریر کیا تھا ، اسے آپ کے بیٹے نور احمد چشتی نے غالباً خطرۂ جان سمجھ کر ضائع کر دیا تھا لیکن اس روزنامچے کی گونج ۱۸۶۳ع تک مولانا کی تحریروں میں برابر سنائی دیتی ہے ۔ چنانچہ ۲۸ ۔ رمضان ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۹ ۔ مارچ ۱۸۶۳ع کی ایک تحریر میں لکھتے ہیں :

"و من در عہدِ انگریزی تنہا شدہ و ہمہ مردم مشغولِ ہوا و ہوس شدند و امروز مردم ہمہ انگریزی خوان و پارسی و تازی یک لخت نابود شدہ ، و کسی را پروای علوم نماندہ و ہمہ مردم پوشاک انگریزی درخواستند و ہوسِ زنان انگریزی و باز پادریان دلیر و دین ضعف بسیار یافتہ و ہر یکی کمر بشرارت بستہ و پدر بر پسر نالش کردہ و پسر بر پدر و زنان فاحشہ شدند

و بمرضی از ستر داری متحاشی و بازار زنا و شراب و دغا بازی
و دروغ و سوگند کاذب و فریب آن قدر گرم شد کہ در خانۂ صدق
و کذب گنجائش یک مو در موافقت نماندہ[۱]۔"

اس صورت حال میں مولوی یکدل کے سامنے دو ہی راستے تھے ، یا تو انگریز کے ساتھ مفاہمت کرکے اسے اور اس کی لائی ہوئی تہذیب کو ذہنی طور پر قبول کرلیں اور یا پھر اس ذہنی اور علمی وراثت کو لے کر (جس کے وہ امین تھے) انگریز کی حکومت سے باہر چلے جائیں ۔ دوسری صورت کو اپنانے کے لیے مولانا کی نظر میں دو دربار ایسے تھے جن میں ان کے علم کی قدردانی ممکن تھی اور جہاں انھیں با عزت زندگی گزارنے کا موقع مل سکتا تھا ۔ ایک مہاراجہ رنبیر سنگھ والیِ جموں و کشمیر کا دربار اور دوسرا بہاول خاں رابع والیٔ بہاول پور کا دربار ۔ چنانچہ مولوی یکدل نے ان دونوں فرمانرواؤں سے رجوع کیا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ اپنے والد مہاراجہ گلاب سنگھ کی وفات کے بعد سمت ۱۹۱۴ بکرمی مطابق ۱۸۵۷ع کو فرماں روائے کشمیر ہوئے[۲]۔ یہ مہاراجہ کے تیسرے فرزند تھے ۔ پنڈت ہرگوپال ان کی وسیع القلبی اور انسان دوستی کے بارے میں لکھتے ہیں :

"جامع مسجد جو عہد سکھوں میں بند تھی ، اس کو کھلوا کر وہاں تک وضو و طہارت کے لیے نہر پہنچا دی ، جو کسی

---

۱ - اوراقِ منسلکہ گلستانِ سعدی ۔

۲ - یہ ۱۸۵۳ع میں تخت نشیں ہوئے مگر ۱۸۵۷ع تک مہاراجہ گلاب سنگھ زندہ رہے جو کاروبارِ سلطنت کی نگرانی کرتے تھے ۔ اس لیے ان کا عہدِ حکومت ۱۸۵۷ع سے سمجھنا چاہیے (قاضی ظہورالحسن ناظم : نگارستانِ کشمیر : ص ۲۵۴ ، دہلی ۱۹۳۴ع)

فرمان روائے اسلامیہ نے بھی نہ کیا تھا ۔ تین چار دفعہ مسجد
مذکور کو مرمت کرایا ۔ عہدہ و جاگیر برابر مسلمانوں کو
عطا ہیں ۔ کوئی ناقوس بجائے ، کوئی بانگ دے ، کوئی پاٹھ
کرے ، کوئی قرآن پڑھے ، کوئی ہندو رہے ، کوئی مسلمان ہو ،
ذرا مزاحمت نہیں ۔ دریا پر اگر نیچے بیٹھ کر ہندو سندھیا کرے
تو مسلمان غسل وغیرہ[1] ۔"

مہاراجہ نے ۱۸۸۵ع میں وفات پائی ۔ مولانا یکدل کی مہاراجہ کے حکیمِ خاص میر ولی شاہ اور اعتماد الدولہ ، نظام الملک شیخ غلام محی الدین بہادر ناظمِ صوبہ کشمیر سے دوستی تھی اور غالباً انھی صاحبوں کے ایما پر وہ شوال ۱۲۷۸ھ مطابق اپریل ۱۸۶۲ع کو جموں گئے ۔ مولانا لاہور سے ۴ ۔ شوال ۱۲۷۸ھ مطابق ۴ ۔ مئی ۱۸۶۲ع کو رخصت ہوئے اور ۲۵ شوال سالِ مذکور کو جموں میں وارد ہوئے ۔ اسی تاریخ کو جموں سے اپنے صاحب زادے مولوی محمد علی کے نام خط میں لکھتے ہیں :

"امروز روز جمعہ ۲۵ شوال است ۱۲۷۸ھ ، ۲۷ بیسا کھ و
من دریں روزھا بہ مصائبِ راہ و دغابازیِ یکہ والا در شش
روز در جموں رسیدہ ۔ امروز ۲۲ روز است کہ از شما رخصت
شدہ ام ، چہارم شوال بود[2] ۔"

اس زمانے تک مولانا کی پانچویں بیوی یعنی والدۂ مولوی محترم علی زندہ تھیں کیونکہ اس خط میں مولانا اپنے صاحب زادے کو لکھتے ہیں : "والدۂ خود را خاطرداری و زنِ چیمہ را در ہر کار مصلح دارید ۔"

---

۱ ۔ پنڈت ہرگوپال کول خستہ : تواریخ کشمیر ، ص ۲۰۶ ۔
۲ ۔ متفرّق اوراق ، مملوکۂ مولانا مسعود علی چشتی ۔

مہاراجہ کشمیر کی خدمت میں مولوی یکدل نے جو قصاید اور منظوم عرض نامے پیش کیے ، ان میں سے ایک قصیدہ اور ایک مثنوی محفوظ ہے ۔ قصیدے کا مطلع ہے :

ای کلک تو از حسنِ ازل دادہ نشانی
هم خط تو بر لوحِ ازل بستہ بیانی

اور مثنوی کے چند اشعار درجِ ذیل ہیں :

ای مہاراجہ بی بہا راجہ | بِن مہاراجہ بِن مہاراجہ
راجہ رنجیت دیو از تسخیر | دست یابی نکرد بر کشمیر
پدرت شد سپوت دانا تر | کہ ز آبا بدرجہا بہتر
بر سری نگر فتح یاب آمد | دلِ دشمن ازو کباب آمد
بر همہ کوهسار و تبتّ تاخت | تا حدِ چین حکمرانی ساخت
از پدر رتبہٴ دگر دیدی | پُوت بودی سپوت گردیدی
همہ باقی معاف فرمودی | فرقِ خلعت بر آسمان سودی
از گلاب آمدہ بروں نسرین | از عنایات باغبان برین

منِ یکدل کہ چشتیم اصل است | پئی غفلت نمودہ ام سرمست
پدرم صاحبِ ولایت بود | در علوم عزیز غایت بود
جملہ پنجابہ اعتقادش داشت | تخمِ نیکی و نیک نامی کاشت
دادہ رنجیت سنگھ مہاراجہ | از پئی خرچ نقد و دیگر چہ
بر مزارش ز صاحبان فرنگ | واگزارست نیز نیست درنگ
روز عرسش تمام پیر و جوان | داعی صاحبان عالی شان
من شدم ننگِ خاندان پیدا | کہ پئی حرصِ زر شدم شیدا
گر کنی عرضِ بندہ را مقبول | با عیالم دلِ من است ملول
خواهم از لطف تو کہ باقی دم | در حضورت بسر شود بقدم

تا مہ و مہر در حساب بود نامِ پاکِ تو در کتاب بود

طوطیِ ہند یکدلِ چشتی کہ بسی دید خوبی و زشتی
ہمہ وصفت بہ او پسند آمد بوسیلہ ہزال چند آمد
باغ تو زین نہال باد آباد شوکت افزون باشد و دل شاد
یا رب ! این پادشاہی قایم باد پسرِ او بعمر دایم باد[1]

قصیدے اور مثنوی دونوں پر سالِ تحریر ۱۲۷۸ھ یعنی ۱۸۶۱ع درج ہے -

اسی سال یعنی ۱۲۷۸ھ میں مولوی یکدل نے حافظ الملک نواب معین الدولہ بہاول خاں رابع والیِ بہاول پور کی سرکار میں قصائد لکھ کر بھیجے - اس سلسلے کے تین قصیدے محفوظ ہیں - ان میں سے قصیدۂ اول کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :

صبا لطیف بگو آں غزالِ رعنا را
سکندرِ زمن عباسیِ دل آرا را
صبا ز عہدِ صبا چونکہ ہست از در در
نظیر او بنظر نامد است عنقا را
چو بحر جود و نوالش ہمیشہ در طوفان
لب است خشک ز تبیان خضر دریا را

ملک بمژدۂ تولید پشتِ راست نمود
چہ رقص ہا کہ ز ناہید شد مسیحا را
چہ مجلسی کہ شدہ منعقد ز حشمتِ تو
ذخیرہ داد گدای کبیر و ادنیٰ را
ز چشتیان سلیمان شان ہست نوا
زلات دہر مبارک رسیدہ دارا را

---

۱ - متفرق اوراق ، مملوکۂ مولانا مسعود علی چشتی -

مجدّد از پئی رامش برفت از سرهند
جمنون گزید و ندانست راهِ گنگا را
چه جلسهٔ که ز لاهور تا بہاول پور
فرنگ و هند مبارک و هند بخارا را
همه دعای تو گفت و ز صدق دل گردید
وظیفه یکدلِ طوطی منش شکر خا را

قصیدهٔ ثانی کے دو شعر حسب ذیل ہیں :

حبّذا دولتِ نوّاب معین الدولہ
حافظ الملک خداداد بدین و بدول
ذاتِ او رابع واللہ کہ بہاول خان است
خمس الاوقات دعا گوش بود ھر مقبل

تیسرا قصیدہ اردو زبان میں ہے ۔ چند اشعار درج ذیل ہیں :

نسیمِ صبح میں یاں ہے کچھ اور ہی تاثیر
عجب نہیں ہے جو خنداں ہو غنچۂ تصویر
جہاں کہیں کہ بنائیں انار ، آتش باز
تو وہ انار خیابانِ باغ کا ہو نظیر
اٹھے غبارِ بیاباں جو بادِ صرصر سے
تو لوگ جانیں کہ ہے بوے گل سے اس کا خمیر

چراغ دودۂ ہارون رشید عبّاسی
شکار جس نے کیا سب کو ہے بفیضِ کثیر
شگفتہ ہو گیا سننے سے میرا غنچۂ دل
تھی اس کے نام میں گویا نسیم کی تاثیر

یہ قصاید بھی اوراقِ متفرّقہ مملوکۂ مولانا مسعود علی چشتی میں موجود ہیں ۔

مولوی احمد بخش یکدل کی وفات ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ع میں ہوئی ۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے مندرجہ ذیل مادۂ تاریخ موزوں کیا[1] :

شد بہ بزمِ محمدی آخر احمد آں بندۂ صداقت نقش
سالِ تاریخِ رحلتش سرور گفت دیدار حق باحمد بخش

۱۲۸۴ھ

مولوی یکدل فارسی نظم و نثر میں صاحبِ اسلوب تھے ۔ اپنے زمانے کی فاضل ترین اور معزّز ترین شخصیّات میں ان کا شمار ہوتا تھا ۔ آخر عمر تک انگریز کے مخالف رہے ۔ اگر ان کے بیٹے اس روزنامچے کو ضائع نہ کرتے جو آپ نے ۱۸۵۷ع کے حالات پر قلم بند کیا تھا تو شاید مولوی یکدل کو کسی صورت میں بھی انگریزی حکومت زندہ نہ رہنے دیتی ۔ ان تمام حالات کے باوجود انگریز حکام مولوی صاحب کا بے حد احترام کرتے تھے ۔ مولوی نور احمد نے ''تحقیقاتِ چشتی'' میں اشارہ کیا ہے کہ مولوی صاحب نے انگریزی مدرسے کی معلّمی قبول کر لی تھی ۔ یہ زمانہ یقیناً ۱۲۸۱ھ یعنی ۱۸۶۳ع سے بعد کا ہوگا کیونکہ اس سال کے لکھے ہوئے روزنامچے میں مولوی صاحب نے انگریزوں کے بارے میں سخت برہمی کا اظہار کیا ہے ۔ مولوی یکدل کو خود بھی اس بات کا احساس تھا کہ لوگ

---

۱ ۔ گنجِ تاریخ : ص ۲۱۶ ۔ مفتی صاحب نے حاشیے پر لکھا ہے : ''بخطابِ مولوی مخاطب بود ۔ اشعار فارسی خوب می گفت ۔ عبارات ِ نثرِ فارسی هم خوب می نوشت ۔ شاعر مشهور بود ۔''
مولوی یکدل کی قبر ، گورستانِ چشتیاں واقع سلطان پورہ روڈ ، علاقہ گھوڑے شاہ میں تا حال موجود ہے ۔ (مرتّب)

ان کا جان و دل سے احترام کرتے ہیں ۔ چنانچہ ایک جگہ اپنے مختلف ناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"۔۔۔ احمد بخش در ہر بیت[1] بموجبِ آئین داخل کردم و یکدل در شعرِ فارسی و نثر و مہر فخر الشعرا در پروانہ و القاب و چشتی نزد فقراء و در عربی متحد القلب و در عوام بلفظ مولوی مشہورم و من عاجزم کہ شش نام دارم ۔ امّا منسو جھوری ، پیر بخش نام نہادہ بود و آں ہم در طفلی بسیار مشہور بود ۔ صاحبِ ہفت نام ہستم[2] ۔"

مولوی صاحب کی علمی اور ادبی کاوشوں کی مندرجہ ذیل یادگاریں کسی نہ کسی حالت میں محفوظ ہیں :

۱ ۔ مولوی یکدل نے ۱۲۳۶ھ تا ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۸۲۰ع تا ۱۸۵۳ع کے تاریخی اور معاشرتی کوائف پر مشتمل بیس جلدوں میں روزنامچہ لکھا تھا ۔ یہ روزنامچہ ۱۹۱۷ع تک ان کی اولاد کے پاس موجود تھا ۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ اب ان میں سے بہت کم جلدیں محفوظ رہ گئی ہیں اور باقی حالات کی نامساعدت کے باعث ضائع ہو چکی ہیں ۔ آپ کے پوتے مولوی حامد علی چشتی نے ان بیاضوں کا انتخاب تیار کیا تھا ۔ یہ انتخاب مولوی حامد علی چشتی کے پوتے مولانا مسعود علی چشتی کے پاس موجود ہے ۔

۲ ۔ یکدل کی مکتوبہ بعض کتابوں کے آخر میں مولوی صاحب

---

۱ ۔ مراد ہے "سی حرفی" بزبانِ پنجابی کی ہر بیت میں ۔

۲ ۔ بیاض نمبر ۱۳ ۔

نے اپنے سالِ کتابت کے حالات قلم بند کیے ہیں ۔ ان کتابوں میں گلستانِ سعدی ، رباعیاتِ یوسفی اور توزکِ جہانگیری وغیرہ قابلِ ذکر ہیں ۔

۳ ۔ اردو اور فارسی غزلیات ، قصاید ، رباعیات اور مثنویاں ۔ یہ تمام کلام روزنامچوں اور بیاضوں میں درج ہے ۔

۴ ۔ 'واسع باری' ایک درسی کتاب ہے ۔ یہ ایک مختصر سی لغات ہے جس میں پنجابی الفاظ کے فارسی مترادفات بتائے گئے ہیں ۔ مولوی یکدل نے یہ پوری کتاب اردو زبان میں مثنوی کی صنف میں لکھی ہے ۔

مولوی احمد بخش یکدل کثیرالاولاد تھے ، بلکہ مولوی نور احمد نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ ''والدم کو آرزوے اولاد بدرجۂ کمال تھی ۔'' ذیل میں آپ کی اولاد کے بارے میں چند اہم کوائف پیش کیے جاتے ہیں :

زوجۂ اول فضل النساء کے بطن سے :

۱۔ فاطمہ بی بی : بچپن میں ہی فوت ہو گئی ۔ سالِ پیدائش یا سالِ وفات معلوم نہ ہو سکا ۔

۲۔ عطاء الحق : نانا نے اس بچے کا نام چراغ الدین رکھا تھا ۔ بچپن میں ہی انتقال ہو گیا ۔

۳۔ عطا حسین : یہ بچہ بھی چھوٹی عمر میں فوت ہو گیا ۔

۴۔ غلام محی الدین : چھوٹی عمر میں فوت ہو گیا ۔

۵۔ فضل بخش : بہت تھوڑی مدت زندہ رہ کر فوت ہو گیا ۔

۶۔ آمۃ الزہرا : ''امۃ الزهرا هشتم ساون سمت ۱۸۹۷ و پانزدهم ماه ربیع الاولٰی رخت ِهستی بعالم قدسی برد ۔ خیلی خوش رو بود ۔ یازده ماه عمر یافت ۔ او را مع یازده آدم در خاک سپردیم وقت چاشت ۔ کسی را

خبر نہ کردیم[1] ۔ ''

۷ ۔آمۃ البتول : بچپن میں ان کا ایک نام جیّاں بی بی بھی تھا ۔ معنی معلوم نہ ہو سکے ۔ لیکن مولوی یکدل نے اپنے روزنامچوں میں اشارۃً لکھا ہے کہ انھیں چھیڑنے کے لیے ''کھیّاں چیّاں'' بھی کہتے تھے ۔ ۲ ماہ رجب المرجّب سہ شنبہ ، ۱۲۴۰ھ کو یکپاس ماندہ پیدا ہوئیں[2] ۔ شنبہ پانزدہ ماہ رجب المرجّب ۱۲۴۹ھ مطابق مگھر سمت ۱۸۹۰ کو مفتیوں کے گھر میں ان کی شادی ہوئی[3] ۔ بیس سال تک زندہ رہ کر ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ع میں فوت ہو گئیں ۔

۸- نور احمد : تفصیل آئندہ سطور میں بیان ہوگی ۔

زوجۂ دوم عظمت النسا کے بطن سے :

۹- مولوی محمد علی : ۱۲۵۲ھ میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے بیٹے مولوی حامد علی چشتی نے آپ کا مادۂ تاریخِ ولادت ''فہو حسبہ مولوی محمد بخش'' کے الفاظ سے نکالا ہے[4] ۔ دیوان امر ناتھ اکبری نے جو مادۂ تاریخ موزوں کیا ، اسے یکدل نے اس جملے میں درج کیا ہے : ''محمد علی جی بماہ شوال یک ہزار و دو صد

---

۱ ۔ بیاض نمبر ۲ ، مملوکۂ مرتّب ، ورق نمبر ۱۴ ۔

۲ ، ۳ ۔ بیاض نمبر ۲ ۔ امۃ البتول کی شادی مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین کے خاندان میں ہوئی تھی ۔ (روایت مولانا مسعود علی چشتی)

۴ ۔ حاشیۂ بیاض نمبر ۳ ۔

و پنجاہ و دو پیدا شدہ[1] ۔"

۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۶ع میں آپ کے بڑے لڑکے مولوی حامد علی پیدا ہوئے[2] ۔ ۱۷ ماہِ صفر ۱۲۷۸ھ کو آپ کے چھوٹے لڑکے احمد علی چشتی پیدا ہوئے ۔ مولوی یکدل نے "تاریخ حمیدہ" کے الفاظ سے مادۂ تاریخ موزوں کیا[3] ۔ احمد علی چشتی بچپن میں ہی فوت ہو گئے ۔ مولوی حامد علی چشتی کثیر الاولاد ہوئے ۔ آپ کی اولاد کی تفصیل مولوی نور احمد کے آبائی شجرے میں موجود ہے جو شاملِ کتاب کیا جا رہا ہے ۔ مولوی محمد علی چشتی کے ہاں دو لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں جن میں سے ایک کا نام رحیم النسا عرف آپا رحیمن اور دوسری کا نام غنی النسا عرف اماں بی بی تھا ۔ مولوی محمد علی کی اہلیہ کا انتقال ۲۶ ماہ صفر

---

۱ ۔ بیاض نمبر ۷ ۔

۲ ۔ تاریخ ولادت برخوردار حامد علی کہ کنیتِ او "نظام حق والدین" است :

بگفتہ ہاتفم از سالِ تولید   نظام الحق والدیں جاوداں باد

۱۲۷۳ھ

(اوراق منسلکہ گلستانِ سعدی)

۳ ۔ "امروز ۱۲ مرداد ماہ الٰہی ۱۹۱۸ مطابق ۱۷ ماہ صفر المظفر در خانۂ برخوردار محمد علی چشتی پدرِ مولوی حامد علی چشتی جناب لم یلد و لم یولد جلشانہ فرزندی کرامت کردند ، از صبح صادق باقی بود ۔ الٰہی عمر دراز بہر سہ روزی باد ۔ بفضلِ ایزدی باسمِ احمد علی چشتی موسوم کردند ۔" (متفرق اوراق ، مملوکۂ مولوی مسعود علی چشتی) ۔

۱۲۷۹ھ مطابق ۱۷ - مارچ ۱۸۶۳ع کو ہوا -

مولوی محمد علی صاحبِ علم و فضل اور بہت اچھے شاعر بھی تھے - "پُردل" تخلص کرتے تھے - آپ کے اشعار چشتی خاندان کی بیاضوں اور "رفیقِ ہند" کی فائلوں میں موجود ہیں - آپ کا انتقال ۱۷ مارچ ۱۸۹۱ع کو بعارضۂ تپ ہوا -[1]

۱۰- زیب النساء : مولانا مسعود علی چشتی کی روایت کے مطابق یہ خاتون مولوی سراج الدین کی زوجہ تھیں - ان کے بطن سے ایک فرزند فخرالدین صدیقی پیدا ہوئے - زیب النساء کی ساس کا ذکر مولوی یکدل کے روزناموں میں موجود ہے[2] -

۱۱- اقبال النساء : ان کے بارے میں اس قدر معلومات فراہم ہوتی ہیں کہ آپ مولوی امیر بخش بن خیر الدین بن مولوی محمد بخش صحاف کی زوجۂ ثانی تھیں -

زوجۂ سوم (بیگم نام) کے بطن سے :

۱۲- دختر : مولوی یکدل نے اس لڑکی کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "بعد از انفصال شیر دایہ رخصت شد -"

زوجۂ چہارم بختاور بی بی کے بطن سے :

۱۳- محمود علی : محمود علی کے بارے میں مولوی یکدل لکھتے ہیں : "برخوردار محمود علی باسم "مولوی" کہ برابر اعداد "محمد" است موسوم برای خوردی -" محمود علی

---

۱ - پنجاب گزٹ سیالکوٹ ، بابت ۲۸ مارچ ۱۸۹۱ع -

۲ - "خوشدامنِ زیب النساء ۱۲ - جمادی الاول ۱۲۷۲ھ رفت -" (یکدل : اوراقِ منسلکہ گلستان) -

کی ولادت پر دیوان امر ناتھ اکبری نے
مندرجہ ذیل مادۂ تاریخ موزوں کیا :

چون باحمد پسری داد جناب یزدان
طبع بشگفت ازیں مژدہ چوں گل در گلشن
سال میلاد بگفت از سر احمد احمد
شد ز محمودِ علی لحمک لحمی روشن[1]

زوجۂ پنجم کے بطن سے :

۱۴ - مولوی محرّم علی چشتی : محرّم کے مہینے میں پیدا ہونے کی وجہ سے ان کا یہ نام رکھا گیا - مولوی یکدل نے تاریخِ ولادت اس طرح کہی :

بفضلہ چون محرّم علی ولادت یافت
شش محرّم و یکشنبہ بود از میلاد
شش محرّم و یکشنبہ نیز شد تاریخ
مبارک است عزیزاں بتاں مبارک باد

٦ محرّم ۱۲۸۰ ھ مطابق ۲۳ جون ۱۸۶۳ع درست تاریخِ ولادت معلوم ہوتی ہے کیونکہ مولوی نور احمد نے 'تحقیقات' کے سالِ آغاز ۱۸۶۴ع میں مولوی محرّم علی کے بارے میں لکھا ہے کہ ''دوسرا بھائی محرّم علی جو ابھی خُرد یک سالہ ہے[2] -''

---

۱ - بیاض نمبر ۱۲ -

۲ - نقوش 'لاہور نمبر' ص ۹۴۴ اور روزنامہ 'احسان' بابت ۲۱ - دسمبر ۱۹۱۴ع میں آپ کی تاریخِ ولادت ۱۱ - اگست ۱۸۶۴ع درج ہے جو درست معلوم نہیں ہوتی -

مولوی محترم علی لاہور کی اہم ترین علمی اور سیاسی شخصیتوں میں سے تھے - ۱۸۸۴ع میں ''رفیق ہند'' جاری کیا جو عرصۂ دراز تک شائع ہوتا رہا - سر سید احمد خاں سے علمی مجادلے اکثر رہتے تھے - لیکن جب سرسید لاہور میں آئے تو آپ نے ''رفیق ہند'' کا خاص نمبر شائع کیا - مولوی محترم علی ۸ - دسمبر ۱۹۳۴ع کو صبح کے وقت فوت ہوئے - آپ کی اولاد سے دو بیٹے قائم علی اور مولوی ابراہیم علی تھے - قائم علی کے بیٹے عثمان علی ان دنوں لندن میں مقیم ہیں - مولوی محترم علی ، صاحب طرز ادیب اور عمدہ شاعر تھے - چشتی تخاص تھا اور شاہ مستان کابلی کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے -

۱۵- نور النساء : مولوی یکدل کی سب سے آخری اولاد اور مولوی محترم علی کی سگی بہن تھیں - آپ تا دیر زندہ رہیں لیکن ان کے ہاں اولاد کوئی نہیں ہوئی -

مولوی احمد بخش یکدل نے ایک جگہ اپنی جائے سکونت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

''دیوار بخانۂ فقیر خانہ واقعہ دارالسلطنت لاہور ، محلہ قاضی صدرالدین مرحوم ، حویلی آدینہ بیگ خاں ، گزر چابک سواراں ککے زئی ، متصل کوچہ قدوۃالعلماء حضرت محمد شہریار مغفور لاہوری ، متصل مسجد چینی مبنیۂ حضرت بہادر شاہ عالمگیر بادشاہ ، فیل خانہ شاہنواز خاں ، تکیہ سادھواں ، کٹڑہ حاجی

امان اللہ ، چوتھے مفتی باقر[1] ۔"

۳

مولوی نور احمد چشتی ، جیسا کہ پہلے بیان ہوا ، مولوی احمد بخش یکدل کی پہلی بیوی مسماۃ فضل النساء بنت مولوی محمد بخش صحاف کے بطن سے تھے ۔ مولوی محمد بخش کی دوسری صاحبزادی جن کا نام ایمنہ تھا ، مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین بن غلام محمد سادہ کار بن مفتی محمد یوسف کے نکاح میں تھیں ۔ اس لحاظ سے مفتی علی الدین[2] مصنفِ 'عبرت نامہ"[3] رشتے میں مولوی نور احمد چشتی کے خالو تھے[4] ۔ مولوی

---

۱ ۔ بیاض نمبر ۱۲ ۔ یہ جائداد غالباً آپ کے اخلاف نے بیچ دی ہوگی ۔ مذکورہ جگہ پر اب نئے مکان بنے ہوئے ہیں اور اہلِ محلہ میں سے اب کوئی شخص آپ کے نام سے واقف نہیں ہے ۔

۲ ۔ "یکدل : بیاض نمبر ۱۲ : مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین بن غلام محمد سادہ کار بن مفتی محمد یوسف کہ در عہدِ احمد شاہ درانی علم خواندہ مفتی گری گرفت ۔ والدۂ علی الدین صاحب جان ۔"

نیز : "میگوید بندۂ نیاز آگین مفتی علی الدین خلف مفتی خیر الدین مرحوم لاھوری عفی اللہ عنہما کہ . . . از بدوِ سنہ ۱۸۲۳ عیسوی مطابق ۱۲۳۹ ھجری موافق سمت ۱۸۸۱ بکرماجیتی مع والد مرحوم خود از لاھور کہ وطن آبائی و اجدادی و زاد بومم بود ، بہ سبب ظلمِ سنگھاں برآمدہ بلودھیانہ رسیدم و ازان تا یومنا ھذا کہ سنہ ۱۸۵۴ عیسوی مطابق سنہ ۱۲۷۰ ھجری موافق سمت ۱۹۱۱ بکرماجیتی است ، بجناب اکثری صاحبان ذی شان . . . حاضر بودہ ۔" (عبرت نامہ ص ۱) ۔

۳ ۔ مطبوعہ پنجابی ادبی اکیڈیمی ، لاہور ۱۹۶۱ع ۔

۴ ۔ مفتی علی الدین کے بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے مولوی یکدل لکھتے ہیں : (بیاض نمبر ۱۳) "جلال الدین پسر علی الدین بن خیر الدین بن غلام محمد بن یوسف نواسۂ محمد بخش مجلای از بطن ایمنہ ۔"

نور احمد کا ننھیالی شجرہ شاملِ کتاب کیا جا رہا ہے۔

مولوی نور احمد کی ولادت کے بارے میں مولوی یکدل لکھتے ہیں :

"بعد ازان بجای ششم برخوردار نور احمد چشتی طالعمرہ در ۱۲۴۴ھ چہار شنبہ ، ہفتم ذی الحجہ (مطابق ۱۰ جون ۱۸۲۹ع) تولّد شدہ در پرورشِ او سعی میکردم و او را "جھنڈ" بر سر گزاشتم ، مردم او را "جھنڈو" می گفتند[1] ۔"

مولوی نور احمد ابھی چھ سال کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ تعلیم اپنے والدِ بزرگوار کے مدرسے میں حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ راجگان کے بیٹوں کو تعلیم دیتے رہے اور پھر انگریزی مدرسے کے معلّم ہو گئے۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں :

"اور یہ کمترین بعمر چاردہ سالہ بفضلہ تعالیٰ شانہ فارغ التحصیل ہو کر با مہربانی دیوان امرناتھ صاحب خلف راجہ دینا ناتھ صاحب ، جو بخشی فوج سواری مہاراجہ صاحب تھے ، بعہدۂ وکالت مثل فتح خاں نون میں باقرار پانچ روپیہ یومیہ سرفراز ہوا۔ اور بعد چندی جب عملداری سرکار انگریزی ہوئی تو اول حسبِ معمولِ بزرگانِ خود مدرس رہا اور اس میں صاحبزادگان دیوان کرپا رام[2] اور بیلی رام[3] و بھیا ہری سنگھ سائبر والا وغیرہ ، دیوان بھیم سین پڑھتے رہے۔ اور ۱۸۴۹ عیسوی میں حسب الایما ڈاکٹر

---

۱ - بیاض نمبر ۱۰ - مولوی نور احمد کی تاریخِ ولادت اس مصرع سے برآمد ہوتی ہے : "مہدِ دولت نور احمد مجتبٰی" (تحقیقات)

۲ - دیوانِ موصوف ۱۸۲۶ع میں کشمیر کے گورنر تھے۔

۳ - بیلی رام عہدِ مہاراجہ رنجیت سنگھ میں خزانۂ عامرہ کے افسرِ اعلٰی تھے۔

لوگن صاحب بہادر کمترین مدرسِ صاحبانِ عالی نشان بقرار بیس روپیہ ماهیانہ برائے ایک گھنٹہ فی یوم فی صاحب مقرر ہوا۔ اور مدت تک صاحبانِ ملٹری و سول یعنی جنگی و ملکی کو پڑھاتا رہا۔ بعد ازاں فضلِ الٰہی سے مشہوری کمترین کی صاحبانِ عالی شان میں ہوئی اور اس اثنا میں نوبت فدوی کی بہ تعلیمِ اکثر صاحبانِ معزز پہنچی۔ بعد اس کے ۱۸۵۳ع میں فدوی خاص مدرس صاحبانِ عالی شان ملکی پر اس طرح پر ہو گیا کہ بہ باعث تباعد چھاونی میاں میر پڑھانا صاحبان جنگی کا گونہ کم ہو گیا[1]۔"

۱۸۶۴ع یعنی "تحقیقاتِ چشتی" کے زمانہ تالیف تک مولوی نور احمد کے یورپین شاگردوں کی تعداد دو ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"اور آج تک جو صاحبانِ اعلیٰ شان فدوی سے پڑھ کر بعہدہ ھای جلیلہ سرفراز ہیں، قریب دو ہزار کے ہوں گے[2]۔"

مولوی نور احمد نے اپنی اکثر تصانیف اپنے یورپین شاگردوں کے ایما پر ہی قلمبند کی ہیں۔ تصانیف پر بحث آئندہ سطور میں آئے گی۔ یہاں ان یورپین افسروں اور مشاہیر کی فہرست پیش کی جاتی ہے جنھوں نے مولوی نور احمد سے تعلیم حاصل کی اور جن کے نام انھوں نے

۱۔ تحقیقات ص ۳۶۔ ۱۸۴۹ع میں امریکن مشنریوں نے لاہور میں ایک انگریزی مدرسہ بھی قائم کر دیا تھا۔ چنانچہ هفت روزہ "کوہ نور" لاہور بابت ۲۹۔ اپریل ۱۸۵۰ع میں مشمولہ ایک اشتہار کی عبارت درج ذیل ہے:

"۲۹ دسمبر ۱۸۴۹ع سے بھاٹی دروازہ کے باہر امریکن مشنریوں کا انگلش زبان سکھانے کو مدرسہ بنایا گیا ہے۔ دو صاحبان اور ایک هندو بنگالی اس میں واسطے تدریس کے مدرس مقرر ہوئے ہیں۔"

۲۔ تحقیقات: ص ۲۷۔

ی تصانیف میں کسی نہ کسی حوالے سے درج کیے ہیں :

(۱) جان ہنٹر مارسن ، پادری : بحوالۂ تحفۂ چشتی
(۲) سی ۔ ڈبلیو ۔ نورمن : " " "
(۳) رابرٹ ڈوری گرفن : " " "
(۴) الیگزنڈر میکلوڈ اسٹورٹ : " " "
(۵) فرڈرک طہمسن مین برج : " " "
(۶) برنٹ اشبرنر : " " "
(۷) مسٹر آر ۔ ٹمپل (کمشنر لاہور) : بحوالۂ عجائبات چشتی
(۸) رابرٹ ایلیس اجرٹن (ڈپٹی کمشنر) : " " "
(۹) جارج ۔ ڈبلیو ۔ سی ۔ پلوڈن
(چیف کمشنر ناگپور) : " " "
۱۰) اڈورڈ تھارنٹن (کمشنر پنجاب) : " " "
۱۱) جارج او بارنس : بحوالۂ یادگار چشتی
۱۱) اڈورڈ ہولوٹ : " " "
۱۲) مسٹر فرانسس میگناٹن : " " "
۱۱) جارج ایڈورڈ ویکفلڈ : " " "
۱۴) فریڈرک ولیم برج او مسفلڈٹ : " " "
۱۰) جارج ہمتھ : " " "
۱۶) ڈبلیو ۔ کولڈ سٹریم
(ڈپٹی کمشنر ہوشیارپور) : بحوالۂ تحقیقات چشتی

ان کے علاوہ دو اور اہم شخصیتیں لارڈ لارنس (لفٹیننٹ گورنر جاب) اور سی ۔ یو ۔ ایچیسن بھی مولوی نور احمد کے تلامذہ میں تھیں ۔

۱۸۵۸ع میں مولوی نور احمد ملازمت کے سلسلے میں امرتسر

چلے گئے تھے جہاں آپ فوجی افسروں کو تعلیم دیتے تھے ۔ غالباً اردو اور فارسی پڑھاتے ہوں گے ۔ "یاد گار چشتی[1]" میں لکھتے ہیں :

"تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ میں شہر امرتسر میں جناب مسٹر فرانسیس میگناتن اور جارج اڈورڈ ویکفلڈ صاحب بہادر سول سروس اور فریڈرک ولیم برج اونسفلڈت اور جارج ھمتھ صاحب بہادر ، صاحبانِ رجمنٹ ۵۹ ، المشہور "لاتو" کو پڑھاتا تھا ۔"

دیوانِ چشتی کے بعض اشعار میں بھی قیامِ امرتسر کا ذکر موجود ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ چشتی کا امرتسر میں دل نہیں لگا اور وہ تھوڑے عرصے میں ہی واپس آ گئے ۔ "یادگار چشتی" کے زمانۂ طباعت یعنی اگست ۱۸۵۹ع میں وہ لاہور میں تھے ۔ دیوانِ چشتی میں امرتسر کا ذکر یوں آیا ہے :

چھوڑ لاہور کو آ بیٹھا ہوں امرتسر میں
کیا مزہ تھا جو مرے پاس پیارا ہوتا

لاہور کو دیکھے ہوئے مدت ہوئی مجھ کو
دل اب جو نہ دیکھے گا، بتر ہووے گا یارب

لاہور میں کس منہ سے بتا جاویں گے چشتی
جب تک کہ نیا فن کوئی پیدا نہ کریں گے[2]

پندرہ سال کی عمر میں ہی مولوی نور احمد کو خالصہ دربار سے ایک چھوٹی سی جاگیر عطا ہو گئی تھی ۔ اس کا ذکر ان کے

---

۱ ۔ طبع اول ، ص ۲۶ ۔
۲ ۔ دیوانِ چشتی (قلمی) بخطِ مولوی نور احمد چشتی ، مملوکۂ مولانا مسعود علی چشتی ۔

والدِ بزرگوار مولوی احمد بخش یکدل کی ایک بیاض میں موجود ہے ۔ عبارت یوں ہے :

"از ابتدای فصل خریف سمت ۱۹۰۰ (مطابق ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ع) در موضع بابری تعلقہ جسوان علاقہ ملک دوابہ مبلغ پنجاہ روپیہ را (کذا) یکدھنہ چاہ بنام میاں نورِ احمد چشتی جی مقرر شدہ ۔ پروانہ ھا شدہ اند ۔ امید کہ بایزدی حمایت جاری باشند' ۔"

مولوی نور احمد کو معلّمی سے اس قدر معقول آمدنی ہو جاتی تھی کہ وہ بڑی فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے ۔ انگریز حکام سے تعلیم و تعلّم کے علاوہ ان کے دوستانہ مراسم بھی تھے ۔ مولانا مسعود علی چشتی اپنے بزرگوں کے استناد سے روایت کرتے ہیں کہ مولوی نور احمد لارڈ لارنس لفٹیننٹ گورنر پنجاب کے حلقۂ خاص میں شامل تھے اور ملکی سیاست میں مولوی صاحب موصوف کے مشورے کو خاص اہمیت حاصل تھی ۔ معلّمی کے علاوہ مولوی نور احمد تھوڑا بہت کاروبار کرکے بھی روپیہ کماتے تھے ۔ معاصر اخبارات "سفیر ھند" وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حکومتِ انگلشیہ کو کتابوں کی جلدیں "بہ کار چپہ" فراہم کرتے تھے ۔ مولوی نور احمد کی اس تجارت سے دلچسپی اس اعتبار سے اور بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ مولوی صاحب کے نانا مولوی محمد بخش ، صحافت میں شہرہ رکھتے تھے ۔ مولوی صاحب لاہور کے علاوہ پشاور سے بھی جلدیں تیار کراتے تھے ۔ پشاور میں ان دنوں صاحبِ طرز صحاف موجود تھے ۔ ازیں جملہ بہاءالدین پشاوری کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے ۔

مولوی نور احمد کو حضرت فیض اللہ شاہ ساکن کرنال سے

---

۱ - بیاض نمبر ۷ ۔

بیعتِ طریقت حاصل تھی ، جیسا کہ "تحقیقات" میں لکھتے ہیں :

"ابتدا سے مجھ نحیف گم گشتہ بادیہ ضلالت کو تلاشِ فقرای اہلِ کمال تھی اور عین تمنّاے دلی بھی تھی کہ کوئی شہباز ایسا نظر آوے جو مجھ کو بھی شکار اپنا کرکے وابستہ فتراک کرے ۔ سو الحمد للہ والمنتہ کہ ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۱ع) میں جناب شمس فلک اتقا . . . جناب فیض اللہ شاہ دام فیضانہ تشریف آور لاہور ہوئے اور یہ عاصی پُر معاصی بہ مضمون "من طلب فوجد" و جوینده یابنده ، مشرّف بہ شرفِ اقتباسِ انوار دیدار نور بار ہوا[۱] ۔"

حضرت فیض اللہ شاہ کی بیعت شیخ المشائخ حضرت غلام محمد المشہور بہ مسکین شاہ دہلوی (متوفی ۱۲۷۷ھ) سے تھی ۔ اور حضرت مسکین سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلہ چشتیہ دونوں سے فیض یاب تھے ۔ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کو حضرت مولوی غلام علی دہلوی سے اجازت حاصل تھی اور سلسلہ چشتیہ میں آپ حضرت فخرالدین فخرعالم دہلوی کے خلیفہ خاص حضرت مولوی نیاز احمد دہلوی (متوفی ۱۲۵۰ھ) کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے ۔ مولوی نور احمد نے اپنا شجرۂ طریقت اس طرح منظوم کیا ہے :

ای کہ از کنج خفی در عین اظہار آمدی
با ہمہ اسمای حسنِ خود نمودار آمدی
کردی از اطلاقِ خود در نقطہ وحدت ظہور
بالباسِ میم احمد کار مختار آمدی
حسنِ مجمل را چون از اعیان مفصل ساختی
کسوتِ شیرِ خدا پوشیده کرّار آمدی

---

۱ ۔ تحقیقات : ص ۳۲ ۔

از تجلّی ِ جمال ِ خود حسن بصری شدی
همچو عبدالواحد ای واحد باطوار آمدی
از ظهور ِ فضل ِ خود گشتی مسمّی با فضیل
بر سریر ِ بلخ سلطان ِ جهان دار آمدی
گه سدید الدین شدی در عشق از راه سداد
گه امین الدین امین ِ راز ِ دلدار آمدی
کسوت ِ دلشاد پوشیدی بصد شان و علوّ
شام ِ بواسحاق را صبح ِ پرانوار آمدی
خود ابو احمد شدی با قدوهٔ دنیا و دین
ناصر ِ حق بو محمد بخت ِ بیدار آمدی
گاه بویوسف شدی و گاه مودود ِ جهان
با چنین جامه ملبّس گرم بازار آمدی
در طواف ِ کعبهٔ ثانی شدی حاجی شریف
هم چو عثمان مقتدای حزب ابرار آمدی
از پئی هر مستعین کردی معین الدین لقب
رحمت ِ هندوستان چون طور بر نار آمدی
مرکز ِ عالم گرفتی در محیط ِ وصل وجود
عین قطب الدین شده بر چرخ سیّار آمدی
از کمال ِ نور ِ خود هم چون فریدالدین شدی
صد هزاران تلخ کامان را شکربار آمدی
نام محبوب ِ الٰهی کردی و با عزّ و ناز
در نظام ِ دو جهان سلطان و سالار آمدی
کردی از رخسار ِ خود روشن چراغ ِ دهلوی
در کمال از علم علّامه گهربار آمدی

در شبستانِ دوعالم خود سراج الدین شدی
همچو علم‌الحق به علم الدین خبردار آمدی
کسوتِ محمود راجن کرده گشتی جلوه گر
خود جمال الدین شده با حسن رخسار آمدی
با همه خُلقِ حَسن مثلِ حسن کردی ظهور
واه وا شیخِ محمد نیک کردار آمدی
از پئ احیای دلها کرده ای یحییٰ لقب
قُطب وار اندر مدینه قطبِ پرکار آمدی
بر سرِ کُه طورِ دل مثلِ کلیم الله شدی
بر تماشای تجلّی محوِ دیدار آمدی
چون نظام‌الدین شدی اورنگ زیبِ معرفت
در نظامِ سلسله لولوی شهوار آمدی
اے که از فقرِ اتم کردی لقب فخرِ جهان
آشکارا رحمتِ عالم پدیدار آمدی
نازنین گردیدی و همچون نیاز احمد شدی
واجد و واحد شدی با زیب و بازار آمدی
گه غنی گردیده مسکین نامِ خود بنهاده ای
از غنا مسکین نواز و گرم بازار آمدی
با تجلّی های شاهی فیضِ حق گشتی سمر
سجده گاهِ جنّ وانس و مور و هم مار آمدی
"نورِ احمد" را تسابق داده با فضلِ عمیم
خاک راهِ چشتیان کرده باسرار آمدی
با کمالاتِ شیون و جمله اسمای صفات
آخر از فیضِ اتم مختار سرکار آمدی

"نـور احمد" متّحد بـا قلبِ خـود اقرار کرد
فیض الٰہی چـونئی در نفخہ و نـار آمـدی[1]

آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی نور احمد کو اپنے والد مولوی احمد بخش یکدل سے بھی فیض حاصل تھا ۔ "متّحد با قلب" سے مراد ، تتّحد القلب ہے جو مولوی یکدل کا عربی کلام کے لیے تخلص تھا ۔ مولوی نـور احمد نے اس امر کا اعتراف اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں بھی کیا ہے :

آقـائے دوجـہانی "یکدل" ہے بـاپ مـیرا
مرشـد مرا وہـی ہے اور پیر ہے تـو یـہ ہے
خاک اس کے درکی مجھ کو چوں قبلہ سـاں مکـرّم
اے دوسـتـانِ جـانی اکسیر ہے تـو یـہ ہے[2]

مولوی نور احمد چشتی نے "تحقیقات چشتی" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ وہ سولہ سال کی عمر سے مع عیال و اطفال اپنے والد سے علیحدہ مکان میں رہتے ہیں ۔ گمانِ غالب ہے کہ اسی زمانے میں ان کی شادی ہوگئی ہوگی ۔ اس بیگم کا نـام غـالباً سیّد بیگم ہوگا ۔ اس کے بطن سے ایک لڑکی ۱۸۵۲ع میں پیدا ہوئی ۔ یہ لڑکی شادی شدہ ہونے کے بعد فوت ہوئی ۔ ۱۹ مارچ ۱۸۶۳ع کو لکھے گئے روزنامچے میں مولوی احمد بخش یکدل نے تحریر کیا ہے کہ مولوی نور احمد کی مذکورہ صاحب زادی کی عمر اس وقت گیارہ برس ہے ۔ "یادگارِ چشتی" میں بھی ایک جگہ اس لڑکی کا ذکر درجِ ذیل الفاظ میں موجود ہے ۔

"مجھے یاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ کو لڑکی عنایت کی تھی تو ماسوا دوست آشناؤں کے مسٹر رابرٹ ڈوری گـرفن صـاحب

---

۱ ۔ تحقیقات : ص ۳۸ ۔
۲ ۔ دیوانِ چشتی بخطِ مصنّف ، مملوکہٗ مولانا مسعود علی چشتی ۔

بہادر نے مجھے پچیس روپے ٹوپی کرتے کے واسطے عنایت کیے تھے۔"
لڑکی کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

سیّد بیگم کا انتقال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۲ع میں ہوا۔[1] "دیوان چشتی"
میں سید بیگم کے فراق میں لکھے ہوئے متعدد اشعار موجود ہیں جن
سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی نور احمد کو اس بیوی سے بے پناہ اُنس
تھا۔ سید بیگم کے مرثیے کے چند اشعار درجِ ذیل ہیں:

وقت رخصت کے کوئی بات نہ ہونے پائی
وائے افسوس! ملاقات نہ ہونے پائی
مجھ کو معلوم نہ تھا ایسی جدائی ہوگی
رمز دل کو کوئی ہیہات نہ ہونے پائی
تم تو ہو چین میں اور غم نے ہے مجھ کو مارا
سرخوشی سے مری اوقات نہ ہونے پائی
سیّد بیگم ترے آرام نہ بھولیں گے کبھی
تم سے کوئی بات خرافات نہ ہونے پائی
اللہ اس گوشۂ تنہائی میں دے چین تجھے
سر پہ تا حشر رہے سایۂ حسنین تجھے[2]

سید بیگم کی وفات کے بعد مولوی نور احمد نے نکاحِ ثانی کیا
تھا۔ دوسری بیوی کا نام اپنے گھر سے جیواں اور مولوی نور احمد
کی طرف سے شاہ بیگم تھا۔ اس امر کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۸۵۹ع میں

۱۔ دیوانِ چشتی مذکور:

سالِ وصلش جست چون چشتی ز دل
گفت رضوان شاہِ حورانِ بہشت
۱۲۷۸ھ

۲۔ دیوانِ چشتی بخطِ مصنف، مملوکۂ مولانا مسعود علی چشتی۔

مولوی نور احمد نے جب اپنی رہائش کے لیے محلہ چابک سواراں میں مکان خریدا تو بعد میں اس مکان کو درجِ ذیل عبارت کے ساتھ شاہ بیگم کے نام سے ہبہ کر دیا :

"مکان ھذا کہ از خرید کردۂ من است بشرطِ قائمیِ نکاح کہ بندہ نشیند و از خانۂ من بیروں نرود با مسمّات کہ نام آں اول جیواں و حال شاہ بیگم است ، ہبہ کردم ۔ کسی دیگر را بایں غرض نیست ۔

نور احمد عفی عنہ

مدرسِ صاحبانِ اعلیٰ شان''[1]

جس مکان کا ابھی ذکر کیا گیا ہے اسے مولوی نور احمد نے پہلے ۱۲ جون ۱۸۵۷ع مطابق ۱۹ شوال ۱۲۷۳ھ کو وزیر خاں بن لطف خاں بن الف خاں وکیل قوم راجپوت کی معرفت غلام حسن و غلام نبی پسرانِ وارث خاں داروغہ بن لدھے خاں بن دیندار خاں سے رہن میں حاصل کیا ۔ مکان کا حدود اربعہ درج ذیل تھا :

۱ ۔ متصل بخانۂ غلام حسن مذکور

۲ ۔ متصل دیوار بدیوار مولوی صاحب مولوی احمد بخش یکدل

۳ ۔ متصل کوچۂ سربستہ

۴ ۔ متصل دیوار بدیوار خانۂ بدر دین و نتھو و امام بخش ۔

وارث خاں داروغہ نے یہ مکان ۱۴ شعبان ۱۲۴۴ھ کو محمد خاں بن حاکم خاں بن امین راجپوت سے خریدا تھا ۔

۱۱ جنوری ۱۸۵۹ع کو ڈیڑھ سو روپے مزید ادا کر کے مولوی نور احمد نے یہ مکان خرید لیا ۔ اس رجسٹری پر قاضی کی حیثیت سے

---

۱ ۔ اوراقِ متفرق ، مملوکۂ مولانا مسعود علی چشتی ۔

مولوی نور احمد کے خالہ زاد بھائی مفتی جلال الدین بن مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین کے دستخط ہیں[1] ۔

"تحقیقاتِ چشتی" میں مولوی نور احمد نے اس مکان کا درج ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے :

"اور اب اِن دنوں میں کمترین بشہرِ لاہور بہ محلہٗ چابک سواراں جنوب رویہ مسجدِ طلائی و غرب رویہ مسجدِ چینیاں والی بہ حویلی زرخریدِ خود سکونت پذیر ہے ۔ اور والدم ممدوح الصدر اسی محلہ میں دیوار بدیوار مکانِ مسکونہٗ راقم بہ مکانِ علیحدہ تشریف رکھتے ہیں ۔"

مولوی نور احمد کی اولادِ نرینہ کے بارے میں مولانا مسعود علی چشتی اپنی نانی اقبال النساء بیگم کی روایت سے بیان کرتے ہیں کہ سید بیگم ، جو شاہ چراغ سبزواری کی اولاد سے ایرانی الاصل تھیں ، ان کے بطن سے مولوی نور احمد کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام "سجاد" رکھا گیا ۔ یہ لڑکا ابھی گود میں تھا کہ ١٢٧٨ھ میں سید بیگم کا انتقال ہو گیا ۔ سید بیگم کی والدہ اپنے نواسے کو لے کر ایران چلی گئیں ۔ مولوی نور احمد نے بچے کی تلاش میں ایران تک کا سفر کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی ۔ اقبال النساء کی روایت کے مطابق مولوی نور احمد وفات کے وقت عالمِ بیہوشی میں کہتے تھے : "سجّاد ! میں تجھے ڈھونڈتا رہا ، آ مری چھاتی سے لگ جا ۔" اقبال النساء مولوی نور احمد کو "حضرت بھائی جان" کہتی تھیں ۔ ان کا کہنا تھا کہ وفات کے وقت مولوی نور احمد کو انھوں نے اس حالت میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ سینے پر ایسے بندھے ہوئے تھے جیسے کسی سے بغل گیر ہو رہے ہوں ۔

---

١ - اوراقِ متفرّق ، مملوکہٗ مولانا مسعود علی چشتی ۔

مولوی نور احمد ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ع میں ہیضے کی وبا میں اچانک فوت ہوگئے ۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے درج ذیل قطعے سے ان کی تاریخِ وفات نکالی ہے[1] :

نور احمد بخطۂ لاہور بود مشہور شاعرِ چشتی
سالِ فوتش ازیں سبب دل را گشت منظور شاعرِ چشتی

۱۲۸۴ھ

---

۱ ۔ گنج تاریخ : ص ۲۱۶ ، بار دوم ، ۱۸۷۷ع ۔
گنج تاریخ کے حاشیے میں مفتی صاحب لکھتے ہیں : ''نور احمد بن احمد بخش یکدل المتخلص بہ چشتی ۔ در لاہور سکونت داشت ۔ اشعارِ اردو می‌نوشت و عباراتِ اردو ہم تحریر می کرد و کتاب ہای ''یادگارِ چشتی'' و ''عجائباتِ چشتی'' تالیف نمود ۔''

من يتوكل علی الله فهو حسبہ و هو نعم المولیٰ و نعم الوکیل

ان دنوں بہ فضلہ تعالیٰ شانہ کے یہ رسالہ کثیر الفوائد

مسمیٰ بہ

یادگارِ چشتی

واسطے فائدۂ خاص و عام کے

حسب الحکم جناب مسٹر اوسولڈ و بی صاحب بہادر کے

مطبع لاہور کرانیکل میں مطبوع ہوا
۱۸۵۸ع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدِ ایزدی اور نعتِ محمدی کس کا یارا ہے کہ لکھ سکے مگر شکر معبودِ حقیقی کا بجا لانا ہر حال میں ضرور ہے۔ الحمد للہ کہ ہمیں انسانیّت کا جامہ پہنایا اور حیوانِ مطلق نہ بنایا۔ اگر گدھا یا کتّا بنا دیتا تو کیا عذر تھا۔ پھر ہم کو عقل بخشی تا کہ ہم نیک و بد سے واقف ہوں۔ سبحان اللہ کیسا صانع ہے کہ ایک اشارے سے دنیا پیدا کی اور پھر اس کو ملکوں سے سجایا۔ داناؤں نے نام اس کا ہفت اقلیم رکھا۔ سچ ہے خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اگر بادشاہ نہ ہوتے تو ظالم اور دولت مند غریب مسکینوں کو مار ڈالتے۔ ان میں سے صاحبان عالی شان انگریز بہادر کو یہ ہدایت بخشی کہ باوجودیکہ شاہنشہ ہوئے مگر یہ آئین[1] رکھی کہ شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیویں۔ خدا ایسے حاکموں کو سلامت رکھے۔

فقیر نور احمد متخلص چشتی لاہوری، ابتدائے عمل داری انگریزی سے ملکی اور جنگی صاحب لوگوں کو پڑھاتا ہے اور اکثر صاحبوں کے امتحان زبان فارسی اور اردو اور پنجابی میں کرائے اور سارٹیفکٹ پائے۔ مگر ہمیشہ دیکھا کہ یہ لوگ ہر ملک کے دستور کی طرف توجہِ دلی رکھتے ہیں۔ لہذا مجھ نحیف نے بعد تصنیف تحفۂ چشتی، علمِ صرف و نحو اردو اور خیالات دانش اور تعلیم انگلشیہ کے، بپاسِ خاطر

---

۱ - آئین بمعنی روش -

جناب خداوندِ نعمت جارج اوبارنس صاحب کے یہ ارادہ کیا کہ کچھ حال ملک پنجاب کا لکھوں ۔ اور صاحب ممدوح نے مع جناب اڈورڈ ہولوٹ اور قسیس سی ڈبلیو فورمن صاحب کے پسند کر کے فرمایا کہ اگر یہ رسالہ سالم ہو جاوے تو بہت سے صاحب لوگ نووارد اس ملک کے فائدہ پاویں گے ، بلکہ اپنی دستور العمل بناویں گے ۔ لہٰذا مجھ بندے نے گیارھویں تاریخ ماہ فروری ۱۸۵۶ع (ایک ہزار آٹھ سو چھپن عیسوی) کے مقام لاہور میں اس کو لکھنا شروع کیا اور نام اس کا "یادگارِ چشتی" رکھا ۔ خدا بخیر انجام کرے اور مطبوعِ خاص و عام ہو ۔

احوال لاہور کا

لاہور قدیمی ایک شہر ہے دریائے راوی کے کنارے پر۔ تواریخوں سے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ لو راجہ رام چندر کے بیٹے نے اول اِس شہر کو آباد کیا اور نام اِس کا بعضوں کے نزدیک لہور اور بعضوں کے نزدیک لہاور۔ قدرتِ الٰہی سے بہ موجب گردشِ زمانہ کے بعد کئی برسوں کے یہ آبادی ایسی ویران ہوئی کہ کہیں کہیں نشان عمارت کا رہ گیا اور بالکل کھنڈہار[1] ہو گیا۔ اس حالت میں دارالسلطنت اس ملک کی سیالکوٹ ٹھہرا۔ بعد اس کے جب سلطان محمود غزنوی[2] نے ہندوستان کو فتح کیا تو ملک ایاز کہ اس کا منظورِ نظر تھا، اس شہر کی آبادی پر متوجہ ہوا[3]۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص خدا دوست

۱۔ کھنڈر ؟

۲۔ سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۲۱ع میں انند پال کے لڑکے جے پال ثانی کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کیا۔ محمود نے ۲۹۔ اپریل ۱۰۲۳ع کو وفات پائی۔
(پروفیسر شجاع الدین مرحوم، نقوش، لاہور نمبر، ص ۳۶۔
نیز تاریخ پنجاب (انگریزی) از سید محمد لطیف ص ۸۴)

۳۔ سید محمد لطیف نے بھی یہی لکھا ہے کہ محمود نے لاہور کا انتظام ملک ایاز کے سپرد کر دیا جس نے فصیلِ شہر تعمیر کی اور شہر کی زیب و زینت میں اضافہ کیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ تمام کام ۱۰۲۳ع (محمود کا سالِ وفات) سے پہلے کا ہوگا۔ پروفیسر شجاع الدین مرحوم نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے بقول ہر چند کہ صاحبِ حدیقۃ الاقالیم کا بھی یہی دعوٰی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تھا اور اس پر بادشاہ نظرِ نوازش یہاں تک رکھتا تھا کہ اکثر مصنّف عاشق و معشوق کا نام درمیان میں لاتے ہیں۔ مزار اس کی لاہور کے ٹکسال بازار میں، جو متصل مشن اسکول کے واقعہ ہے، موجود ہے۔ اب تک وہاں ہر روز چراغ جلتا ہے اور جمعرات کی رات کو چراغان ہوتی ہے اور سال بھر میں ایک روز وہاں میلا ہوتا ہے۔ اکثر کنچنیں[1] ناچ کو رات بھر حاضر رہتی ہیں اور دوسرے دن پر مجلس بھی ہوتی ہے اور جہلا لوگ منّت بھی مانتے ہیں۔ اب یہاں عرس اور منّت اور مجلس کا حال لکھنا مناسب متصوّر ہوا لہٰذا مختصر کر کے لکھتا ہوں۔

فاتحہ:

اہلِ اسلام میں دستور ہے کہ جب کوئی فقیر خدا دوست مر جاتا ہے تو اس کا برس کے بعد فاتحہ دلاتے ہیں۔ فاتحہ اس کو کہتے ہیں کہ کچھ کھانا تیار ہوتا ہے۔ اور اس ملک کا دستور (ہے کہ) نان حلوا یا نان گوشت اور دال پکا کے رکھتے ہیں اور درویش اور مُلّا لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اول کچھ قرآن شریف پڑھتے ہیں اور باقی سب لوگ دست بستہ کھڑے رہتے ہیں اور چپ سے[2] اس کو سنتے رہتے ہیں اور کچھ آہستہ آہستہ درود شریف یا آیتِ قرآن پڑھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ملک ایاز نے لاہور کی زمامِ اقتدار ۱۰۳۷ع میں تھامی۔ سید ہاشمی فرید آبادی بھی اس بات سے متفق ہیں کہ ایاز، شہزادہ مجدود کے ہمراہ لاہور آیا۔ اسے شہزادہ مذکور کا اتالیق بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ایاز کی وفات ۴۴۹ھ مطابق ۱۰۵۷ع میں ہوئی۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے نقوش، لاہور نمبر، ص ۳۶ و مآثر لاہور، ص ۲۳ تا ۲۵)۔

۱۔ طوائفیں۔

۲۔ مراد ہے چپ چاپ۔

جب "ملا" پڑھ چکتے ہیں تو دونوں ہاتھ دعا کے واسطے کھڑے کرتے ہیں تو اس وقت مالک طعام کا ایک بڑے "ملا" یا اور کسی بزرگ کو باوازِ بلند کہتا ہے کہ "میں نے اس ماحضر کا ثواب تمھارے مِلک کیا" اور وہ کہتا ہے "قبول کیا" ۔ پھر سب لوگ حاضرینِ مجلس جو اس حلقے میں پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں ، اس کو کہتے ہیں کہ ثواب اس کا جو ہم نے سنا یا پڑھا تمھارا مِلک کیا ۔ وہ سبھوں کو کہتا ہے قبول کیا ۔ پھر وہ اس کے ثواب کو اس موتیا[1] کی روح کو بخشتا ہے اور پھر وہ طعام تقسیم ہوتا ہے ۔ دو دو چار چار نان لے کر سب لوگ رخصت ہوتے ہیں ۔ اس کو فاتحہ بھی کہتے ہیں اور ختم اور عرس بھی ۔ اور اس میں کھیر پکانا اور پھول دھرنا اور میوہ رکھنا ضرور ہوتا ہے ۔ اب اس زمانے میں یہ رسم ٹھہری کہ جہاں عرس ہوتا ہے وہاں ناچ راگ رنگ ہوتا ہے ۔ فاتحہ میں جانا کسی کو یاد بھی نہیں رہتا ۔ اور دوسرے دن فاتحہ کے قوال لوگ متّصل قبر کے آ کر گاتے بجاتے ہیں اور بہت لوگ جمع ہوتے ہیں ۔ یہ مجلس ہے ۔

حقیقتِ فاتحہ :

دستورِ اصل فاتحہ کا یہ ہے کہ ایک دن پہلے سب لوگوں کو خبر دیتے ہیں کہ کل فلانے وقت فلانی جگہ فاتحہ ہے ۔ اس ملک کی رسم ہے کہ اس میں "ملا" مسجدوں کے ضرور ہوں ۔ دوسرے دن علیٰ قدرِ مراتب فرش بچھایا جاتا ہے اور سب لوگ آ کر جمع ہوتے ہیں ۔ پھر کھانا پلاؤ یا مِٹھے چانول[2] یا نان گوشت ، حلوا کھیر

---

۱ ۔ مرحوم ۔

۲ ۔ پنجابی ۔ بجائے میٹھے چاول ۔

پھول پھلاری اور پانی لا کر رکھتے ہیں اور دو 'ملا' فاتحہ کے لیے مقرر ہوتے ہیں ۔ ایک آیتِ قرآن شریف کو دونوں نوبت بہ نوبت پڑھتے ہیں اور ختم کرتے ہیں اور بعد فراغت اس کے دعا مانگتے ہیں ۔ شریعت میں ایسا لکھا ہے کہ جس کے نام پر فاتحہ دلایا جاوے اس کی روح کو بہت خوشی حاصل ہوتی ہے ۔ گویا جو چیز وہاں موجود ہوتی ہے وہ کھاتا ہے ۔

حالِ منّت :

اور منّت یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کچھ مصیبت پیش آئے تو وہ کسی بزرگ کی قبر پر جاتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ اگر میرا فلانا کام ہو جاوے تو میں یہاں دو سو چراغ روشن کروں یا قبر پر غلاف چڑھاؤں یا پھولوں کی چادر لاؤں ۔ اور جب وہ کام پورا ہوتا ہے تو وہ وعدہ پورا کرتا ہے ۔ بعضے ادنا لوگ 'چورما چڑھاتے ہیں اور قبر کے آس پاس تاگا باندھتے ہیں ، اس مراد پر کہ اس پیر کو یاد رہے ۔ واہ ! ان لوگوں کے اعتقاد پر مجھے ہنسی آتی ہے کہ کیا کرتے ہیں ۔ عالم لوگ ان رسموں کو 'بد کہتے ہیں ۔ فقط ۔

ایک قلعہ پکا بھی اس نے از سرِ نو بنا کیا اور شہر نئے سرے سے آباد ہوا ۔ پھر سلطان محمود کے فرزندوں میں سے خسرو شاہ[1] اور خسرو ملک[2]

---

۱ ۔ خسرو شاہ بن سلطان بہرام بن سلطان مسعود ثالث نے ۱۱۶۰ع کے قریب لاہور میں وفات پائی ۔

۲ ۔ خسرو ملک بن خسرو شاہ ، باپ کی وفات پر لاہور کا حاکم بنا اور ۱۱۸۶ع میں غیاث الدین محمد غوری کے ہاتھوں شکست کھا کر قید ہوا اور اپنے بڑے بیٹے سمیت خراسان بھیج دیا گیا ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے : تاریخ پنجاب ، از سید محمد لطیف ، ص ۹۲ اور مآثرِ لاہور ، از سید ہاشمی فرید آبادی ، ص ۱۷۱ ۔

دونوں بیٹوں نے اِس ولایت کو تازہ فتح کرکے لاہور کو دارالسلطنۃ کیا ۔ غرض اٹھتیس برس تک دارالحکومت سلطان محمود کی اولاد کا رہا ۔ پھر کسی ہند کے بادشاہ نے اس شہر میں استقامت نہ کی ۔ بہ سبب اس کے بے رونق ہوگیا ۔ آخر ایک مدت کے بعد تاتار خاں سلطان بہلول کے ایک امیر نے دارالامارہ اس کو مقرر کیا ۔ اس کے پیچھے بابر بادشاہ کے بیٹے کامران میرزا نے وہاں بود و باش کی ۔ پھر تو آبادی اس کی زیادہ تر ہوگئی ۔ بعد اس کے اکبر[1] نے اپنے عہد میں اس کی آبادی پر خیال باندھا اور ایک فصیلِ خشتی اس کے گرد بنائی ، بلکہ مثمّن بُرج بھی قلعے میں اپنے رہنے کے واسطے تیار کرایا ۔ پھر نورالدین محمد جہانگیر[2] نے بڑی بڑی عمارتیں بنا کر مدت تلک یہاں رہنا اور نزول اجلال فرمایا اور اُس کی رونق کو بڑھایا ۔ چنانچہ وہ عمارتیں اب تک موجود ہیں ۔ شاہجہان کی عمل داری[3] میں بہت رونق زیادہ ہوئی ۔

---

۱ - متوفی ۱۰۱۵ھ مطابق ۱۵۹۹ع ۔ مادۂ تاریخ :

فوت شد اکبر از قضای الہ
گشت تاریخِ فوت اکبر شاہ
۱۰۱۵ھ

(تحقیقات ، ص ۹۶)

۲ - وفات : ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۳۱ع ۔ مادۂ تاریخ :

چو تاریخِ وفاتش جست کشفی
خرد گفتا جہانگیر از جہاں رفت
۱۰۳۶ھ

(تحقیقات ، ص ۹۸)

۳ - تخت نشینی : ۴ فروری ۱۶۲۸ع ۔ وفات : ۱۶۶۶ع ۔
(سید محمد لطیف : تاریخ پنجاب ، ص ۱۶۵ و ۱۷۴) ۔

جب عالمگیر کا وقت آیا تب دریاے راوی ایسا چڑھا کہ شہر کے اکثر باغات و عمارات کو صدمۂ عظیم پہنچا ، تو بادشاہ نے چوتھے سنہ جلوس میں ارشاد کیا کہ ایک باندھ مستحکم بنواویں تاکہ عمارات کو بارِ دیگر ایسا صدمہ نہ پہنچے ۔ میرِ عمارات نے ایسا ہی کیا اور اکثر جگہ سیڑھیاں پکی دریا میں بنائیں اور کنارے کو خوش اسلوب کیا ۔ غرض کہ چوتھے سال سے چالیس برس تک مرمت اور تعمیر اس کی ہوتی رہی ۔ چنانچہ اب تک نشان اس کے موجود ہیں ۔ اور چونکہ مزار شاہ بلاول[1] صاحب کی اس کے متصل ہے ، اب تک وہ باندھ "شاہ بلاول کا بن" مشہور ہے ۔ بن زبانِ پنجابی میں باندھ کو کہتے ہیں ۔ پھر یہ شہر ایسا آباد اور ہنرمندوں سے پُر ہوا کہ کوئی شہر ہند میں اس کے برابر نہ ٹھہرا ۔ مفلسی اور تنگ دستی کے دروازے یک لخت بند ، اجناسِ ہفت کشور بلکہ بحر و بر بافراط موجود ۔ اگرچہ کوئی کوچہ و بازار مسجد سے خالی نہ تھا ، لیکن دریا کے کنارے ، مقابل دولت خانۂ عالمگیر کے ایک مسجد فدائی خاں کوکہ[2] کے اہتمام سے سنگین ایسی تعمیر ہوئی کہ جس کی صرف تعمیر پر پانچ لاکھ صرف ہوا تھا ۔ سوا اس کے دہلی دروازے کے اندر وزیر خاں عرف حکیم علم الدین شاہجہانی[2] نے ایک جامع مسجد ایسی خوش قطع بنا کی کہ رونقِ شہر

---

۱ ۔ وفات : ۲۸ شعبان ۱۰۴۶ھ ۔ مادۂ تاریخ از مفتی غلام سرور لاہوری :

سفر چوں کرد زیں دار فنا سوی بقا آخر
ندا آمد یکی زاہد بلاول زینتِ جنت

حالات کے لیے دیکھیے تحقیقات ، ص ۲۸۰ تا ۲۹۰ ۔

۲ ۔ عبداللہ قریشی صاحب نے اپنے ایک مقالے میں حکیم صاحب کا نام علیم الدین انصاری لکھا ہے ۔ چشتی نے 'تحقیقات' میں بھی علم الدین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کی دو چند ہوگئی ۔ اس میں مزار حضرت میراں بادشاہ کی بھی ہے[1] ۔ اس مزار کو پُر انوار کہتے ہیں ۔ ہر جمعرات کو وہاں لوگ زیارت کے واسطے جاتے ہیں اور برس میں ایک دفعہ عرس بھی ہوتا ہے ۔ اس روز وہاں دوکانوں تلک خوب چراغاں ہوتی ہے ، مگر ناچ رنڈی کا نہیں ہوتا ۔ دوسرے روز مجلس ہوتی ہے ۔ اس میں اکثر فقرا جمع ہوتے ہیں ، حالت اور وجد ہوتا ہے ۔ بیان حالت اور وجد کا آگے کہیں ہوگا ، مگر تھوڑا سا یہاں بھی اب لکھتا ہوں ۔

بیانِ حالت :

کہ جس وقت قوّال لوگ گانا بجانا شروع کرتے ہیں تو بعضے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہی درج کیا ہے ۔ حکیم انصاری الملقب بہ ''نواب وزیر خاں'' چنیوٹ کے رہنے والے تھے ۔ مسجد کی بنیاد ۱۰۴۴ھ مطابق ۱۶۳۴ع میں رکھی گئی تھی ۔ مسجد کے ایک کتبے پر مندرجہ ذیل مادۂ تاریخ درج ہے :

تاریخ ایں بنای چوں رسیدیم از خرد
گفتا بگو کہ ''بانیٔ مسجد وزیر خاں''
۱۰۴۴ھ

چشتی نے 'تحقیقات' میں مسجد وزیر خاں کے بارے میں ایک کہانی بیان کی ہے جس کے مطابق مسجد کی بنیاد جہانگیر کے عہد میں رکھی گئی اور اس پر وہ رقم صرف ہوئی جو حکیم صاحب کو نورجہاں بیگم کے علاج سے حاصل ہوئی تھی ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تحقیقات ، ص ۹۹۹ تا ص ۱۰۰۸ - اور نقوش ''لاہور نمبر'' ، ص ۵۴۹ تا ۵۵۶ ۔

۱ ۔ وفات : ۱۷ ربیع الاول ۱۰۱۳ھ ۔ دیکھیے تحقیقات چشتی ، ص ۲۵۲ تا ص ۲۶۴ ۔

فقیروں کو ، اکثر "نوشاہیوں کو ، بے ہوشی ہو جاتی ہے اور نعرہ الاّ اللہ کا مارتے ہیں، اور سر کو زور سے ہلاتے ہیں ، اور بے خبر ہو جاتے ہیں ، تو دوسرا آدمی ان کو کمر سے پکڑ چھوڑتا ہے ۔ وہ زور سے کھڑا ہو کے سر مارتا ہے اور چلّاتا ہے ۔ بعضے "نوشاہی" ایسے بے ہوش ہو جاتے ہیں کہ ان کے پاؤں میں رسّا باندھ کر درخت سے اُلٹا کر کے لٹکا دیتے ہیں ۔ وہ اسی بے ہوشی کی حالت میں سر نیچے پاؤں اوپر لٹکا ہوا حال پڑا کھیلتا ہے ۔ اور بعضے راگ سن کے چپکے چپکے روتے ہیں ۔ لوگ ان لوگوں کو مشائخ کہتے ہیں ۔ اگلے زمانے میں مشائخ لوگ اکثر قابل اور دانا بزرگ صاحب کمال ہوتے تھے ۔ اب بجائے ان کے اگر تلاش کرو تو موچی ، جولاہے ملیں گے جنھوں نے کبھی نماز بھی نہ پڑھی ہو ۔ میرے نزدیک یہ بناوٹ ہے کیونکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب کوئی فقیر کامل بن جاتا ہے اور خدا کو پا لیتا ہے تو اس کو حالت اور وجد ہوتا ہے ۔

کیفیتِ نوشاہی :

اب یہاں مشہور ہے کہ جو کوئی نوشاہیوں کا مرید بنتا ہے تو اس کو حالت ہوتی ہے اور نوشاہیوں کا دستور ہے کہ جب کوئی ان کا مرید بنتا ہے تو اس کو گُڑ کھلاتے ہیں ۔ تو گویا اسی گُڑ سے و کامل بن جاتا ہے ۔ میں نے یہ سن کے کئی دفعہ گڑ کھایا مگر حیران ہوا کہ ایک دفعہ بھی حالت نہ ہوئی ۔ اس بات سے میرا اعتقاد اُٹھ گیا ۔ مگر حضرت نوشہ صاحب[1] جو ان کے بڑے پیر ہو چکے ہیں ، وہ صاحبِ کمال تھے ۔

---

۱ ۔ حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش متوفی ۱۰۶۴ھ ۔ (دیکھیے تحقیقات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ایضاً حالِ لاہور

نیچے اس مسجد کے وزیر خاں مرحوم نے ایک بہت اچھا چوک بنوایا ۔ سکھوں کے وقت میں وہ چوک خراب ہو گیا تھا ۔ اب انگریزی عہد میں پھر وہ صاف ہوا ۔ وہاں اب نعل بند گھوڑوں کے نعل بناتے

(بقیہ حاشیہ صفحہٴ گزشتہ)

چشتی ، ص ۲۴۴ تا ص ۲۵۲) ۔ چشتی کی بیشتر معلومات سینہ بسینہ روایات پر مبنی ہیں اور کسی مستند تذکرے یا سوانحی مأخذ سے غالباً رجوع نہیں کیا گیا ۔ مفتی غلام سرور لاہوری صاحبِ "خزینۃ الاصفیاء" نے اپنے مآخذ میں تذکرۂ نوشاھیہ مصنفہ حافظ محمد حیات نوشاہی (متوفی ۱۱۴۲ھ) کا حوالہ دیا ہے ۔ گمانِ غالب ہے کہ چشتی نے بھی مفتی ہی کے مسودے سے استفادہ کیا ہوگا ۔ مفتی اور چشتی دونوں نے تذکرۂ نوشاھیہ سے قطع نظر کر کے اپنی طرف سے غیر مستند روایات بھی درج کر دی ہیں ۔ حضرت نوشہ صاحب کے سوانح کے لیے مندرجہ ذیل مآخذ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں :

(۱) رسالہ تحفۂ رضویہ ، مصنفہ قاضی رضی الدین کنجاہی ، المتوفی ۱۱۱۳ھ ۔

(۲) رسالہ الاعجاز ، مصنفہ مرزا احمد بیگ لاہوری ، سالِ تصنیف ۱۱۰۷ھ ۔

(۳) ثواقب المناقب ، مصنفہ محمد ماہ صداقت کنجاہی ، المتوفی ۱۱۴۸ھ ۔

(۴) تذکرۂ نوشاہیہ ، مصنفہ حافظ محمد حیات نوشاہی ۔

(۵) مثنوی تحایفِ قدسیہ ، مصنفہ پیر کمال لاہوری ، سالِ تصنیف ۱۱۸۶ھ ۔

(۶) مراۃ الغفوری ، مصنفہ میاں امام بخش برقندازی جالندھری ۔

(۷) کنزالرحمت ، مصنفہ مولانا محمد اشرف فاروقی ، المتوفی ۱۲۲۵ھ ۔ سالِ تصنیف ۱۲۲۰ھ ۔

ہیں ۔ بیچ میں اس چوک کے ایک اور چھوٹا سا مقبرہ میراں سید صوف[1] کا ہے ۔ اب محمد سلطان ٹھیکہ دار[2] نے اسے از سرِ نو بنایا ہے ۔ اس کو

---

۱ ۔ وفات : ۸۷۶ھ ۔

''یہ مقبرہ مسجدِ وزیر خاں کے بیرونی چوک میں محاذی دروازہ کلاں مسجد واقع ہے ۔ پہلے صرف ایک قبر چبوترے پر بنی ہوئی تھی اور چاہ و مسجد خورد و فقیر کے رہنے کا ایک حجرہ بنا ہوا تھا ۔ سکھوں کے وقت لوگوں کی آمد و رفت اس مزار پر بھی بہت تھی ۔ سلطنت انگریزی میں جب چوک کے اندرونی مکانات گرائے گئے اور چوک نکالا گیا تو اس مزار پر محمد سلطان ٹھیکدار نے روضہ بنوا دیا ۔ اس گنبد کی تعمیر سے مزار کی رونق بڑھ گئی اور چوک کی زینت دوچند ہوگئی ۔ صاحبِ مزار ، سید اسحاق گاذرونی کا ہم عہد و ہم مجلس تھا'' ۔ (تاریخ لاہور ، کنہیا لال ، ص ۱۶۶ ، ۱۶۷)

محمد سلطان ٹھیکیدار نے درج ذیل عبارت ایک تعویذ پر کندہ کروائی اور اسے روضے کی شمالی دیوار میں نصب کروایا :

''بصواب دیدِ صاحب عالی مناقبِ میجر جارج میکریگر صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع لاہور ، مقبرۂ متبرکہ حضرت سید صوف قدس سرہ تعمیر کردۂ شیخ سلطان ٹھیکدارِ سرکار فیض آثار کمپنی انگریز بہادر دام اقبالہ ۱۸۵۳ع ، سمت ۱۹۰۸ ب ، ۱۲۶۸ھ اتمام رسید ۔''

۲ ۔ ''اس شخص نے سرکارِ انگریزی میں ٹھیکہ داری کے ذریعے دولت حاصل کی تھی ۔ سکھوں کے عہد میں صابون بناتا تھا ۔ . . ایک عمدہ و عالی شان سرائے و بازار اپنی یادگار چھوڑ گیا ۔ . . آٹھ سال گزرے ہیں کہ محمد سلطان مر گیا ، صلبی بیٹا اس کا یا کوئی اور منتظم موجود نہ تھا ، اس سبب سے خاندان برباد ہوگیا ۔''

(تاریخِ لاہور ، کنہیا لال ، ص ۷۸)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

میراں بادشاہ کا بھائی کہتے ہیں۔ وہیں راجا دینا ناتھ صاحب کی حویلی[1] ہے اور مغرب رویہ اس مسجد کے کوتوالی بہت اچھی عالی شان صاحبانِ انگریز بہادر نے بنوائی ہے۔

حالِ مزارات

اور بھی اکثر بزرگوں کے مزار ہیں۔ بھاٹی دروازے کے باہر پیر علی گنج بخش ہجویری کہ صاحبِ فیصلت اور ولایت تھے، ان کا مزار موجود ہے۔ وہ اس ملک میں بہت مشہور بزرگ ہیں۔ بہت بہت دور سے خلقت ان کی زیارت کو آتی ہے۔ ہر روز لوگ پھول لے کر سلام

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

محمد سلطان ٹھیکیدار فروری ۱۸۷۶ء میں فوت ہوئے۔ (بحوالہ ''نقوش'' لاہور نمبر) مفتی غلام سرور لاہوری نے جن محمد سلطان خاں رئیس اعظم کی تاریخِ وفات ''گنج تاریخ'' میں درج کی ہے، غالباً یہی ہوں گے۔ قطعۂ تاریخ کے آخری مصرعے یہ ہیں:

بہرِ سالِ رحلتش سرور زکلکِ اشکبار
شد عیاں پیشِ محمد رفت سلطانِ جہاں
۱۲۹۳ھ

نیز تفصیل کے لیے دیکھیے ''نقوش'' لاہور نمبر، ص ۴۰۶۔ ہفتہ وار ''کوہ نور'' لاہور، بابت ۵ فروری ۱۸۵۶ء۔

۱۔ راجہ دینا ناتھ متوفی ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۷—۱۸۵۸ء۔

''جس میں وہ خود قیام پذیر تھا۔ وزیر خاں کے چوک کے گوشۂ مشرق و شمال میں ایک عالی شان حویلی نہایت مکلف بنی ہے۔ اور شمالی دروازہ چوک کا اسی شخص کے نام سے منسوب ہے۔ اور دروازے کی پیشانی پر راجہ دینا ناتھ راجہ کلانور لکھا ہے۔ اس حویلی کا شمالی دروازہ ہے اور اندر بڑی بڑی عمارتیں عالی شان ہیں۔''

(تاریخ لاہور، از کنہیا لال، ص ۳۵۳)

کے واسطے حاضر ہوتے ہیں ۔ جمعرات اور جمعہ کو وہاں بہت لوگ جمع ہوتے ہیں اور کبھی کبھی جمعہ کے روز بوقت چار بجے وہاں قوال بھی گاتے ہیں ۔ اور برس میں دو دفعہ وہاں میلہ بھی ہوتا ہے ۔ ایک بیسویں تاریخ صفر مہینے کی اور دوسرا آخری چہار شنبہ کے روز ۔ اور بہت سے مقبرے شہر کے گرد و نواح میں ۔ چونکہ مشہور ہیں لہٰذا بیان ان کا نہ لکھا ۔

اور ایک باغ ''شالامار'' قریب دو چار میل کے پورب کی طرف واقع ہے ۔ اگر اس کو نمونۂ بہشت کہیں تو بجا ہے ۔ حوض اور فوارے بہت اچھے، ساونن بہادروں خوب مصفّا ، انب سنگترے بہ کثرت ، سیر گاہ بہت خوب ، یادگارِ شاہجہان بادشاہ ہے ۔ اس کی سیر سے دلِ بستہ کو شگفتگی اور خاطرِ پژمردہ کو تازگی ہوتی ہے ۔

قلعے کے متصّل ایک حضوری باغ مابین مسجد بادشاہی کے ، اب وہ ویران ہوگیا ۔ شمال رویہ اس باغ کے سمادھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی واقع ہے ۔

اس شہر کے باراں بڑے اور ایک چھوٹا دروازہ ہے ۔ نام ان کے یہ ہیں[1] : دہلی دروازہ ، اکبری دروازہ ، موچی دروازہ ، شاہ عالمی دروازہ ، لاہوری دروازہ ، موری دروازہ (یہ چھوٹا ہے) ۔ بھاٹی دروازہ ، ٹکسالی دروازہ ، روشنی دروازہ (یہ شاملِ قلعہ ہے) ۔ مستی دروازہ ، خضری دروازہ ، ذکّی دروازہ ، لوگ اس کو یکّی دروازہ کہتے ہیں ۔

---

۱ ۔ کنہیالال نے ان میں سے ہر دروازے کی وجہِ تسمیہ بھی بیان کی ہے ۔ (دیکھیے تاریخِ لاہور ، از کنہیا لال ، ص ۱۰ تا ۱۶) ۔

باعث اس کے نام کا یہ ہے کہ درمیان اس کے پیر ذکی[1] کسی بزرگ کی قبر ہے ۔ اندرون اس کے سبحان خان کرنل کی پلٹن کی چھاونی ہے[2] ۔ سکھوں کے وقت میں بھی وہاں فوج رہتی تھی ۔ متصل اس کے ایک مسجد ہے ، اس میں مزار پُر انوار مولوی محمد ابراہیم چشتی[3] کی ، زیارت گاہِ خلق اللہ ہے ۔ اب تیاری اس کی از سرِ نو جناب مولوی یکدل صاحب نے ، جو والد مجھ نحیف کے ہیں ، فرمائی اور مصنّفِ ناخلف نبیرہ زادہ انھیں حضرت کا ہے ۔ پاس اس کے مطبع کوہِ نور[4] حویلی اہلو والیہ میں واقع ہے ۔ مہتمم اس کے جناب منشی ہرسکھ رائے[5]

---

۱ ۔ پیر ذکی علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات دستیاب نہ ہو سکے ۔ حدیقۃ الاولیا ، تاریخ لاہور (کنہیا لال) اور ''بزرگانِ لاہور'' میں ان کا ذکر موجود ہے لیکن بے حد مختصر ۔ تینوں کا مأخذ تحفۃ الواصلین ہے جس میں لکھا ہے کہ تاتاری مغلوں نے جب لاہور پر حملہ کیا تو پیر ذکی لاہور میں موجود تھے ۔ آپ نے بڑی جوانمردی سے ان کا مقابلہ کیا ۔ دروازے کے باہر آپ کا سر کسی شقی نے تن سے جدا کردیا لیکن جسم لڑتے ہوئے دروازے کے اندر دور تک چلا گیا ۔ اس سبب سے آپ کا سر ذکی دروازے سے باہر اور جسم دروازے کے اندر ایک احاطے میں دفن ہے ۔ گویا تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آپ کے دو مزار ہیں ۔ (دیکھیے تاریخِ لاہور ، ص ۱٦ و ص ۱٦۷ ۔ اور بزرگانِ لاہور ، ص ۲۲۲) ۔

۲ ۔ یہاں ان دنوں بھی پولیس چوکی ہے ۔

۳ ۔ ان کے حالات مقدمے میں بیان ہو چکے ہیں ۔

۴ ۔ مطبع کوہ نور ۱۸۵۰ع میں قائم ہوا اور اسی سال یہاں سے ہفتہ وار ''کوہ نور'' جاری کیا گیا ۔

۵ ۔ قوم بھٹ نگری کایستھ ساکن سکندر آباد ضلع بلند شہر (بھارت) جوان ہو کر لاہور آئے اور یہاں مطبع کوہ نور قائم کیا ۔ ۲ ستمبر ۱۸۹۰ع

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

صاحب ِ فصاحت و لیاقت ہیں ۔ یکتا موجد ِ مطبع بہ پنجاب ، مذہب ان کا صلح ُکل ، صاحب ِ مروت کایستھ ۔

ان دنوں میں اس کوہ ِ نور سے ایک خورشید ِ پنجاب[1] بھی طلوع کرتا ہے ۔ ہر ہفتے میں منگل کے روز وہ اخبار گہربار نکلتا ہے ۔ قیمت اس کی بارہ روپیہ سالیانہ ہے ۔ اور خورشید ِ پنجاب ایک کتاب وہاں ہر مہینے میں پہلی تاریخ کو برآمد ہوتی ہے ۔ قیمت سالیانہ اس کی چار روپیہ ۔ اس کتاب کو اگر مجموعہء صنائع کہیں تو بجا ہے ۔ خدا ایسے شخص

(بقیہ حاشیہء صفحہء گزشتہ)

کو فوت ہوئے ۔ (دیکھیے ”نقوش“ لاہور نمبر ، ص ۹۵۳ ، مقالہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی) ۔

۱ ۔ خورشید پنجاب ، جنوری ۱۸۵۶ع میں مطبع کوہ ِ نور لاہور سے جاری ہوا ۔

”تمہید : واجب یہ ہے کہ سب سے پہلے سبب طلوع اور وجہ ِ شیوع اس خورشید ِ پنجاب کا ظاہر کیا جاوے ۔ ۔ ۔ ۔

(۱) زبان ِ اُردو کا فروغ کیونکہ اردو زبان دفاتر ، ادب اور معاشرتی زندگی میں رائج ہو چکی ہے ۔

اس میں ایسے مضامین درج ہوا کریں گے کہ جن سے زبان ِ اردو کی ماہیت بوجہ ِ احسن واضح ہوگی ۔ اور اس زبان کے شایقوں کو نفع خاطر خواہ بآئین ِ بہین حاصل ہوگا اور پنجاب کے شرفا طالب علموں کو اس سے مدد کافی ملے گی ۔ اور عملگان ِ کچہریوں سرکاری کو اس کے مطالعے سے وہم کار سررشتہ ہوگی (کذا) ۔ آئین اور قانون سے واقفیت بہم پہنچے گی اور ان کی طبیعت کو عاوم کی طرف توجہ ہوگی ، یعنی علاوہ کار ِ سرکار کے وہ یہ بھی جانیں گے کہ جغرافیہ ، تواریخ ، ہیئت ، ہندسہ ، حساب وغیرہ کیا شے ہوتی ہے اور اس سے کیا نفع حاصل ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔“

(جلد نمبر ۱ ، شمارہ نمبر ۱ ، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور)

کو سلامت رکھے کہ اہلِ ہنر کا قدردان ہے اور نیز اہلِ شرافت و نجابت کا مہربان ۔ دیکھا دیکھی اس کی اور بھی مطابع جاری ہوئے مگر نمبر اول یہی ٹھہرا ۔

اب کچھ رسمیات اور دستور لکھتا ہوں اور دستوروں کی تین فصل کرتا ہوں ۔ پہلی فصل میں اہلِ اسلام کا دستور، اور اس کا نام یادگارِ چشتی ہے ۔ دوسری فصل میں زنّار بندوں کی تفصیل ، تیسری فصل میں مُوبسر یعنی سکھوں کے دستور ۔

فصل دستور توالد و تناسل (اہلِ اسلام)

جب کسی اشراف کے گھر میں امیدواری حمل کی معلوم ہوتی ہے تو نوبتِ اول میں بہت سی کوشش رکھتے ہیں کہ کسی کو یہ معلوم نہ ہووے ۔ جب آٹھ مہینے گزر جاتے ہیں تو گھر میں بادام اور کشمش اور جائیفل اور گھی اور کھچڑی اور چینی اور سوہنٹھ اور اور پتاشے واسطے خرچ ''چھِلّہ'' کے خرید لاتے ہیں اور چھِلّہ روزِ تولّد سے چالیس دن تک کو کہتے ہیں ۔ پھر پتاشے تو برادری میں تقسیم ہوتے ہیں ، اور سب چیز گھر میں رکھی جاتی ہے ۔ اس کا نام سودا خریدنا کہتے ہیں اور علی قدرِ مراتب خرچ پتاشوں کا ہوتا ہے ۔ اور دائی جنائی دونوں وقت آتی ہے ، لتاڑ داب کر کے چلی جاتی ہے ۔ اور عورتِ حاملہ کو ہر روز صبح و شام دودھ پلاتے ہیں ۔

جب ایّامِ معہودہ گزر جاتے ہیں اور اس کو دردِ زہ شروع ہوتی ہے تو گھر میں کوئی آدمی آنے نہیں پاتا ۔ نہ ہمسائے نہ برادری

ہے ۔ مگر اس عورتِ حامد کی ماں بہن اور ساس ضرور حاضر ہوتی ہے۔ اگر جلدی خلاصی ہو گئی تو فبہا و اِلاّ نہ[1] دم جھاڑا کراتے ہیں اور خیرات دیتے ہیں ۔ بعضے لڑکوں کو پیسے بانٹتے ہیں ، بعضے قیدیوں کو نان بھیجتے ہیں ۔ فقط

عامل لوگ :

کئی ایک آدمی اس ملک میں فقط اس کام کے واسطے مقرر ہیں کہ فال کھولتے ہیں اور دم جھاڑا کرتے ہیں ۔ ان کے پاس جاتے ہیں ، وہ گُڑ-دم کرکے دیتے ہیں ۔ بعضے مٹی کے سرپوش پر کچھ لکھ دیتے ہیں کہ عورتِ حاملہ کے سر پر جا کر رکھو ۔ میں نے ایک چپنی[2] یعنی سرپوش پر لکھا ہوا دیکھا ۔ اوپر یہ لکھا ہوا تھا : "چپنی لے کر سر پر دھری ، نکل پڑا یا نکل پڑی ۔"

اور دم جھاڑے والوں کو عامل کہتے ہیں اور عامل لوگوں کی ایک ذات نہیں ہوتی ۔ کوئی سیّد ، کوئی کوئی ، کوئی کوئی ۔ اور بعضے عامل لوگ سنگِ مقناطیس پر کچھ لکھ کے دیتے ہیں ۔ اور کوئی تعویذ لکھ کے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تعویذ نیلے دھاگے سے حاملہ کے

---

۱ ۔ ورنہ ، نہیں تو ۔

۲ ۔ پنجابی ۔ سرپوش ، مٹی کا بنا ہوا ڈھکنا ۔

پلنگ پر یا اس کی ران پر باندھ دو۔

تعویذ ہندسہ

۸	۱۱	۱۴	۱
۱۳	۲	۷	۱۲
۳	۱۶	۹	۶
۱۰	۵	۴	۱۵

تعویذ اسماء الٰہی

یا کریم	یا رحیم	یا صمد	یا اللہ
یا قدوس	یا خبیر	یا بصیر	یا رحمٰن
یا ستار	یا غفار	یا رؤف	یا بر
یا مالک	یا فتاح	یا رزاق	یا مہیمن

بعضے عامل لوگ تعویذ میں ہندسے لکھتے ہیں اور بعضے خدا کے نام لکھ دیتے ہیں۔ کوئی کامل تعویذ دیتا ہے کہ اس کو گھول کر پلا دو۔ کوئی کہتا ہے اس کو جلا کر دھونی دو۔ اور کئی دانا لوگ

ان چیزوں پر بالکل اعتقاد نہیں رکھتے ۔ مگر عام عورات[1] بہت مانتی ہیں ۔

جب لڑکی یا لڑکا پیدا ہوتا ہے تو آپس میں مبارک سلامت ہوتی ہے ۔ اگر لڑکا ہوا تو بہت خوشی اور اگر لڑکی ہوئی تو تھوڑا غم ۔ بعد ازاں دائی جنائی کو محنتانہ بطور مبارک کے کچھ روپیہ دیتے ہیں ۔ غریب آدمی ایک دو روپیہ ، امیر دس بیس ۔ پھر اس بچے کا "ناڑا" کاٹتے ہیں ۔ یہ کام بھی دائی جنائی کا ہے ۔ ناڑا اس کا نام ہے جو بچے کی ناف کے ساتھ ایک رگ کے موافق ہوتا ہے ۔ یہ بھی ایک شگن ہے ۔ اس وقت برادری کی عورتیں کچھ کچھ نقدی اس کو دیتی ہیں اور کہتی ہیں یہ ناڑاکٹائی کا دام ہے ۔ بعضی عورتیں تو اسی وقت دیتی ہیں اور بعضی پیچھے چالیس روز تک ۔ مگر نزدیکی رشتہ دار ضرور اسی دن دیتی ہیں ۔ پھر اس بچے کو گرم پانی سے غسل دیتے ہیں اور شہد چٹاتے ہیں ۔ اگر لڑکا ہوا تو بہت خوشی کرتے ہیں ۔ بعد ازاں اس بچے کے باپ کی بہن آتی ہے اور بچے کی ماں کے پستان پانی سے دھلاتی ہے ۔ اس وقت اس کو بچے کا باپ ایک دو روپیہ دیتا ہے ۔ پھر اس رسم کے بعد ماں بچے کو دودھ دیتی ہے ۔ پھر اس عورت کو "رکھ"[2] باندھتے ہیں ۔

"رکھ" سے یہ مراد ہے کہ ایک کپڑے میں ہینگ اور ساتھ اس کے لوہے کا چھلا باندھ کے عورت کے ہاتھ اور پاؤں میں باندھتے ہیں اور تلوار یا چھڑی اس کے پلنگ پر رکھتے ہیں اور چالیس دن تک اس کو اکیلا نہیں چھوڑتے ، اس خیال پر کہ ان دنوں میں نزولِ آفت بہت ہوتا ہے ۔ اور جب کوئی باہر سے گھر میں آتا ہے تو اسپند یعنی ہرمل جلاتے ہیں ۔ اس ملک میں مشہور ہے کہ ہرمل جلانے سے

---

۱ ۔ اصل : عالم عورات (تصحیح قیاسی از مرتب) ۔

۲ ۔ رکھ : تعویذ جو نظر بد سے محفوظ رکھتا ہے ۔

نظر بد نہیں ہوتی ۔ پھر اس عورت کو ''اچھانا'' کھلاتے ہیں ۔ اچھانا اِس کو کہتے ہیں کہ گھی ، اجوائن ، سونٹھ ، چینی ملا کے پکاتے ہیں اور کھلاتے ہیں ۔ اس کو سوائے گھر کے لوگوں کے دوسرا نہیں کھاتا ۔ اگر کوئی مانگے تو بھی نہیں دیتے ۔

پھر کسی بزرگ کو بُلاتے ہیں ، وہ لڑکے کے کانوں میں تین دفعہ اذان دیتا ہے ، گویا وہ لڑکا مسلمان ہوا ۔ اس بزرگ کو کچھ آٹا اور کچھ گُڑ اور ایک روپیہ دے کر رخصت کرتے ہیں ۔ پھر ہر کوئی رشتہ داروں میں سے اس عورت کو گھی کے واسطے کچھ کچھ قدر موافق دیتا ہے ۔ اور چالیس دن تک اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کوئی نہیں کھاتا اور نہ وہ پکاتی ہے ۔

چالیس دن تک کہ جس کو چھِلّہ اور چِلّہ کہتے ہیں ، بلّی کی محافظت بہت رکھتے ہیں ۔ حتیٰ المقدور اس مکان میں نہیں آنے دیتے ۔ اور ایک بڑا چراغ مقرّر کرتے ہیں کہ چالیس دن تک برابر وہ رات بھر روشن رہتا ہے ۔ اگر کبھی رات کو گُل ہو جاوے تو جھٹ پٹ جلا دیتے ہیں اور نوبت بنوبت ایک عورت رات بھر جاگتی رہتی ہے ۔ اور آٹھ پہر میں کئی دفعہ ہرمل جلاتے ہیں ۔ اور اس بچے کو سفید کُرتہ پہناتے ہیں ۔ بعضے لوگ اس کے سر کے بالوں کے ساتھ ایک کوڑی موم لگا کے معہ مرجان اور لوہے کے چھلّے کے لٹکا دیتے ہیں ۔ اور آگ بھی چالیس دن تک اس گھر سے کسی کو نہیں دیتے اور دس روز تک عورت زائیدہ کو کھچڑی کھلاتے ہیں ۔

جس روز بچہ تولّد ہوتا ہے ، اس کے پیچھے جب سوموار یا جمعہ آتا ہے تو اس دن بچے کو اور اس کی ماں کو غسل کراتے ہیں ۔ اور پھر اس دن کچھ ''پنجھیری'' تیار کرتے ہیں تا کہ وہ عورت چالیس دن کھاوے ، وہ دو قسم کی ہوتی ہے : ایک کو ریت کی

"پنجھیری" کہتے ہیں ، اور اگر کوئی غیر شخص وہ پنجھیری ریت کی کھائے تو بہت بُرا کہتے ہیں ۔ اور دوسری اور تیار کرتے ہیں ، وہ برادری میں تقسیم ہوتی ہے ۔ اس کو "چھٹی کا سر نہانا" کہتے ہیں ۔

پنجھیری :

اور پنجھیری اس کو کہتے ہیں کہ میدا لا کے بھولتے ہیں ۔ پھر اس میں چنے ملاتے ہیں اور ادنیٰ لوگ شکر ۔ پھر اس میں لوزیات اور گھی ڈال کے خوب ملتے ہیں ، تب پنجھیری بن جاتی ہے ۔ غرض کہ چھلّے میں پانچ دفعہ عورت نہاتی ہے: چھٹی کے دن ، گیارھویں دن ، اکیسویں دن ، مہینے کے بعد ، چالیس دن کے بعد ، اس نہانے کو چھلّہ کہتے ہیں ۔ اور چھٹی کے دن لڑکے کی حجامت بھی کراتے ہیں ۔ اور بعضے لوگ جو اولاد کو چاہتے ہیں وہ لڑکے کے بال نہیں منڈاتے اور اس کو جھنڈ رکھنا کہتے ہیں ۔ پھر جھنڈ کو دو برس کے بعد ، کوئی چار برس کے بعد ، منڈاتا ہے اور اس وقت پھر کچھ بطور شادی کرتے ہیں ۔

پھر ان دنوں میں جس کے گھر لڑکا تولّد ہوتا ہے تو مخنّث ، بھانڈ ، بھگتی ، چھری مار ، نٹ مانگنے آتے ہیں اور ان کو دستور کے موافق روپیہ روپیہ دھیلی دھیلی دینی ہوتی ہے ۔ اب دو برس سے سرکار انگریزی میں یہ رسم بند ہوگئی ہے ۔ اب کوئی مانگنے نہیں آتا ۔ اور اکثر شرفا میں عقیقہ بھی کرتے ہیں ۔

عقیقہ :

عقیقہ اس کو کہتے ہیں کہ جب لڑکا چھ دن کا ہوتا ہے تو سب برادری کا کھانا کرتے ہیں اور عورتیں قرابت کی سب جمع ہوتی ہیں ۔ رات بھر خوشی کرتے ہیں ۔ اور عقیقہ کرنا شریعت میں بھی ثواب ہے ۔ جب عقیقہ کرنے لگتے ہیں تو یہ ہر قوم میں رسم ہے کہ ایک

دو "چودھری" مقرر ہوتے ہیں ، ان کو سردار قوم کا جانتے ہیں ۔ شادی غمی بغیر ان کے نہیں کرتے ، اور وہ پشت در پشت چودھری رہتے ہیں ۔ اگرچہ وہ بھی بطور برادری کے ضیافت کھاتے ہیں مگر شادی کتخدائی میں ان کو کپڑے ملتے ہیں ۔ یہ ذکر کہیں آگے لکھوں گا ۔ تو ایک روز پہلے محلے کے مُلّاؤں اور برادری کے لوگوں کو معرفت چودھری کے ، خبر دیتے ہیں کہ کل فلانے وقت فلانے کے گھر عقیقے کا کھانا ہے ۔

غرض دوسرے روز میزبان کے ایک الگ مکان میں فرش مکلّف بچھایا جاتا ہے اور شامیانہ قنات لگایا جاتا ہے ۔ سب لوگ آ کر وہاں جمع ہوتے ہیں ۔ پھر برادری اور دوسرے دوست آشنا کہ جو جمع ہوتے ہیں ، چلمچی آفتابہ ایک آدمی لا کر (ان کے) ہاتھ دھلاتا ہے ۔ پھر کھانا لاتے ہیں ۔ جب کھانا کھا چکتے ہیں تو چند آدمی ، جو کھانا اٹھانے کے واسطے مقرّر ہوتے ہیں ، وہ برتن اٹھاتے ہیں اور پھر چلمچی آفتابہ لا کر ہاتھ دھلاتے ہیں ۔ پھر کسی کو حقّہ لا دیتے اور (مجلس) برخاست ہوتی ہے ۔

باہر دروازے کے جو ٹکڑ گدا لوگ ناخوانده مہمان جمع ہوتے ہیں ، ان کو جب تک برادری سے فراغت نہ ہو لے ، کچھ نہیں دیتے ، پھر ان کو کھانا تقسیم ہوتا ہے ۔ اگر کوئی اس روز ناچ کراتا ہے تو کنچنیں ناچ کو آتی ہیں اور مُجرا ہوتا ہے ۔ سب لوگ بیٹھ کر سُنتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں ۔

مُجرا :

مجرا اس ملک میں ناچ کو کہتے ہیں ۔ "کنچنی" کو دس بیس روپیہ دینا ہوتا ہے ۔ پھر کمّی لوگوں کو کچھ نقدی بطورِ انعام دیتے ہیں ۔ کمّی لوگ یہ ہیں : نائی ، دھوبی ، بہشتی ،

مہتر ، کمھار ۔ اور یہ لوگ ہر قوم کے الگ الگ مقرّر ہوتے ہیں ۔ اور چھٹلے کے دن بچے کی ننھیال سے ہنسلی ، کڑہ ، خلخال اور کئی ایک ٹوپی کُرتا کناری دار کے سمیت آتے ہیں ، اور بچے کے باپ اور ماں کے کپڑے بھی آتے ہیں ۔ پھر اس بچے کو اس کی ماں سمیت اس کے ننھیال اپنے گھر میں لے جاتے ہیں اور چند روز رکھتے ہیں ۔

اس عرصے میں چند بار اس کے باپ کو بھی بلا کے کھانا کھلاتے ہیں ۔ پھر چھٹلے پر بچے کے باپ کے رشتے دار لوگ بھی ٹوپی کُرتا دیتے ہیں ۔ کوئی دریائی کا ، کوئی جالی کا ، کوئی رنگین ململ کا خوب طرح سے کناری گوٹہ لگا کے ، اور ایک ایک روپیہ بھی ساتھ دیتے ہیں ۔ اور یہ لین دین بطور قرض کے ہوتا ہے ۔ جب کسی اور کے گھر میں تولّد تناسل ہوتا ہے تو اس کو بھی دینا پڑتا ہے ۔

شیخ کا حال :

اور بعضے شیخوں میں جو ہندو سے مسلمان ہوتے ہیں ، چھلے کے روز دال چانول پکاتے ہیں اور کھلاتے ہیں ۔ اس کا نام چھلے کی روٹی ہے ۔ اکثر شہر لاہور میں بھی یہ کرتے ہیں ۔ بیان شیخوں کی رسم کا آگے کہیں لکھوں گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

اور یہ بھی دستور ہے کہ جب بچہ تولّد ہوتا ہے تو اسی روز گیارہ کوڑی موٹی موٹی چن کے چراغ میں ڈال دیتے ہیں اور بعد چالیس روز کے کسی فقیر کو کچھ اور نقد جنس ملا کے دے دیتے ہیں ۔ اور اس کو نیاز حضرت نقشبند کی کہتے ہیں ۔ اور شاہ نقشبند بڑا کامل فقیر خدا دوست ہو چکا ہے ۔ غرضیکہ محافظت اس عورت زائیدہ کی یہاں تک رکھتے ہیں کہ کسی وقت اس کو اکیلا نہیں چھوڑتے ۔ اگر وہ بول براز کو بھی اٹھتی ہے تو اس کو ہاتھ میں کوئی لوہے کی چیز پکڑا دیتے ہیں ۔

ارزل لوگوں کا دستور :

آرائیں ، قصائی ، تیلی ، موچی ، دھوبی ، جولاہے وغیرہ ادنیٰ لوگوں کے دستور میں یہ فرق ہے کہ اول تو ایامِ حمل پوشیدہ نہیں رکھتے کیونکہ وہ لوگ ستر داری نہیں کرتے ۔ اُن کی عورتیں چادر لے کر پھرتی ہیں ۔ وہ لوگ سودا بھی نہیں خریدتے ، مگر دردِ زہ کے وقت کچھ گری چھارا منگا لیتے ہیں اور دائی جنائی کو ایک آدھ روپیہ دے چھوڑتے ہیں ، اور چھ روز کے بعد چھٹی کے سر نہانے کا دستور بجا لاتے ہیں ، اور پھر وہ گھر کے دروازے تک آ بیٹھتی ہیں ، کچھ روک ٹوک نہیں ۔ اگر ان کے گھر میں کوئی آوے تو مضائقہ نہیں ۔ مگر وہ بھی چھلے میں پانچ دفعہ سر دھوتے ہیں اور جس روز چھلے کا سر نہاتے ہیں تو اس روز خویش قبیلہ ان کا جمع ہوتا ہے اور عورتِ زائیدہ کو سُرخ کپڑے پہنا کے کسی خانقاہ پر لے جاتے ہیں ۔ رستے میں وہ خوشی کے گیت گاتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں ۔

پنجھیری اُن کے یہاں بھی بنتی ہے مگر وہ اکثر گُڑ اور آٹے کی پنجھیری بناتے ہیں ۔ غرض ان لوگوں کا بہت تھوڑا خرچ ہوتا ہے ۔ اگر کوئی مقرری رسم سے زیادہ کرے تو لوگ ہنسی کرتے ہیں ۔ اور بعضے قصباتی لوگ تو ایسے پکّے ہوتے ہیں کہ ان کی عورتیں بہ سبب سخت ہونے کے دو چار روز پیچھے باہر اندر پڑی پھرتی ہیں ، اور یہ لوگ کچھ رَکھ[1] نہیں کرتے ۔ چھلے کے روز شاید اندرسہ ، جو ایک قسم مٹھائی کی ہے ، تقسیم کرتے ہیں ۔

کنجی کا حال :

کنجی بھی ایک شگن ہے ۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جب

---

۱ ۔ رَکھ : پرواہ ، حفاظت ۔

مدّتِ حمل کو سات مہینے گزرتے ہیں تو سب برادری کی عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ رات کو میٹھے چاول پکتے ہیں اور عورتِ حاملہ کے ماں باپ کے گھر سے سُرخ کپڑے آتے ہیں اور وہ اس عورت کو پہناتے ہیں۔ اور جب سب لوگ کھانا کھاتے ہیں تو پھر اس عورت کا سر دھوتے ہیں اور گوندتے ہیں اور ہاتھوں میں مہدی لگاتے ہیں۔

اس رسم کے بدلے بعضوں میں یہ دستور ہے کہ اس روز تھوڑی سی ہینگ اس عورت کے پاؤں میں باندھ دیتے ہیں اور تمام رات گیت گاتے اور خوشی کرتے ہیں۔ کوئی ایک دیگ، کوئی دو دیگ پکاتا ہے۔ پھر فجر کو نان گوشت کرتے ہیں اور سب عورتیں کھا کر رخصت ہوتی ہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ یہ رسمیں دفعہٗ اولِ حمل میں ہوتی ہیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ دیگ اس مُلک میں کہاں سے ملتی ہے اور کون پکاتا ہے؟ تو اس واسطے اس کا حال بھی یہاں لکھنا ضرور ہے۔

دیگ کرایہ لینا:

اس مُلک کا دستور ہے کہ حجام لوگ جو دولت مند ہوتے ہیں وہ دیگیں خرید چھوڑتے ہیں۔ دیگ ایک برتن تانبے کا ہے اور اس میں بیس سیر چاول پک جاتے ہیں۔ اور ایسے حجام جن کے پاس دیگیں ہیں، یہاں مقام لاہور میں بہت ہیں۔ جس کو دیگ مطلوب ہوتی ہے وہ اس کو کہلا بھیجتا ہے۔ وہ حجام آ کر گھر میں دیگ پہنچا جاتا ہے، اور ایک دیگ کا کرایہ ایک روز کے واسطے دو آنہ ہوتا ہے۔ وزن دیگ کا کم تیس سیر سے نہیں ہوتا۔ ساتھ اس کے کفگیر لوہے کی اور ڈوہرا بھی دیتا ہے۔

کفگیر ایک لوہے کی چیز ہے کہ بر وقت پکانے چاول یا گوشت

کے ، اس کو دیگ میں پھیرتے ہیں ۔ شکل اس کی یہ ہے :

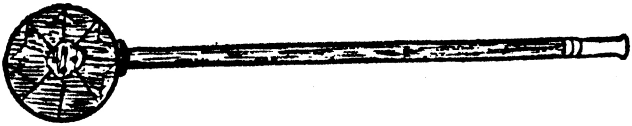

اور ڈوہرا اس کا نام ہے کہ جس سے چانول یا شوربا پکا ہوا نکالتے ہیں ۔ وہ بھی لوہے کا ہوتا ہے اور دستہ اس کا کاٹھ کا ہوتا ہے ۔ شکل اس کی فری پان کی طرح ہوتی ہے ۔ شکل اس کی یہ ہے :

چانول دیگ سے نکال کر بڑی پرات میں ڈالتے ہیں ۔ پرات بھی ایک مس کا بڑا برتن ہوتا ہے جس میں چھ سات سیر چانول پکے ہوئے پڑ جاتے ہیں ۔ اور کوئی کوئی بجائے پرات کے کاٹھرا رکھتے ہیں ، اور کاٹھرا لکڑی کی پرات ہوتی ہے ۔ اور پکانے والے کو باورچی کہتے ہیں ۔ یہ لوگ بھی الگ ہوتے ہیں ۔ ان کا منگت[1] کے حساب عمدہ پکانے کا حساب دام یعنی مزدوری مقرّر ہے ۔ زردہ کا فی من برنج ایک روپیہ ۔ پُلا کا من پیچھے آٹھ آنے ، میٹھے چانول کا چار آنہ ۔

بعضے نائی بھی پکا لیتے ہیں ۔ ان کو مزدوری مل جاتی ہے ۔ اور ہر ہر ذات کا ایک ایک الگ نائی مقرّر ہوتا ہے ، اور اس مقرّری نائی کو ورتی نائی کہتے ہیں ۔ اور جس قوم کا وہ نائی مقرر ہوتا ہے اس کو نائی لوگ اپنا ججمان کہتے ہیں ۔ ججمان اپنے ورتی کو ہر شادی غمی میں کچھ نقدی ضرور دیتے ہیں ۔

---

۱ ۔ [illegible]

نائی حجام

نائی بھی ایک قوم ہے ۔ کام ان کا حجامت کرنا اور دانت اکھاڑنا اور فصد بھی کرتے ہیں اور بعضے جرّاحی یعنی مرہم پٹی بھی کرتے ہیں ۔ اور ان میں کئی ذاتیں ہیں : اول جگی ، دوم جنڈی ، سوم دسیر ، چہارم روٹی ، پنجم مہٹی ، ششم ملہن ہاس ۔ یہ سب لوگ سلمان فارسی کو ، جو محمد صاحب (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے دوست تھے ، اور ان کی حجامت بھی کرتے تھے ، مانتے ہیں ۔

یہ بھی ادنٰی قوم ہیں اور کمین ذات مشہور ہیں ۔ ان میں ابتدائے حمل سے تا تولّد تناسل کچھ مقرری رسم نہیں ۔ اور جب بچہ پیدا ہوا تو شہروں میں تو چالیس روز چھلہ کے محافظت کرتے ہیں اور پانچ دفعہ سر دھوتے ہیں اور عقیقہ بھی ان میں کرتے ہیں ۔ مگر چھلے کے بعد اور جب چھلے کا سر نہایا تو عورت زائیدہ کو نئے کپڑے پہنا کے اور ''چوری'' ساتھ لے کر کسی قبر پر جاتے ہیں ۔ اگر صاحب زر ہوا تو چھلے پر کچھ کھانا بطور نیاز تقسیم کرتے ہیں ۔ اور دیہاتی حجاموں میں کچھ رسم نہیں ، بطور زمینداره کر لیتے ہیں ۔ بلکہ اگر رستے میں عورت جن پڑے تو بعد ایک دو گھنٹے کے بچے کو اٹھا چل پڑے ۔ اور یہاں اس ملک کے حجام اکثر میل پوش رہتے ہیں اور ان کے پاس ایک رچھانی ، جس کو کسبت کہتے ہیں ، ہوتی ہے ۔ اس میں استرا ، قینچی ، موچنا ، کٹوری ہوتی ہے ۔ جو کوئی حجامت کرانے لگا ، حجام نے ایک نیلہ کپڑا ، پرانا یا نیا سا ، اس کے آگے بچھایا اور بالوں پر پانی ملا اور استرے سے مونڈ ڈالا ۔ فقط

کنکرے زئی کی کیفیت :

کنکرے زئی بھی ایک قوم ہے ، العیاذ باللہ ! وہ اکثر چابک سواروں کا کام کرتے ہیں مگر ان میں سے کوئی کوئی اور اور کام بھی

کرتا ہے۔ کوئی جوتے بیچتا ہے اور کوئی علاقہ بندی کرتا ہے ۔ یہ بڑے سخت لوگ مشہور ہیں ، پُر فن اور مکر و حیلہ ۔ ان کے یہاں عورتوں کو ہر کام میں اختیار ہوتا ہے ۔ جو چاہیں سو کریں ، مرد کی کچھ پیش نہیں چلتی ۔ لڑائی ان کی مشہور ۔ مدت مدت تک ایک لڑائی شروع رہتی ہے ، کبھی فیصل نہیں ہوتی ۔ اور کلال کی بھی ان میں سے ایک ذات ہے ۔ ان کی عورتوں کی لڑائی ، العیاذ باللہ ! یہ معلوم نہیں کہ لاکھ ہا گالیاں انھوں نے کہاں سے سیکھی ہیں ۔ اکثر اوقات لڑائی کے زمانے میں ایک دوسرے کو جوتیاں دکھاتے ہیں ۔ بلکہ یہاں اس ملک میں اگر کوئی عورت بد خو ہوتی ہے تو اُس کو کلالیوں کے ساتھ نسبت کرتے ہیں ۔

جہاں کسی کے گھر شادی ہو یا غمی ہو اور عورتیں مل کے بیٹھیں ، اگر کسی کی آگے سے لڑائی ہوئی تو وہاں پھر وہ لڑنے بیٹھ گئی ۔ کوئی کچھ کام کرتی ہے ، کوئی کچھ بات کرتی ہے ، وہ لڑتی ہے ۔ عورتیں اُن کی چادر لے کر پھرتی ہیں مگر پوشاک وضع دار رکھتی ہیں ۔ اور مرد اُن کے اکثر شرفا لباس ، مگر وفادار کم ، شاذ و نادر ۔ مگر بعضے بعضے تو ایسے اشراف ہوتے ہیں کہ ثانی ندارد ۔ لاہور میں کلالوں کی گلی مشہور ہے ۔ ان کا باقی حال کہیں آگے لکھوں گا ۔

ان لوگوں کو گھوڑے دلال بھی کہتے ہیں کیونکہ شہر لاہور میں گھوڑے انھی کی معرفت فروخت ہوتے ہیں ۔ ان کا بھی ایک محلّہ مشہور ہے اور ان کے ہی محلّے میں بندۂ مصنّف کا غریب خانہ ہے ۔ اس محلّے میں آج کل تین چار نخاس ہیں اور وہاں گھوڑے بکتے ہیں ۔ گھوڑے کی لین دین کا یہ دستور ہے کہ جس کسی کو گھوڑا بیچنا منظور ہوتا ہے تو وہ چابک سوار کو بلا کے کہتا ہے اور دام بتلا دیتا ہے ۔ یا یوں ہی گھوڑا نخاس میں لے جاتا ہے اور دام چابک سوار

کو بتا دیتا ہے ۔ آگے وہ باختیار، خود فروخت کرتا ہے ۔ مگر قیمت گھوڑے کی یوں مقرر ہوتی ہے کہ خریدار کا ہاتھ چابک سوار (اپنے) ہاتھ میں لے لیتا ہے اور ہاتھوں پر کپڑا ڈال دیتا ہے اور انگلیوں سے اشارہ قیمت کا کرتا ہے ۔ اگر خریدار کا ارادہ کم دینے کا ہوتا ہے تو چابک سوار اسی طرح چھپا کے مالک کو کہہ دیتا ہے ۔ اگر اس کو قبول ہوگیا تو فبہا و اِلاّ وہ انکار کرتا ہے ، تو پھر چابک سوار خریدار کو سمجھاتا ہے ۔ غرض اسی طرح توڑ جوڑ کر کے سودا کر دیتا ہے ۔ کسی کا ایک دن میں اور کسی کا دو دن میں ۔ اور اُن لوگوں کی تعداد روپیہ کے واسطے الگ بولی مقرّر ہے ۔ چنانچہ اکیل ایک کو اور سر نیم پندرہ کو و قس علی ھذا ۔ اور دلالی ان کی چار روپیہ سیکڑہ مقرر ہے ۔ کوئی کم زیادہ بھی لے لیتا ہے ۔ اور ہر نخاس میں کئی ایک چابک سورا ہوتے ہیں ۔ ہر مہینے کی آمدنی وہ جمع کرتے ہیں ۔ بعد مہینے کے برابر تقسیم کرتے ہیں ۔ اور اُن کو آپس میں بھائی وال کہتے ہیں ۔ اور ان میں یہ بھی قید ہے کہ اگر کوئی ان میں سے نخاس کے باہر گھوڑا ٹٹو کسی کا بکوا آوے تو بھی دلالی پوشیدہ نہ رکھے ۔ اگر پوشیدہ رکھے اور پھر ظاہر ہو جاوے تو اُس کو بیچ میں سے نکال دیتے ہیں اور وہ بدنام ہو جاتا ہے ۔ اور بعضے چابک سواروں کا یہ دستور ہے کہ وہ کسی نخاس میں معیّن نہیں ہوتے بلکہ جہاں کہیں گھوڑا ٹٹو ملتا ہے بکوا دیتے ہیں اور دلالی لے کر لمبی تانتے ہیں ۔ اور گھوڑا جس وقت بک جاتا ہے تو کمبل ، توبرہ اور خرخرہ اور اگاڑی[1] کا رسّا گھوڑے کے ساتھ دیتے ہیں ۔ اور یہ چیزیں اگر موجود نہ ہوں تو پہلے اقرار کر لیتے ہیں کہ فلانی فلانی چیز موجود نہیں ۔ اور گھوڑے کی

---

۱ ۔ اگلے پاؤں میں باندھنے والا رسّا ۔

قیمت میں قرض کم ہوتا ہے ۔ اور جب کسی نے مول لیا تو پھر واپس نہیں ہوتا ۔ اور جب قیمت مقرر ہو جاتی ہے تو پہلے بطور بیعانہ ایک روپیہ یا ایک انگشتری دیتے ہیں ۔ جب بیعانہ ہو گیا تو تب گھوڑا واپس نہیں ہوتا ، گویا بطورِ پختہ بک گیا ۔ اور جب مالک گھوڑے کا روپیہ لے لیتا ہے تو پھر گھوڑا اس طرح سے خریدار کو دیتا ہے کہ خریدار دامن کپڑے کا پھیلاتا ہے اور مالک بیچنے والا گھوڑے کی رسّی پکڑ کر خریدار کو دیتا ہے اور تھوڑا سا گھاس اس کے دامن میں بھی ڈال دیتا ہے ، گویا یہ رسم اس میں نیک شگن ہے ۔

کئی دفعہ دیکھا کہ سو روپے کا گھوڑا پچاس کو بک گیا اور پچاس کا سو کو ۔ مگر چابک سوار کو اختیار ہوتا ہے ، جس طرح چاہے کر لیتا ہے ۔ اس واسطے چابک سوار کو طمع دینا ضرور مناسب ہے ۔ اور اس کا یہ اختیار ہے کہ اگر چاہا کہ بہت دام کو بکے تو اس جانور کی تعریف شروع کی اور کہا کہ یہ گھوڑا فلانے وقت دو سو یا ہزار کو بکا تھا ، اور اگر کم دام دلانا مدِ نظر ہوا تو اس کے مالک کو کہہ دیا کہ اس میں ایک ایسا عیب معلوم ہوتا ہے ، بلکہ ڈر ہے کہ فلانی بیماری سے مر نہ جائے ، اور اگر فلانی مرض اس کو ہو گئی تو پانچ روپے کو کوئی نہ لیوے گا ۔ ایسی ایسی باتیں کر کے گھوڑا بکوا دیتے ہیں ۔ اس میں ان کو بڑی آمدنی ہوتی ہے ، اس لیے یہ کرتوت بڑی بڑی کرتے ہیں ۔

ابتدائے عملداریِ انگریزی میں بہت جگہ خرید و فروخت اسپاں میں مناقشات ہوئے ، یعنی بہت گھوڑے چوری چکاری کے معلوم ہوئے ۔ اب سرکارِ والا سے کیا اچھا بندوبست ہوا کہ جو گھوڑا بکتا ہے تو بائع اس کو درجِ رجسٹر کراتا ہے اور فی روپیہ پاؤ آنہ محصولِ سرکار دیتا ہے اور دلال بائع ناواقف سے ضمانت لے لیتا ہے ۔

منشی فروخت اسپاں سرکار سے مقرر ہے ۔
"کرتوت" لفظ پنجابی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ شادی غمی میں برادری میں روپیہ خوب خرچ کرتا ہے ۔

چابک سواروں کا دستور :

یہ لوگ پچھلے دنوں میں بڑی کرتوتیں کرتے تھے ۔ اب بھی کئی باتیں فالتو اوروں کے دستور سے کرتے ہیں ۔ از آنجا کہ میں تولّد تناسل کا احوال پڑا لکھتا ہوں ، اس واسطے ان کا دستور تولّد تناسل لکھتا ہوں کہ ان میں جب کوئی حاملہ ہوتی ہے تو کچھ شیرینی بطور شادی تقسیم کرتے ہیں ۔ اور جب تین مہینے گزر جاتے ہیں تو ریت[1] کرتے ہیں ۔ اس میں نزدیکی رشتہ دار عورتیں جمع ہوتی ہیں اور خوشی کرتی ہیں ۔ یہ آن کے یہاں پہلی ریت ہے اور چھوٹی کنجی[2] بھی اس کو کہتے ہیں ۔ اور اس میں لچّیاں برادری میں تقسیم کرتے ہیں ۔

سات ماہی کی ریت :

اور جب سات مہینے منقضی ہو جاتے ہیں ، تب پھر ریت کرتے ہیں اور اس کو بڑی کنجی کہتے ہیں ۔ اس پر بھی پہلے سب رشتے دار عورتیں جمع ہوتی ہیں اور رات بھر خوشی کرتے ہیں ۔ شیریں برنج پکاتے ہیں اور کھاتے ہیں ۔ بعد ازاں فجر کو برادری میں مٹھیاں تقسیم کرتے ہیں ۔ اس کو زبان پنجابی میں بھاجی کہتے ہیں ، یعنی کہ جو چیز برادری میں تقسیم کرنی ضرور ہوتی ہے ، اگر تقسیم نہ کرے تو برادری طعنہ دھرے ۔ ہر برادری میں اپنے دستور کے موافق بھاجی کرتے ہیں ۔ پھر اس عورت حاملہ کو نہلاتے ہیں اور پھر اس کو اس کے خاوند کے کسی بزرگ کے گھر کے پرنالے کے تلے بٹھاتے ہیں ۔

---

۱ ۔ ریت : رسم ۔
۲ ۔ چھوٹی کنجی : چھوٹی دعوت ۔

اور سب گھر کے لوگ ، کیا عورت کیا مرد ، اوپر سے پانی کے لوٹے بھر بھر کے گراتے ہیں ، خواہ موسم گرمی ہو خواہ سردی کا ۔ واللہ اعلم اس میں کیا شگن جانتے ہیں ؟

جب پھر آٹھواں مہینا شروع ہوتا ہے تو اس کو ان گینواں[1] مہینہ کہتے ہیں اور ''آٹھواں مہینہ'' کہنا نحس گنتے ہیں ۔ اس مہینے میں یہ لوگ بوی سودا خریدتے ہیں اور سب اس میں شرفا کے برابر ہیں ۔

چھلے پر یہ بھی ضرور کسی بزرگ کی قبر پر جاتے ہیں اور چُوری بنا کے ساتھ لے جاتے ہیں ۔ چُوری بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ اول آٹے کی موٹی روٹی تنور میں پکواتے ہیں اور پھر اس کو بھور کر شکر میں ملا کر مَلتے ہیں اور گھی بھی ڈال دیتے ہیں ۔ وہ مَلتے مَلتے چُوری بن جاتی ہے ۔ اور بعضے لوگ شکر اور آٹا ملا کر روٹی پکاتے ہیں اور پھر اس کو مَلتے ہیں ، وہ چُوری بن جاتی ہے ۔ اور چھلے پر اِندرسے بھی بانٹتے ہیں ۔ اور چھلے پر بہت اچھے اچھے کپڑے گوٹہ دار حاملہ کے ماں باپ کے گھر سے آتے ہیں اور بہت سے ٹوپی کُرتے اور زیور بچہ کا ، مگر اتنا فرق ہے کہ حاملہ کے ماں باپ جب ''وِیم'' دیتے ہیں تو یوں کرتے ہیں کہ ویم تیار کر کے سب برادری میں گھر گھر جا کے حاملہ کی ماں یا کوئی اور نزدیکی رشتہ دار اُن کو دکھانے جاتے ہیں ۔ اور رسم دکھانے کی یہ ہے کہ سب کپڑے گٹھری میں اور گٹھری حجامہ کے سر پر ۔ جس کے گھر گئے اس کے گھر کے نیچے کھڑے ہوئے اور کہا : ''اے فلانی ! جو وِیم میں نے دیا ہے ، دیکھ لے ۔'' اس نے آ کر گلی میں چارپائی بچھائی اور اس کو بٹھایا ، اور سب ہمسایوں کی عورتوں کو بھی

---

۱ ۔ جس کی گنتی مناسب نہ ہو ۔ (مرتّب)

بٹھلایا ، اور اس نے گٹھری کھول کے سب لوگوں کو دکھانا شروع کیا ۔ سب دیکھ کے آفرین کہتی ہیں ۔ اور وِیم[1] زبانِ پنجابی میں اُن چیزوں کا نام ہے جو چھلے پر بچے مولود کے ننھیال سے آتی ہیں ۔ فقط

ان میں بھی اگر لڑکا ہوا تو بہت خوشی اور لڑکی ہوئی تو تھوڑا غم ۔ ماسوا اس کے سب دوست آشنا ، خویش قبیلہ بچے کے واسطے ٹوپی کُرتے دیتے ہیں ۔ بعضے بعضے صاحب لوگ بھی بموجب رسم اس مُلک کی ایسی ایسی رسم پوری کرتے ہیں ۔ چنانچہ مجھ کو یاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ (نے) مجھ کو لڑکی عنایت کی تھی تو ماسوا دوست آشناؤں (کے) مسٹر رابرٹ ڈوری گرفن صاحب بہادر نے مجھے پچیس روپے ٹوپی کُرتے کے واسطے عنایت کیے تھے ۔ فقط

کلال اور ککّے زئیوں کا دستور :

یہ جو میں نے لکھا ہے کہ ککّے زئی لوگ بہت سخت اور متفنّی ہوتے ہیں ، اس بات کے اثبات میں مجھے ایک مشہور نقل اس ملک کی یاد آئی ہے ، سو بجنسہ درجِ کتابِ ھذا کرتا ہوں ۔

نقل :

کوئی ککّے زئی گرمیوں کے موسم میں دستورِ پنجاب کے موافق اپنے گھر پر سویا ہوا تھا ۔ جب فجر ہوئی تو کسی کَنّوے[2] نے اس کو سوتے ہوئے دیکھا ۔ شاید اس کی آنکھیں کھلی ہوئی نظر آئی تھیں ، کَنّوے نے ارادہ کیا کہ میں اس کی آنکھیں نکال لوں ۔ وہ یہ سوچ کر اس کے مُنہ پر آ بیٹھا ۔ اتنے میں اس ککّے زئی کی آنکھ کھل گئی ۔ چونکہ وہ دانا تھا ، اُس نے چپکے سے نامعلوم اپنا منہ

---

۱ ۔ Chief families and men of note. (مصنّف)

۲ ۔ اصل میں ہر جگہ 'کنّوے' کی بجائے 'گوے' لکھا تھا ۔ (مرتّب)

کھول دیا اور کستوے کی ٹانگ منہ میں دانتوں سے پکڑ کر دبا لی ۔ کستوے نے سمجھا کہ اب بے وضع پھنسا ۔ اب کستوے (نے) ایسی تجویز نکالنی چاہی کہ جس سے اُس کا منہ کھلے اور میں اُڑ جاؤں ۔ اس نے یہ تجویز کی کہ اُس کی ذات پوچھوں ۔ جب یہ ذات اپنی بتاوے گا تو ضرور منہ اس کا کھل جائے گا اور میں اُڑ جاؤں گا ۔ یہ خیال کر کے کستوے نے اس سے پوچھا کہ "بھائی تیری ذات کیا ہے ؟" اس نے کہا کہ "ککتے زئی" اور خوب دانتوں کو دبایا ۔ دیکھ لو "ککتے زئی" کہنے سے دانت نہیں کھُلتے ۔ کستوے نے کہا کہ "جس حالت میں میں تجھ سے بے رحم کے پالے پڑا ہوں تو مخلصی بہت مشکل ہے ۔"

غرض کہ ککتے زئی بڑے حیلہ ساز لوگ ہیں ۔ اکثر میں نے سُنا اور دیکھا کہ مطلب کے آشنا ہوتے ہیں ۔ اور اگر کوئی وفادار بھی ہوا تو خالی علّت سے نہ ہوگا ۔ اگر کوئی ان میں سے امیر ہو جاتا ہے تو شیخ کہلاتا ہے ۔ اور اصل میں شیخ اُس کو کہتے ہیں جو ہندو سے مسلمان ہوتا ہے ۔ وہ لوگ نسلاً بعد نسل شیخ کہلاتے ہیں ۔

اور ہندو سے مسلمان یوں بناتے ہیں کہ جب کسی ہندو کا دل چاہا کہ مسلمان ہو ، تو کسی مولوی کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ "میں مسلمان بننا چاہتا ہوں" ۔ وہ اس کو غسل دے کر کلمہ پڑھاتا ہے اور ایمان کی شرطیں سکھاتا ہے ۔ بعد ازاں وہ مولوی کو اپنی قدر کے موافق روپیہ دیتا ہے ، پھر ختنہ کراتا ہے ، گویا مسلمان ہوگیا ۔ پھر وہ ہندو نہیں بن سکتا ، مسلمان شیخ ہوگیا ۔ فقط

شیخوں کا دستور :

ان میں دستور ہے کہ جب کوئی حاملہ ہوتی ہے تو پانچویں مہینے اسی دستور کے موافق کنجی کرتے ہیں ۔ پوشاک ان کی عورتوں

کی کھترانیوں کے موافق ہے ۔ جب (بچہ) پیدا ہوتا ہے تو چوتھے دن اس کو تارے دکھاتے ہیں ، اور بعضے لوگ عقیقہ کرتے ہیں ، اور چوتھے پانچویں دن لُچّی برادری میں تقسیم کرتے ہیں ۔

ترکیب بنانے لُچّیوں کی :

یہ ہے کہ میدے کو گوندھتے اور کڑاہی میں خوب گرم کرتے ہیں ۔ پھر ایک پیسہ بھر وزن میدہ گوندھا ہوا لے کر روٹی کے موافق بیلن میں بیل کر گھی میں ڈال دیتے ہیں اور جلدی سے نکال لیتے ہیں ، اس کا نام لُچّی ہے ۔ بعضے شیخ لوگ ، جب پانچ روز کا لڑکا ہوتا ہے تو ، دستور کے موافق ریت کرتے ہیں مگر یہ لوگ ریت میں دال چاول پکا کے گھر کے لوگ ہی کھاتے ہیں[1] ۔ اور برادری میں ، اگر دولت مند ہوا تو ، کھندھوڑے تقسیم کرتے ہیں اور اس کو کھندھوڑے کی بھاجی کہتے ہیں ۔ کھندھوڑا ایک قسم کی شیرینی ہے اور وہ یوں بناتے ہیں کہ چینی کا قوام کر کے ایک سانچے میں ڈھالتے ہیں ۔ شکل اس کی بعینہ ہوبہو روٹی کے موافق ہوتی ہے ۔ مگر اصل میں کھندھوڑا کرنا ہندوؤں کی رسم ہے ۔ لاہور کے شیخوں میں بہت رسمیں ہندوؤں کے موافق ہیں ۔ چنانچہ باپ کو لالہ کر کے بلاتے ہیں اور لباس ان کا بہت ہندوؤں کا سا ہوتا ہے ۔ عورتیں ان کی اب تک لہنگا پہنتی ہیں اور بازو پرانت[2] رکھتی ہیں ۔

پتّل کا دستور :

پتّل اس کو کہتے ہیں کہ چھ سات پتّوں کو تنکوں سے جوڑتے ہیں اور اس میں چھ سات لُچیاں رکھ کے پھر اس کو بند کر دیتے ہیں ، اور بند بھی تنکوں سے کرتے ہیں

---

۱ ۔ مطابق اصل ۔ (مرتّب)

۲ ۔ یعنی ننگے بازو رکھتی ہیں ۔

میراثیوں کا دستور :

میراثی ایک ذات ہے۔ یہ بھی ارزل اور کمینی ذات ہے۔ بعضوں کی عورتیں گاتی بجاتی ہیں اور اسی وسیلے سے روٹی کھاتی ہیں مگر ناچ کنچنیوں کے موافق نہیں کرتیں۔ گلیوں میں بطور گدائی گاتی پھرتی ہیں۔ اور میراثیوں میں ستر داری بالکل نہیں۔ لاہور امرت سر کے میراثی بڑے بانکے بنے رہتے ہیں۔ سر پر سُرخ پگڑی، لٹ پٹے اور اس پر صافہ کسی رنگ کا، کانوں میں بالی سونے کی، گلے میں تختی یا نام یا کنٹھہ سونے کا اور بعضوں کے ہاتھوں میں چاندی سونے کے کڑے۔ گھٹنہ[1] بہت چست، کُرتا بڑا تنگ، لُچّوں کی شکل، مونچھیں بل دار، داڑھی بالکل چرویں، ہر وقت داڑھی مونچھوں کے بندوبست میں رہتے ہیں۔ بھنگ ہر روز اکثر پیتے ہیں اور اس کو سردائی کہتے ہیں اور ڈنڈے کو بھنگ گھوٹنا اور رومال کو پاک باز۔ بال ان کے بہت لمبے۔ شراب، معجون وغیرہ مسکرات سے ان کو انکار نہیں بلکہ خوش ہو کے بھنگ بوزہ پیتے ہیں۔ اور اگر کوئی مولوی ان کو منع کرے تو آگے سے جواب دیتے ہیں کہ جب محمدؐ صاحب (صلی اللہ علیہ و سلم) معراج پر تشریف لے گئے تو خدا نے بھنگ بوزہ کے واسطے تاکید فرمائی مگر محمدؐ صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز روزہ سمجھا، استغفر اللہ ربی۔

پیشہ ان کا یہ ہے کہ اگر کنچنی گانا بجانا سیکھنا چاہے تو یہ لوگ سکھاتے ہیں اور وہ لوگ کچھ درماہہ ان کو دیتے ہیں۔ اور جب وہ موسیقی میں تیار ہو جاتی ہیں تو قدر کے موافق کوئی سو کوئی دو سو روپیہ کم و بیش، دوشالہ، کھیس اس کو دیتی ہیں۔ ان میں

---

۱ - پاجامہ -

سے کوئی سارنگ ، کوئی طبلہ ، کوئی نال بجاتا ہے۔ اور پھر جب کوئی کنچنی کہیں ناچ کو جاتی ہے تو یہ ساز لے کر ساتھ جاتے ہیں ۔ اور جو کچھ کنچنی کو حاصل ہوتا ہے ، اس کی چہارم یہ لوگ لیتے ہیں ۔ ان کو ڈُوم بھی کہتے ہیں ۔

بعضے ان لوگوں سے اشرافانہ کپڑا پہنتے ہیں ، ایسا کہ کوئی پہچان نہیں سکتا کہ کس ذات کے ہیں مگر ان کا بھی یہی پیشہ ہے۔ بعضے نوکری کر لیتے ہیں ۔ چنانچہ اب بہت چپراسیوں میں نوکر ہیں ، مگر وہ لوگ ہیں جو گانا بجانا بالکل نہیں جانتے ۔ عورتیں ان کی بھی گاتی بجاتی ہیں ۔ جو کوئی ان کا راگ سُننا چاہے بے شک بُلا لے ۔ بعضی بعضی ان میں سے ناچ بھی کر لیتی ہیں مگر ان کے ناچ اور راگ میں تھوڑا فرق ہے۔ کنچنیوں کے موافق نہیں ہوتا ۔ اور روپیہ بھی کم لیتی ہیں ۔ اور اکثر زنانیوں میں بیٹھک دلاتی ہیں ۔ اور ماتا یعنی چیچک بھی پُوجتی ہیں ۔ اگرچہ پھول پہن کے کنچنیوں کے موافق پھرتی ہیں لیکن گھٹنا تنگ یعنی تنگ پاجامہ نہیں پہنتیں ۔ بعضے میراثی نماز روزہ بھی رکھتے ہیں ، مگر تو بھی اپنے کسب (کو) قبیح نہیں جانتے ۔

بیٹھک کا دستور :

ادنٰی لوگوں میں یعنی موچی ، جولاہے ، بھشتی وغیرہ ، بلکہ اس زمانے میں بعضے اعلٰی لوگوں میں بھی ، مگر وہ اعلٰی جو عورتوں کی رسمیں مانتے ہیں اور شرفا میں مطعون ہیں ، یہ دستور ہے کہ جب کوئی عورت بیمار ہو جاتی ہے یا اس کو ناطاقتی یا یبوست سے کوئی ایسی بیماری کہ جس سے دن رات کو ہذیان کرتی ہے ، ہو جاتی ہے یا جس عورت کے اولاد ہو کے مر مر جاتی ہے ، و قس علٰی ھذا ، وہ

بیٹھک دیتی ہے۔ اور بیٹھک کا یہ دستور ہے کہ وہ عورت اول غسل کرتی ہے، پھر بالوں کو عطر خوشبو لگاتی ہے اور بال کھلے رکھتی ہے اور کپڑے نئے پہن کے پھول بھی پہنتی ہے۔ اور ایک مکان میں فرش چٹائی کا کر کے اوپر اس کے سفید چادر بچھاتی ہے اور ڈومنیوں کو بلواتی ہے۔ ڈومنیاں تین چار، طبلہ اور تال لے کر آتی ہیں اور اہلِ محلہ کی عورتیں بھی جمع ہوتی ہیں اور کہتی ہیں کہ فلانے کے گھر پیر آئے ہیں، چلو اپنی مرادوں کی[1] خبر لے آویں۔ مطلب ان کا یہ ہے کہ عورتیں کہتی ہیں کہ جب کوئی عورت بیٹھک دیتی ہے تو جس کا اس کے سر پر سایہ ہوتا ہے، وہ خود حاضر ہوتا ہے اور وہ عورت اس وقت گویا اس پیر کی ذات باصفات ہو جاتی ہے۔ جس مطلب کا اس سے اس وقت سوال کریں گے، وہ برابر شدنی جواب دے گی۔ اور ہر عورت اس وقت کوئی الائچی، کوئی پھول، کوئی ریوڑی، کوئی شیرینی ساتھ لے کر آتی ہے۔

آمدم بر سرِ مطلب۔ جب ڈومنیں اور عورتیں جمع ہو جاتی ہیں تو وہ عورت یعنی بیٹھک دینے والی سفید چادر پر ہو بیٹھتی ہے اور ڈومنیں طبلہ بجانا اور کافی گانا شروع کرتی ہیں۔ کافی اس گیت کا نام ہے جو عارفوں نے پنجابی زبان میں شعر کہے ہیں۔ پھر وہ عورت بے ہوش ہو جاتی ہے اور سر ہلاتی اور آنکھیں سرخ کر لیتی ہے۔ اور جب کوئی پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ تو وہ بتلاتی ہے کہ میں فلانا پیر ہوں یا فلانا جِن ہوں۔ پھر اس سے سوال کرتے ہیں کہ تم نے اس کو کیوں ستایا ہے؟ تو وہ باعث بیان کرتا ہے کہ اس نے ہمارا فلانا قصور کیا یا فلانی جگہ پر بول کیا یا تھوکا یا کچھ اور بے ادبی کی۔ پھر

۱۔ اصل: کو، تصحیح قیاسی از مرتّب۔

ڈومنیں گاتی ہیں ۔ اور ایسے پہر کو کہ اکثر شیخ سدّو ہوتے ہیں ، خوش کرتی ہیں ۔ جب وہ پھر خوب حال کھیلتی ہے تو پھر ڈومنیں سوال کرتی ہیں کہ تم اب اس عاجز کی تقصیر معاف کرو اور جو نگاہِ نوازش سے چاہو ، نذر لو ۔ پھر وہ خوش ہو کے کوئی تو کہتا ہے کہ ہماری پانچ بیٹھک دو ، کوئی کہتا ہے کہ اچھا اب ہم نے اُس کا قصور معاف کیا ، آگے ہوشیار رہے ، کبھی ہماری بے ادبی نہ کرے اور اتنی مدت کے بعد ہماری بیٹھک دیا کرے ۔ پھر عورتیں الائچی وغیرہ دے کر اپنے سوال پوچھتی ہیں اور جواب پاتی ہیں اور اس پر اعتبار اور بھروسا کرتی ہیں ۔ پھر دو چار گھڑی کے بعد گانا بند ہوتا ہے اور سب عورتیں ویلیں دیتی ہیں ۔

کیفیّتِ ویل :

ویل زبانِ پنجابی میں اُس کو کہتے ہیں کہ یہاں دستور ہے کہ ناچ اور بیٹھک اور نقارچیوں کو ، ناچنے والی یا گانے والی کو نقد روپیہ بتفاریق دیتے ہیں ۔ اس کا نام ویل ہے ، خواہ عورت دے خواہ مرد ۔ مگر بیٹھک میں صرف عورتیں دیتی ہیں ۔ پھر گانا موقوف ہوتا ہے ۔ اور جب کوئی ویل دیتی ہے تو ڈومنی کہتی ہے "اللہ اور محمد کی ویل" اور اس میں کوئی مرد بلکہ بالغ لڑکا بھی جانے نہیں پاتا ۔ اور بیٹھک میں اکثر کوڑیوں کی ویلیں دی جاتی ہیں ۔ اس طرح بعد دو تین گھنٹے کے وہ عورت ہوش میں آ جاتی ہے اور کلمہ شریف پڑھتی ہے اور ڈومنیوں کو چار یا آٹھ آنے یا روپیہ دے کر رخصت کرتی ہے ۔ اور بیٹھک دینے کے وقت میں کوئی عورت بیٹھ کر سر مارتی ہے اور کوئی نوشاہیوں کی طرح کھڑی ہو کر حالت کھیلتی ہے ۔ سبحان اللہ !

---

۱ ۔ اصل : جانا ، غالباً سہو کتابت ۔ (مرتّب)

عجب رسم ہے ۔ میں اس کا بالکل معتقد نہیں ۔ بلکہ جو میرے دوست آشنا اس دستور کو مانتے ہیں ، میں اُن کو نادان تصوّر کرتا ہوں ، اور بہتوں کو سمجھا کر اس یقین سے ہٹاتا ہوں ۔ اور اور بھی بہت اشرافوں میں ایسے اشراف اور دانا لوگ ہیں کہ اگرچہ اُن کے گھر میں کوئی ایسی بیماری میں گرفتار ہو اور سارا جہان اُن کو بیٹھک دلانے کا اشارہ کرے ، مگر تو بھی وہ اس کا علاج طبیب سے کراتے ہیں ۔ خواہ وہ مرے خواہ جیوے مگر بیٹھک نہیں دلاتے ۔

نقل :

تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ میں شہر امرت سر میں جناب مسٹر فرانسیس میکناٹن اور جارج اڈورڈ ویکفلڈ صاحب بہادر سول سروس اور فریڈرک ولیم برج اومنسفلڈٹ ، جارج سمتھ صاحب بہادر صاحبان رجمنٹ ۵۹ المشہور لائر کو پڑھاتا تھا تو جناب سمتھ صاحب بہادر نے مجھ کو حکم دیا کہ بیست چوکی مسکوٹ کے واسطے تیار کرانی چاہیے ۔ میں نے غلام حسین نام ، جو بٹالہ کا بڑھئی تھا ، چار روپیہ فی چوکی کا بندوبست کرا دیا ۔ صاحبِ موصوف نے معرفت میرے بیس روپیہ پیشگی اس کو دیا ۔ اس نے بعد مہینے کے نو چوکی تیار کر کے پہنچائی اور کچھ اور روپیہ طلب کیا ۔ میں نے جواب دیا کہ صاحب راست معاملہ ہے ، جب سب کام سے فراغت ہوگی تو روپیہ یک مُشت مل جاوے گا ۔ اس نے قبول کیا ۔ بعد تھوڑے دنوں کے میں اسپ سوارہ اُس راہ سے چلا آتا تھا کہ اس نے مجھے رستے میں روکا اور رونے لگا اور بولا کہ اس وقت مجھ کو ایک روپیہ ضرور درکار ہے ، عنایت کرو ۔ میں نے جیب سے نکال کے ایک روپیہ اُس کو دیا اور مطلب پوچھا تو وہ بے چارہ رو کر بیان کرنے لگا کہ میری عورت دو مہینے سے بیمار ہے ۔ سب حکیموں کی دوا کی ، شفا بالکل نہیں ہوتی ۔ اور وہ دن

رات میں دو دفعہ بے ہوش ہو جاتی اور کہتی ہے کہ میرے سر پر پیر ہیں ، میں سایہ زدہ ہوں اور نام اپنا لال پری بتلاتی ہے ۔

میں نے پوچھا کہ اس کا اصلی نام کیا ہے ؟ اس نے کریمہ بتلایا ۔ میں نے اس وقت معلوم کر لیا کہ وہ عورت فاسقہ ہے اور وہ خاوند کو فرماں بردار بنایا چاہتی ہے ۔ میں نے غلام حسین سے کہا کہ مجھ کو ایک ایسا منتر یاد ہے کہ جس کو سایہ ہوتا ہے ، بہ مجرد دم کرنے کے وہ سایے کی بیماری دور ہو جاتی ہے ۔ وہ بے چارہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ خدا تم کو سلامت رکھے ۔ اگر میرے گھر چلو اور اس کو دم جھاڑا کرو تو عین مہربانی ہوگی ۔ میں نے اسے جواب دیا کہ اب میں مکان کو جاتا ہوں اور غسل کرتا ہوں ۔ تم اپنے گھر جاؤ اور عورتوں سے دریافت کرو ۔ اگر وہ قبول کریں تو میں تمھارے گھر چلوں گا ۔ وہ بے چارہ سادہ مرد گھر گیا اور عورتوں سے پوچھا ۔ سب نے قبول کیا ، مگر اس کی عورت بے ہوش بن کے بھی کہتی تھی کہ میں سوا بیٹھک کے کبھی تندرست نہ ہوں گی ۔ اگر کوئی دم جھاڑا کرنے آوے گا تو میں اس کا سر پھوڑ ڈالوں گی ۔ وہ بے چارہ میرے مکان پر آیا اور سب حال سنایا ۔ میں نے خوب سمجھا کہ اس غریب کی عورت بہانہ ساز ہے ۔

القصہ میں نے چابک ہاتھ میں لی اور اس کے ساتھ اس کے گھر پر گیا ۔ اس نے ایک پیڑی ، جو پنجابی چوکی ہوتی ہے ، مجھے بچھا دی ۔ میں بیٹھ گیا ۔ اس کی عورت کو دیکھا کہ آنکھیں سرخ اور چیں بجبیں ہر ایک کو گالیاں دے رہی ہے ۔ مجھ کو بھی کچھ برا بھلا کہنے لگی اور بولی : ”میرے سر پر اس پیر کا سایہ ہے کہ دم جھاڑے سے کبھی دور نہ ہو گا ۔ بلکہ اس ”مولوی لاہوری“ کو یہی لائق ہے کہ چلا جاوے ، اور اگر ہم کو دم کرے گا تو خود بیمار

ہو جاوے گا ۔ میں سن کے ہنسا اور اس کے خاوند کو کہا کہ اس کو میرے روبرو لا کر بٹھاؤ ۔ انھوں نے لا بٹھایا ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بیٹا ! تیرا کیا نام ہے ؟ اس نے خفگی سے لال پری بتایا ۔ میں نے خفگی سے کچھ آہستہ آہستہ آدھا گھنٹا پڑھا اور چابک پر پھونکا اور دو چابکیں زور سے اس کو ماریں ۔ جھٹ پٹ بولی کہ مولوی صاحب برائے خدا مجھ کو اور نہ مارو ، اب میں ہوش میں آ گئی ہوں ۔

میں نے کہا اور ایک دفعہ باقی ہے ۔ اگر وہ بھی کر لوں گا تو پھر کبھی تجھ کو سایہ نہ ہو گا ۔ اور پھر میں مستعد چابک مارنے کا ہوا ۔ اُس نے ہزار ہزار قسم دی کہ بس ، میں ہوں ! اب میں ہوش میں ہوں ، کبھی بے ہوش نہ ہوں گی ۔ بے شک تم بڑے دانا عامل ہو ۔ غرض میں وہاں سے رخصت ہوا اور خوب یقین کیا کہ سایہ عورتوں کا ایک فریب ہے ، کیونکہ میں کوئی عامل نہ تھا ، کوئی مجھ کو منتر یاد نہ تھا ۔ صرف ایک حکمتِ عملی سے میں نے کام کیا ۔

بھنگ کا دستور :

بھنگ ایک بُوٹی ہے سبز رنگ ۔ اس کو لا کر ڈنڈے کونڈی میں دھو دھا کر کوٹتے ہیں اور بیچ میں اس کے کوئی بادام اور خشخاش اور خرفہ اور کاسنی ، کوئی صرف بادیان اور کالی مرچ ملاتا ہے ۔ جب خوب گُھٹ جاتی ہے تو رومال میں پُن کر پانی میں ملا کر پیالے میں بھرتے ہیں اور ہاتھ میں لیتے ہیں اور پیتے ہیں ۔ اور پینے کے وقت کوئی تو یہ جملہ بولتا ہے کہ "آؤ لال شہ باز ، چڑھنے کو گھوڑا اور اڑانے کو باز" اور کوئی بکتا ہے کہ "آؤ سبز نر ، جو چاہے سو کر ۔" اور گھوٹنے کے وقت یہ جملہ بکتے ہیں "رگڑ گھس رگڑ گھس ، نہ رہے نوہ نہ رہے سس" اور جو اس کا نُقدہ نکلتا ہے اس

کو ہاتھ میں لیتے ہیں اور ہلا جلا کے اکروٹ[1] کی شکل بناتے ہیں ۔ اور اس کو ہاتھ میں لے کر اور کسی دشمن کا نام لے کر زور سے پھینکتے ہیں ۔ اور ان کے دستور میں یہ مشہور ہے کہ جو کوئی اس طرح چالیس روز کسی کا نام لے کر نقدہ مارے تو اس کو ضرور کچھ دکھ درد پہنچتا ہے ۔

بُوزہ کا حال :

بوزہ یوں بناتے ہیں کہ روٹی کے ٹکڑوں کو رات کے وقت پانی میں بھگو کر رات بھر شبنم میں رکھتے ہیں ۔ صبح کو اس کو صاف کر کے اور چھان کے پی لیتے ہیں ۔ وہ بھی کچھ نشہ دیتا ہے ۔ پوست ، افیم ، شراب مشہور ہے لہٰذا اس کی ترکیب نہ لکھی ۔

چیچک کا حال :

بعضے بعد صحت ، چیچک کی پوجا کر کے اس کو دیوی قرار دیتے ہیں ۔ اور شرفا کے نزدیک یہ بھی ایک بیماری ہے ۔ مگر اس ملک میں جب کسی کے بچے کو چیچک نکلتی ہے تو کسی کو گھر آنے نہیں دیتے ۔ اگر کوئی آ جاوے تو ہرمل جلاتے ہیں ۔ اور نہا کے ، سر دھو کے ، کنگھی کر کے کوئی اس گھر میں نہیں آ سکتا ۔ جب تک کسی کو چیچک نکلتی رہتی ہے ، تب تک اگر بادل گرجے یا صاعقہ پڑے تو اس کی آواز چیچک والے لڑکے کے کان میں پڑنے نہیں دیتے ، بلکہ اس واسطے اس کے پاس کوئی تھالی کانسی کی یا کوئی اور برتن بجاتے رہتے ہیں ۔ اور چھ سات دن کہ چیچک زور سے نکلتی رہتی ہے ، گرم چیزیں لڑکے کو کھلاتے ہیں ، منقہ وغیرہ و چاندی کے ورق ۔ اور جب چیچک نکلتی ہے تو وہ یہی جانتے ہیں کہ دیوی ماتا آئی ہے ۔

---

۱ ۔ اخروٹ ؟

اور دیوی نزدیک اہلِ ہنود کے ایک بڑی معبود ہے ۔ تصویر اس کی کئی بار راقم نے بھی دیکھی ہے ۔ اس کے آٹھ ہاتھ بناتے ہیں اور ان میں کسی میں تلوار ، کسی میں کچھ اور رکھتے ہیں ۔ اور شیر پر سوار اور ایک دو جِنّ ساتھ ۔ فقط

اور جب تھوڑا آرام اس بیماری سے ہوتا ہے اور چیچک خشک ہوتی ہے تو تھوڑا سا پانی اس کے بدن پر ڈالتے ہیں اور اس کو زبانِ پنجابی میں "بھوئے پاونا" کہتے ہیں ۔ پھر کوئی نقارچیوں کو ، کوئی میراثیوں کو بلاتا ہے ۔ وہ آگے آگے ڈھول بجاتے اور پیچھے زن و مرد اس لڑکے کو زعفرانی کپڑے پہنا کے لیے جاتے ہیں ۔ اور ایک آدمی دودھ میں پانی ملا کے سبز گھاس کے ساتھ آگے آگے چھڑکتے جاتے ہیں ۔ پھر کوئی کسی بڑ کے درخت پر ، کوئی دیوی کے استھان پر جاتا ہے اور وہاں جا کے درخت کو مولی باندھتے ہیں اور سندھور لگاتے ہیں ۔ اور لسی کچی یعنی دودھ پانی اس پر چھڑکتے اور کچھ دنداسہ سرخی وہاں رکھ آتے ہیں اور واپس پھر آتے ہیں ۔

غرض ان لوگوں میں یعنی میراثیوں میں کوئی مقرری ریت رسم نہیں کرتے ۔ دیہاتی لوگ تو آج اگر ان کے جنے تو دو دن کے بعد کوئی پرہیز نہیں ۔ مگر شہروں میں اکثر کچھ لحاظ رکھتے ہیں ۔ دو تین روز بعد کھچڑی پکاتے ہیں اور "رکھ" وغیرہ بھی باندھتے ہیں ۔ اور اگر کوئی امیر دولت مند ہوا تو اس نے بطورِ شادی عقیقہ کیا یا برادری کو کھانا دیا ۔

راجپوت کا حال :

راجپوت بھی ایک قوم ہے ۔ ان میں بھی آگے کئی قومیں ہیں ۔ ایک چوہان، دوسرا چینہ ، تیسرا کھوکھر، چوتھا چٹھہ ، پانچواں وڑائچ ،

چھٹا سندھو ، ساتواں ورک ، آٹھواں بھٹی ، نویں کچھوے ، دسویں کھوروائی اور یہ ان میں بلند ذات ہے ۔

ان میں اکثر توالد تناسل پر گُڑ تقسیم کرتے ہیں اور جب بچہ تین چار روز کا ہوتا ہے تو منڈا حلوا تقسیم کرتے ہیں ۔ اور منڈا زبانِ پنجابی میں ایک قسم کی روٹی ہے جو بہت ہلکی اور لمبی ہوتی ہے ، اور چھلتہ یعنی چالیس روز کا پرہیز بھی نہیں کرتے بلکہ سوا شہروں کے گاؤں میں چھٹی کے پیچھے کچھ پرہیز نہیں ۔ اور چوہان راجپوت میں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو تین روز تک کھچڑی پکاتے ہیں اور رات کو کھاتے ہیں۔ اور ایک دن نان گوشت پکاتے ہیں ۔ اور سب رسمیں برابر ہیں ۔ مگر شہری راجپوت رسمیں مقرری مذکورہ بالا ادا کرتے ہیں ۔

حالِ خوجہ :

خوجہ بھی ایک قوم ہے ۔ یہ لوگ بڑے مُمسک مشہور ہیں ۔ ایک کوڑی کو جان سے عزیز رکھتے ہیں ۔ اصل ان کا بھی شیخ سنا جاتا ہے ، مگر شیخ نہیں کہلاتے ۔ اور اگر کوئی ان کو شیخ کہے تو برا بھی نہیں مناتے ۔ اکثر یہ لوگ کوئی اِس شہر میں جوتے بیچتا ہے ، کوئی کاٹھی بناتا ہے اور کوئی گیہوں بیچتا ہے ، کوئی دبہ گروں سے بیوپار رکھتا ہے ۔ غرض سب پُر نفع کام کر لیتے ہیں ۔ کوئی صرف کھال بیچتا ہے ، کوئی گودڑی فروشی کرتا ہے ، کوئی مُلاّ بن بیٹھا ہے اور کوئی سبزہ فروشی[۱] کرتا ہے ۔ خاص لاہور میں کوئی کوئی اس قوم سے طبابت ، کوئی مدرسی کرتا ہے ۔ لاہور میں یہ بڑی قوم ہے اور اکثر متموّل ۔ گھروں میں ان کے زر و زیور بکثرت ۔ اگر کوئی بڑا غریب ہوگا تو بھی ہزار پانچ سو سے زیادہ اس کے گھر

---

۱ ۔ غالباً 'سبزی فروشی' مراد ہے ۔ (مرتّب)

میں موجود ہوگا۔ اور یہ شاذ ہے کہ شہر لاہور میں کوئی خوجہ مفلس اور نادار ہو۔

ان کے راہ و رسم ِ توالد تناسل برابر ہیں۔ ِچھٹلے میں ننھیال کپڑے وغیرہ، زیور بچے کو دیتے ہیں۔ بعضے ان میں سے ِچھلے کے روز کسی بزرگ کی قبر پر سلام کے واسطے ُچوری لے جاتے ہیں۔ اور ناروول ضلع امرت سر میں بہت خوجے اور ''رافضی'' مشہور ہیں۔

پراچہ لوگ :

اِسی طرح پراچہ لوگ بھی ایک قوم ہے۔ وہ اس شہر میں بعضے متمّول ہیں، مگر فی‌الاصل اندک لوگ ہیں۔ ان میں بھی بعضے ِریت کرتے ہیں اور بعضے کچھ رسم نہیں کرتے، اور بعضے ِچھلے تک خوب محافظت رکھتے ہیں۔

باجوے کا حال :

باجوا بھی ایک گروہ ہے۔ انُ میں بھی ِستر داری نہیں کرتے۔ چونکہ اصل میں زمیندار لوگ ہیں لٰہذا انَ کے گھروں میں اگر بھینس یا گائے ہو تو آپ بھی ان کی عورتیں دودھ پیتی[1] ہیں اور گوبر تھاپتی ہیں۔ گوبر تھاپنے کا یہ طریقہ ہے کہ جب گائے بھینس نے گوبر کیا تو جھٹ پٹ اس میں ُتوڑی تھوڑی سی ملائی اور دیوار پر لگا دیا۔

گُوجر کا حال :

گُوجر بھی ایک گروہ ہے۔ کام اُن کا دودھ بیچنا ہے۔ انُ کی بھی عورتیں ِستر نہیں کرتیں۔ لباس انُ کا پاجامے کی جگہ اکثر نیلا

---

۱ - اصل : لپیتی۔

لہنگا اور گلے میں چولی ۔ سر پر کوئی نیلی چادر ، کوئی سفید ڈوپٹہ ، کوئی بھوچھن[1] ، کوئی پھلکاری رکھتی ہے ۔ اور ان میں کئی ذاتیں ہیں ۔ اول جھجے ، دوم کھتانی ، سوم کسانی ، چہارم تور ، پنجم مہسی ، ششم بھندانی ، ہفتم گیکی ، ہشتم کٹاری ، نہم باہٹی ، دہم نوسر ، یازدہم جھندر ، دوازدہم بری ، سیزدہم بھنلی ، چہاردہم موٹن ، پانزدہم ٹھکری ۔ اور بھی بہت ذاتیں ہیں ۔ اور ان میں بڑی ذات کھتانی ہے ، بعد ازاں جھجی ۔ یہ لوگ فقط دودھ بیچنے کا کام نہیں کرتے بلکہ کوئی[2] نوکری پیشہ ، کوئی کھیتی بنا ۔ اور سوا اس کے اور اور کام بھی کر لیتے ہیں ۔

دیہاتی گوجر اکثر راست باز مشہور ہیں ۔ مہاراج کے وقت ان میں سے چند لوگ صاحبِ عزت ہو گئے تھے اور سرکار ان پر اول اعتبار بھی رکھتی تھی ، مگر بعد ازاں بخوبی ثابت ہوا اور بادشاہانِ سلف نے بخوبی اس بات کو تحقیق کیا کہ گوجر بڑے بدذات ہوتے ہیں ۔ چنانچہ ایک مصرع بطور مثل کے مشہور ہے کہ : "گجر بہ یک نقطہ 'کنجر' شود" یعنی گجر میں اگر ایک نقطہ لگایا جاوے تو وہ 'کنجر' بن جاتا ہے ۔ زبانِ پنجابی میں کنجر کنچن کو کہتے ہیں ۔ خدا ان لوگوں سے امان میں رکھے ۔ اور پوٹھوہار کے ملک میں گوجر لوگ ڈاکے کا کام کرتے ہیں ۔ فقط

چولی کا حال :

چولی ایک کپڑا ہے کہ اس کو بجائے کُرتا گلے میں پہنتے ہیں ۔ اس سے سارا پیٹ ننگا رہتا ہے اور فقط اس میں پستان چھپے رہتے ہیں ۔ اور پھلکاری ایک ڈوپٹہ ہے جو سفید ہوتا ہے اور اس

---

۱ ۔ چوڑی کنی والی ململ کی باریک چادر ۔

۲ ۔ اصل میں 'کوئی کوئی' لکھا تھا ۔ ایک 'کوئی' زاید سمجھ کر حذف کر دیا گیا ۔ ممکن ہے سہو کتابت ہو ۔ (مرتب)

میں ریشم کے بوٹے نکالے ہوئے ہوتے ہیں ۔ اور بھوچھن بھی ایک چادر ہے سرخ یا بسنتی رنگ ، اس پر بھی ریشم کے گل ہوتے ہیں ۔ یہ کپڑا اکثر زمیندار لوگ ہی پہنتے ہیں ۔ ان میں بھی کوئی نیا دستور نہیں ، مگر پانچ دفعہ چھلے میں سر دھوتے ہیں اور چالیس دن تک سوتک رکھتے ہیں ۔ اور مقدور ہو تو چھلے پر گڑ تقسیم کرتے ہیں ۔

ارائیں کا حال :

ارائیں بھی ایک ذات ہے اور ان میں آگے تین قسم ہیں : ایک کنبوہ ، دوسرا ملتانی ، تیسرا قوالی ۔ اور آگے ان تینوں میں الگ الگ قومیں ہیں ۔ مگر یہ عام دستور ہے کہ قوالی کنبو کو ناطہ نہیں دیتے اور نہ ملتانی قوالی کو ۔ غرض اپنی ذات میں ناطہ نسبت کرتے ہیں ۔ کنبوؤں میں آگے بہت ذاتیں ہیں : ایک رتن پال ، دوسرے ناگ پال ، تیسرے ٹھنڈ ، چوتھے جموں ، پانچویں ڈھنجوں ، چھٹے جی ، ساتویں جینی ، آٹھویں جوڑئی ، نویں لورے ، دسویں بھٹی ، گیارھویں بڑڑ ، بارھویں جٹ مل ، تیرھویں شیخ ۔ اگرچہ ان کی ایک سو بہتر ذات ہے مگر لاہور میں بھٹے اکثر ہیں ۔ ان کا بھی ایک میراثی ہوتا ہے ۔ وہ میراثی سوا کنبو کے اور کسی کے گھر نہیں جاتا ، خواہ کتنا تنگ ہو ۔ قوالی بھی کئی قسم ہیں : ایک بھٹی ، دوسرے وہڑے ، وقس علی هذا ۔ سلتانی بھی ان میں ستر داری نہیں کرتے ۔ اور جب عورت حاملہ ہوتی ہے تو ساتویں مہینے کنجی کرتے ہیں ، اور شیریں برنج پکاتے ہیں اور برادری کو کھلاتے ہیں ۔ اور پھر سب برادری کی عورتیں جمع ہوتی ہیں ۔ اور اگر کوئی بختاور ہوا تو رات کو گیت بھی گاتے ہیں ۔ اور بدستور چالیس روز چھلے کی محافظت کرتے ہیں اور مذکورہ اور رسمیں بجا لاتے ہیں ۔ چھلے کے

روز ضرور چُوری لے کر کسی قبر پر جاتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں۔ اور کنبوؤں میں جٹ مل اور ٹھنڈ بڑی ذات ہے۔ ان میں بھی بڑوں کے موافق رِیت کرتے ہیں۔ اور آگ بھی گھر سے کسی کو نہیں دیتے۔ چارپائی کی پائنتی میں لوہے کا تالا "رکھ" کے واسطے مار چھوڑتے ہیں۔

دبہ گر:

یہ بھی ایک ذات ہے۔ کام اِن کا کُپّا، کُپّی اور چرمِ خام کے ترازو وغیرہ بنانا۔ ان کے مکان متعفّن[1] (ہوتے ہیں) کیونکہ خام چمڑے سے سب چیزیں بناتے ہیں اور اُن کُپّوں میں اکثر تیل گھی ڈالا جاتا ہے۔ اور بڑے کُپّے میں دس بارہ من گھی پڑ جاتا ہے۔ سنگھوں[2] کے وقت میں ان میں باروت[3] بھری جاتی تھی۔ اس لحاظ سے بِکا[4] ان کا بہت ہوتا تھا۔ اور مہاراج کے وقت ان کے سر پر کچھ محصول بھی تھا۔ اور لین دین ان کا اکثر خوجوں سے ہوتا ہے۔ خوجے لوگ ان کو پیشگی روپیہ دیتے ہیں او سال سستا ان سے خرید کے گراں بیچتے ہیں۔ اور اس میں خوجوں کو بہت منافع ہوتا ہے۔ اور پراچہ بھی ان کے گاہک ہیں۔ یہ لوگ بروقت بنانے کُپّوں کے سانچے مٹی سے بناتے ہیں۔

ناطہ نسبت ان کی صرف آپس میں ہوتی ہے۔ مگر ادنیٰ لوگ ہیں۔ توالد تناسل کی کچھ رسم مقرّری ان کے یہاں نہیں، جیسا کسی نے چاہا کر لیا۔ ایک میرا واقف خوجہ کپّے فروش تھا، وہ ہمیشہ کہتا تھا کہ دبہ گر بڑے خراب لوگ ہیں۔ کوئی ان میں معاملے

۱۔ متعفّن: بدبودار۔
۲۔ یعنی سکّھوں۔
۳۔ بارود۔
۴۔ بِکری، فروخت۔

(کا) صاف ہوگا ، و الاّ نہ سب مال مردم خور۔ محافظت چھلے کے ایشاموں کی شہر لاہور میں ضرور کرتے ہیں اور چھلے پر کسی خانقاہ پر بھی ضرور جاتے ہیں ۔ اور لقمان حکیم کو بہت مانتے ہیں ۔ اگرچہ بہت منافع ان کو ہوتا ہے مگر واللہ اعلم کیا سبب ہے کہ برکت اِن لوگوں کو کم ہے ۔ ہمیشہ محتاج نظر آتے ہیں ۔ فقط

شیخ کا احوال :

تھوڑا احوال شیخوں کا میں نے آگے لکھا ہے ، اب تھوڑا اور بھی لکھتا ہوں کہ اس ملک میں ڈھولی بھی ایک قوم ہے جو ڈھول گلے میں ڈال کر بجاتے ہیں اور گھر گھر گدائی کرتے ہیں ۔ اور یہ بھی شیخ کہلاتے ہیں ۔ اور اکثر لاہور میں قدموں کے میلے کے واسطے آتے ہیں ۔ اور یہ میلہ لاہور میں جمادی الثانی کے مہینے میں صدر بازار انارکلی میں ہوتا ہے ۔ یہاں سخی سرور ، جو بزرگ کامل مشہور ہیں ، چالیس روز بیٹھ گئے ہیں ۔ اس مکان کو چھلے کا مکان کہتے ہیں ۔ اور پنجاب میں عام لوگ اس پیر کو بہت مانتے ہیں ۔ جب قدموں کا میلہ نزدیک آتا ہے تو ڈھولی لوگ دو دو تین تین مل کر کوچوں میں پھرتے ہیں ۔ کوئی ڈھول بجاتا ہے ، کوئی تال ، کوئی بانس سا ، اس پر کپڑا لپٹا ہوا ۔ اور اس ملک کا یہ بھی دستور ہے کہ جب کسی کے گھر اولاد نہیں ہوتی تو وہ سخی سرور کی منّت مانتا ہے کہ اگر خدا میرے گھر بیٹا دیوے اور قدم آویں تو میں اس کی پھمنھیاں ڈلواؤں گا ۔ پھمنھی اس کو کہتے ہیں کہ لڑکے کو ڈھولی گود میں لے لیتا ہے اور بطور ناچنے کے ناچتا ہے اور ہلاتا ہے اور یہ جملہ اکثر منہ سے بولتا ہے : گیت

سرور دے دربار منّتاں من آیاں

اور بھی کچھ ایسا بکتے ہیں ۔ بعد کئی پہلوں کے گود سے اتارتا ہے اور گڑ ، آٹا اور کچھ پیسے لیتا ہے ۔ اور میلے میں بہت جگہ کھڑے ہو کے ڈھول بجاتے ہیں اور بطور گدائی کے کوڑی پیسا مانگتے ہیں ۔ اور اگر جو کوئی ان کو پیسہ ٹکا دیتا ہے تو اس کا نام ”سخی سرور کی چراغی“ رکھتے ہیں ۔ اور بعضے زمیندار گیہوں مٹکی دیتے ہیں ۔

ان کا بھی کوئی دستور حمل کے وقت نہیں مگر ریت بڑوں کی کرتے ہیں اور گھر کے لوگ مل کے کھاتے ہیں ۔ اور اگر طالع مند ہوا تو بھاجی گڑ وغیرہ کی کرتا ہے ۔ چھلے کے روز منڈے بھی تقسیم کرتے ہیں اور کسی بزرگ کی قبر پر بھی اس عورت کو مع خویش اقربا کے لے جاتے ہیں اور مقدور موافق نذر چڑھاتے ہیں ، اور چوری بھی بنا کے ساتھ لے جاتے ہیں ۔ غرض یہ بھی ارزل قوم ہے ۔ ستر داری بھی ان میں نہیں کرتے ۔

مجلدی :

یہ بھی ایک گروہ ہے ۔ یہ کتابوں کی جلدیں باندھتے ہیں اور کوئی کوئی ان میں سے جدول کشی کرتا ہے ، اور وہ ”جدول کش“ کر کے مشہور ہیں ۔ ان لوگوں کی بھی کوئی مقرری ذات نہیں ۔ ہر قوم سے مجلدی ہوتے ہیں ۔ مگر اکثر ملا لوگ ہوتے (ہیں) ۔ شہر لاہور میں بعہد سنگھاں تو یہ لوگ صرف مسجد وزیر خاں میں بیٹھتے تھے ۔ اور ایک آدھ دکان اور اور کسی بازار میں بھی تھی ۔ اب یہ عملداری سرکار انگریزی بہت بازاروں میں ان کی دوکانیں موجود ہیں ۔ اگرچہ جلد لاہوری ، انگریزی جلد کی برابری نہیں کر سکتی لیکن تو بھی چالیس روپے تک کی جلد یہاں تیار ہوتی تھی ۔ نام کتاب کا سنہری حرفوں میں لکھنا یہ صرف ایجاد انگریزی ہے ۔ یہاں اکثر خوش نمائی کے واسطے گل کاری کے نشان لگاتے ہیں اور عام لوگ چار

پانچ آنے کی جلد بندھواتے ہیں ، اور اکثر قلعی کی لکیریں مجلّدی جلد پر لگا دیتے ہیں - اور یہ لوگ حضرت جبرئیل کو اُستاد اور مُوجد اس کام کا جانتے ہیں - اور جلد فقط بھیڑ بکری کی کھال سے بنتی ہے - اور اس ملک میں شکنجے صرف لکڑی کے ہوتے ہیں - اور انگریزی شکنجے جب دیکھنے میں آئے تو صرف حیرانیِ عقل ہے - سبحان اللہ ! ایک شکنجہ مطبع لاہور کرانیکل میں مَیں نے دیکھا کہ ہوا اور پانی کے زور سے ایسی داب دیتا ہے کہ لطف اس کا دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے - جو چاہے جا کے دیکھ لے -

پوشاک مجلّدیوں کی مُسلا ّنہ - اور دستور تو اور متفرّق حسبِ برادریِ خود - یہ لوگ بھی اکثر مالِ مردم خور ہوتے ہیں - لازم ہے کہ ان کو اگر جلد بنانی دیوے تو جلد لے لیوے و اِلا ّنہ خُرد بُرد ہضم کر جاتے ہیں - بعضے مجلّدی پیوند کتاب ہائے کہنہ دریدہ کا اور ملکوں سے[1] اچھا لاہور میں کر لیتے ہیں - فقط

بہشتی کا حال :

بہشتیوں میں بھی کئی قومیں ہیں - کوئی بھیم ، کوئی ماچھی ، کوئی اور - ان میں بھی سوا اپنی قوم کے کسی اور کا ناطہ نہیں لیتے اور نہ دیتے ہیں - مرد اکثر مشکیں بھر کے لوگوں کے گھروں میں پانی دیتے ہیں - اور کسی کے یہاں سے چار آنہ ، کسی کے گھر سے دو آنہ مہینا ، کسی کے گھر سے ہر روز کی روٹی لیتے ہیں - مگر اس میں تعداد مشکوں کا ضرور ہے - کوئی ایسا گھر ہے کہ اس میں فقط ایک مشک ہر روز خرچ ہوتی ہے تو وہ دو آنے ماہوار اور آٹھویں دن کی روٹی دیتا ہے - کسی کے یہاں دو مشکیں ہر روز خرچ ہوتی ہیں ، وہ

---

۱ - اصل : کے - غالباً سہوِ کتابت ہے -

چار پانچ آنے ماہواری دیتا ہے اور آٹھویں دن کے بعد ہمیشہ ایک روٹی دیتا ہے۔ اور بیاہ شادی میں اور مرنے پر یہ لوگ اکثر گھر میں کھانا پکانے کے خرچ میں پانی بکثرت دیتے ہیں۔ اس واسطے ہر شخص ان کو ایک دو روپیہ دیتا ہے۔ اور کوئی اگر صرف ضیافت کے واسطے بہشتی بلواتا ہے تو وہ مقرر کر لیتا ہے کہ میں یہ تجھے دوں گا۔ کوئی ان میں سے تنور کا کام کرتا ہے۔ کئی میں[1] ماچھی کی عورتیں تنور اور بھاڑ کا کام کرتی ہیں اور اپنی اوقات گزاری کرتی ہیں۔

تنور کا حال :

تنور والوں کا یہ حال ہے کہ یہ لوگ لید یا گوبر یا خس و خار یا لکڑی سے فجر اور شام دونوں وقت تنور گرم کرتے ہیں۔ اور کوئی نان ُپز بکری کی[2] سری یا دال گوشت بھی پکا کے رکھتا ہے۔ اور آٹا بھی کوئی خمیرا، کوئی پتیرا[3] گوندھ کے رکھتا ہے اور بیچتا ہے۔ مثلاً کوئی مسافر آیا، اُس نے تین پیسے دیے، دو پیسے کی روٹیاں لیں اور ایک پیسا گوشت پر خرچ کیا یا دھیلے کی دال لی۔ کوئی روٹی کے ساتھ مغز لے لیتا ہے، مغز کی قیمت دو پیسے، اس کے ساتھ بہت سا شوربا بھی دیتا ہے۔ کوئی گھی داغ کرا کے شوربے یا دال میں ڈال لیتا ہے۔ کوئی تنور والا صرف تنور گرم کر کے ہو بیٹھتا ہے۔ کوئی آٹا لایا اور پکوا لے گیا اور پکوائی دے گیا۔ پکوائی پکانے کی مزدوری کو کہتے ہیں۔ یہاں اب ایک پیسے میں آٹھ روٹی پکا دیتے ہیں اور کوئی صرف آٹا پکوائی کا دیتا ہے اور اس کا نام بھاڑا ہے۔

---

۱ - یعنی بعض میں۔
۲ - اصل : کے - غالباً سہو کتابت۔
۳ - پنجابی، بجائے "فطیرا"۔

نان بائی لوگ :

اور ایک اور نان بائی لوگ ہیں ۔ وہ صرف بیاہ شادی ، مرنے کے لیے یا نذر نیاز کے واسطے نان میدے سے پکاتے ہیں ۔ بعضے چھوٹے چھوٹے نان پکا کے کبابیوں کے پاس بیچتے ہیں ۔ یہ لوگ اکثر ارائیں ہوتے ہیں ۔ بعضے اور قوم سے بھی یہ کام کرنے لگ گئے ہیں ۔ چنانچہ اب شہر لاہور اور امرت سر میں بہت بھٹیارے کشمیری لوگ ہو گئے ہیں ۔ اُن کی ذاتیں الگ ہیں ۔ کوئی وائیں ، کوئی میر ، کوئی ملک ، کوئی ہانجی ۔ ان کا دستور ارائیوں کے تولّد کے دستور میں دیکھنا چاہیے ۔ ان میں کوئی دستور مقرری توالد تناسل کا نہیں ۔ اگر دولت مند ہوا تو سب کچھ کیا ، اور اگر غریب ہوا تو صرف دائی کو روپیہ یا آٹھ آنہ دیا اور کام کر لیا ۔ مگر ناڑا کٹائی اور پانچ دفعہ چھلے میں سر دھونا اور ننھیال سے چھلے پر کچھ آنا ضرور ہے ۔ اور یہ لوگ بھی چُوری لے کر کسی قبر پر جاتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں ۔ فقط

سنی شیعہ :

مسلمان لوگوں میں ذاتوں کا تو کچھ شمار نہیں ، مگر ظاہر میں دو فرقے ہیں ۔ ایک سنی ، دوسرا شیعہ ۔ سنیوں کو اہلِ سنت والجماعت بھی کہتے ہیں اور بعضے ناصبی بولتے ہیں ۔ اور شیعہ اُن کو قوم مخالف اور چاریاری بھی کہتے ہیں ۔ اعتقاد ان کا یہ ہے کہ نماز با جماعت پڑھتے ہیں اور محمد صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو نبی برحق جانتے ہیں ۔ اور جو شخص کہ محمد صاحب ؐ کی صحبت میں حاضر ہوا ہے ، اس کا آداب و ادب کرتے ہیں ۔ اور حضرت چار یار رضی اللہ عنہم کو ، جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر خطاب اور حضرت عثمان غنی اور حضرت مرتضیٰ علی ہیں ، رتبے میں برابر ۔ بلکہ حضرت ابوبکر کو سب سے زیادہ اور حضرت علی کو ، جو شمار میں چوتھے درجے پر

ہیں ، سچے جانتے ہیں ۔ اور قرآن شریف کو برحق مانتے اور حضرت محمد صاحب کو ختم المرسلین سمجھتے ہیں اور شاہ فقر حضرت مرتضیٰ کو جانتے ہیں ۔ اور یہ بھی اعتقاد ان کا ہے کہ قیامت تک ولی لوگ رہیں گے ۔ اور فقیروں سے بیعت بھی کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کو زندہ جانتے ہیں ، اور فقیر کاملوں کو خدا کا وسیلہ جانتے ہیں ۔ مگر اصل میں جیسا کہ رتبہ جناب مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کا ہے ، اس سے بعضے متعصّب یا[1] کم علم بے خبر ہیں ۔ تعزیہ بنانے اور مرثیہ پڑھنے کو بدعت جانتے ہیں ۔ رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں اور قرآن شریف بھی پڑھتے ہیں ۔ اور محرّم شریف میں ماتم کرنا ممنوع گنتے ہیں اور قیامت پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ ضرور آوے گی اور اللہ تعالیٰ عدالت کریں گے ۔ نیک لوگ بہشت میں اور گناہ گار لوگ دوزخ میں پڑیں گے ۔ اور جناب رسول علیہ السلام شفاعت کریں گے اور نجات صرف ان سے ہوگی ۔ بلکہ سب پیغمبر نفسی نفسی بولیں گے اور حضرت محمد صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امتّی امتّی پکاریں گے ، یعنی سب پیغمبر اپنے جسم کی امان چاہیں گے اور محمد صاحب ؐ اپنی اُمت کا فکر[2] رکھیں گے ۔ اور یہ لوگ محرّم میں رونے کو جائز رکھتے ہیں ۔ اور بعضے محرّم میں شربت لسّی بھی حضرت امام حسین کا پلاتے ہیں اور نذر نیاز دیتے ہیں اور شیعہ لوگوں کو برا جانتے ہیں ۔ اور جناب حضرت محی الدین گیلانی قدس سرہ العزیز کو پیر دستگیر کہتے ہیں اور ادب کرتے ہیں ۔ مگر ان میں بعضوں کا ایسا اعتقاد ہے کہ اصل میں وہ کفر ہے ۔ شراب ، بھنگ اور مسکرات

---

۱ ۔ اصل : سے ۔ تصحیح قیاسی کی گئی ۔

۲ ۔ اردو میں لفظ ''فکر'' مونث اور پنجابی میں مذکر استعمال ہوتا ہے ۔

کو حرام جانتے ہیں ۔ حضرت امیر معاویہ[1] صاحب کو جو حاکمِ شام اور والد یزید پلید کے تھے ، لعنت نہیں کہتے اور مفسد نہیں جانتے اور اگر جانتے ہیں تو زبان سے نہیں کہتے ۔ اور اگر کوئی حضرت امام حسین یا جناب مرتضیٰ علی یا معاویہ یا یزید پلید کا حال دیکھنا چاہیں تو کتاب ''روضۃ الشہدا'' یا ''حملہٗ حیدری'' یا ''روضۃ الصفا'' وغیرہ کتبِ تواریخ میں یا ''دہ مجلس'' میں دیکھ لے ۔ میں یہاں بیان کرتا مگر اس بات سے ڈر ہے کہ یہ مختصر رسالہ طویل نہ ہو جاوے ۔

اور مصنّف کا بھی یہی مذہب ہے مگر عقیدہ میرا کچھ اور طرح کا ہے ۔ میں اس خرخشہٗ مذہب کو دوست نہیں رکھتا بلکہ دونوں مذہب کے تعصّب والے لوگوں کو مخالف جانتا ہوں کیونکہ اب ہر کوئی حق کو چھپاتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ اپنے مذہب کو برا کوئی نہیں کہتا بلکہ افضل جانتا ہے ۔ مذہب میرا صلحِ کل ہے ۔ میں نے دونوں مذہبوں کی کتابیں بہ کثرت دیکھی ہیں ۔ ان دونوں فرقوں میں وہ لوگ اچھے ہیں جو متعصّب نہیں ۔ اگرچہ عام لوگ مجھے شیعہ خیال کرتے ہیں مگر میں نماز با جماعت پڑھتا ہوں ، جناب غوثِ اعظم کو ولیِ کامل جانتا ہوں ۔ اصحابِ ثلاثہ کو مانتا ہوں ۔ شیعہ لوگ کھلے ہاتھ نماز پڑھتے ہیں ، میں دست بستہ پڑھتا ہوں ۔ خدا کے اولیاء اللہ کو دوست رکھتا ہوں اور بیعت میری جناب حضرت خواجہ سلیمان صاحب چشتی سنگڑ شریف والے رحمت اللہ علیہ کی خدمت میں ہے ۔ سنی لوگ مونچھوں کے بال بیچ میں سے منڈاتے ہیں ، میں بھی منڈاتا ہوں ۔ مجھے ایک شعر اپنا یاد آیا ہے ، سو بجنسہ لکھتا ہوں :

نہیں میں رافضی اور سنّیوں سے بھی میں ڈرتا ہوں
غرض بندہ خدا کا ہوں ، یہی اقرار کافی ہے

---

۱ ۔ اصل میں ''معاویہ'' کے بجائے ''معوویہ'' لکھا تھا ۔

جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو ہر باب میں حلّالِ مہمات جانتا ہوں اور سب صحابہ کو مانتا ہوں۔

اب اہلِ تشیع وغیرہ کا حال سنو۔ مشہور ہے کہ اہلِ اسلام کے بہتّر فرقے ہیں۔ چونکہ ان سب کا حال لکھنا مناسب معلوم ہوا لہٰذا مختصر کر کے لکھتا ہوں:

بیان بہتّر فرقوں کا:

سنو صاحب! محرّرِ تاریخ لکھتا ہے کہ عبداللہ ابنِ سبا سے چھ فرقے نکلے اور ہر فرقے نے پھر بارہ بارہ فرقے بنائے، جملہ بہتّر فرقے بنے۔ تفصیل اِن کی یہ ہے۔ اور جو شخص تحقیق اس کی چاہے، کتاب "تدقیق الایمان" مطبوعہ سے کر لے۔ ذیل کی عبارت بجنسہ اس کی ہے:

ایک رافضیہ، دوسرا خارجیہ، تیسرا جبریہ، چوتھا قدریہ، پانچواں جہمیہ، چھٹا مرجیہ۔ آگے رافضیہ کے بارہ فرقے ہیں اور بارھوں کے نزدیک اتفاق ہے کہ جماعت کی نماز کو سنت نہیں جانتے اور مسح کرنا موزوں کا جائز نہیں رکھتے۔ اور حضرت ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے کچھ محبت نہیں رکھتے بلکہ گالیاں دیتے ہیں۔ مگر جناب مرتضٰی کو مانتے ہیں اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بزرگ تصوّر کرتے ہیں۔ اور تراویح کو سنت نہیں جانتے۔ اور اگر کوئی آدمی اپنی عورت کو ایک لفظ سے طلاق دیوے تو اُس کو درست نہیں جانتے۔ اور مغرب کی نماز اور روزے کے افطار میں جلدی نہیں کرتے۔

پہلا فرقہ علویہ: علی کو نبی کہتا ہے۔

دوسرا ابدیہ: علی کو شریکِ نبوت کہتا ہے۔

تیسرا شیعہ: وہ کہتا ہے کہ جو شخص علی کو سب صحابہ سے دوست زیادہ نہ رکھے گا، وہ کافر ہے۔

چوتھا اسحاقیہ : وہ کہتا ہے کہ کسی وقت زمین پیغمبر سے خالی نہیں اور نبوّت ختم نہیں ہوئی ۔

پانچواں زیدیہ : سوائے اولادِ علی کے دوسرے کو نماز میں امام نہیں بناتے ۔

چھٹا عباسیہ : سوائے اولادِ حضرت عباس کے ، جو حضرت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں ، کسی کو نماز میں امام نہیں بناتے ۔

ساتواں امامیہ : زمین کو امام سے خالی نہیں جانتا اور نماز امامِ فاجر کے پیچھے نہیں پڑھتے ۔ اور سنی لوگ بہ مُوجب حدیث "مشکٰوۃ شریف" کے نماز امامِ فاجر کے پیچھے پڑھ لیتے ہیں ۔ اور وہ حدیث یہ ہے :

"جاز الصلٰوۃ خلف کل بر و فاجر"

یعنی نماز پیچھے نیک اور فاجر امام کے درست ہے ۔ اور یہ ہے ان کا اعتقاد کہ خلافت سوائے بنی ہاشم کے غیر کو نہیں پہنچتی ۔

آٹھواں نادسیہ : وہ کہتا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو دوسرے سے افضل سمجھے ، وہ کافر ہے ۔

ناواں[1] متناسخہ : وہ کہتا ہے کہ جب جان بدن سے نکلتی ہے تو اُسی وقت دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے ۔

دسواں لاعنہ : وہ ہمیشہ معاویہ اور طلحہ اور زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم پر لعنت کرتا ہے ۔

گیارھواں راجعیہ : کہتا ہے کہ علی پھر دُنیا میں قیامت سے آگے آویں گے ، اب ابر[2] میں ہیں ۔

---

۱ ۔ پنجابی ۔ بجائے "نواں" ۔

۲ ۔ "انبر" بمعنی آسمان ۔ پنجابی میں "ابر" بھی کہتے ہیں ۔

بارھواں مرتضویہ : کہتا ہے کہ خروج کرنا لڑائی کے واسطے بادشاہِ اسلام پر درست اور جائز ہے ۔

دوسرا گروہ خارجیہ ہے : اس کے بھی بارہ فرقے ہیں اور جو کچھ کہ ان بارھوں کے نزدیک اتفاق ہے ، سو یہ ہے کہ جماعت کی نماز کو حق نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ علی برحق نہ تھے کیونکہ امیر معاویہ صاحب پر خروج کیا ۔ اور اختلاف بارھوں کا یہ ہے :

پہلا ازرقیہ : کہتا ہے کہ مومن اب خواب میں کچھ نہیں دیکھ سکتا ، اس لیے کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہوا اور اب کوئی ولی پیدا نہیں ہوتا ۔

دوسرا باطنیہ : کہتا ہے کہ ایمان صرف قول ہے ، یعنی ایمان ایک طریق کا نام ہے ۔

تیسرا نفلیہ : وہ کہتا ہے کہ تمام کام تعلق خدا کی خواہش سے رکھتے ہیں ، تقدیر اور قضا سے کچھ علاقہ نہیں ؛ یعنی تمام خلق مثل پتھر کے ہے ، بدون ہلانے کے اس کو حسّ و حرکت نہیں ہو سکتی ۔

چوتھا خازنیہ : وہ کہتا ہے کہ ایمان فرض مجہول ہے ، کامل نہیں ۔

پانچواں خلفیہ : وہ کہتا ہے کہ چھوڑنے والا عزا کا کافر ہے ۔

چھٹا کوزنیہ : کہتا ہے کہ طہارت اچھی طرح سے کرنی چاہیے ۔

ساتواں کنزیہ : مال کو گنج میں جمع رکھتا ہے اور زکٰوۃ مال کی نہیں دیتا ہے ، یعنی زکٰوۃ دینے کو فرض نہیں جانتا ہے ۔

آٹھواں معتزلیہ : کہتا ہے کہ نیکی اور بدی خدا کی جانب سے ہے ۔ اور یہ بھی اس کا عقیدہ ہے کہ نماز اور ایمان بندے کا کسب ہے ، کچھ حکم نہیں ۔ اور صدقے اور دُعا سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا ۔ اور قیامت کے دن کوئی نجات نہیں دلوا سکتا ۔ اور یہ بھی

کہتے ہیں کہ محمد صاحب ؐ کو بیت المقدس تک معراج ہوا ہے ، حضرت محمد صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم آسمانوں پر نہیں گئے ۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن نہ حساب ہے ، نہ میزان ، نہ پل صراط ، یعنی ان سب باتوں کے منکر ہیں ۔ اور یہ بھی ان کا عقیدہ ہے کہ مسلمان فاجر دوزخ میں بھی پڑیں گے اور بہشت میں بھی ۔ اور فرشتے مومنوں سے افضل ہیں اور عقل کافروں اور مسلمان لوگوں کی برابر ہے ۔ خدا کے دیدار اور اولیا سے بالکل منکر ہیں ۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ خالق اور رزاق نہ تھا ، جب بندوں کو پیدا کیا تب سے رزاق بنا ۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قیامت کے نشان فی الاصل کچھ نہیں ۔ اور دجّال اور یاجوج ماجوج کے خروج سے بالکل منکر ہیں ۔ اس کے سوا اور بھی باتیں بکتے ہیں ، رسالے کے اختصار کے لیے موقوف رکھیں ۔

نواں میمونیہ : کہتا ہے کہ ایمان غائب پر لانا باطل ہے ۔

دسواں محکمیہ : وہ بکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر کچھ حکم نہیں ۔

گیارھواں اخنیہ : وہ کہتا ہے کہ جو آوے ، ساتھ عملِ بد کے نہ جاوے ، یعنی عملِ بد کرتا ہوا نہ مرے تو سزا عملِ بد کی نہ پاوے گا ۔

بارھواں شراخیہ : کہتا ہے کہ عالمِ عورات پھول کے موافق ہیں اور پھول کا بے ملک سونگھنا درست ہے ، یعنی ہر ایک عورت کے ساتھ ہم بستر ہونا درست ہے ، خواہ ماں ہو ، خواہ بہن ۔ استغفراللہ ربی من ھذہ العقائد ۔

تیسرا فرقہ جبریہ ہے : ان کے بھی بارہ فرقے ہیں ، سنو :

پہلا مضطربہ : یہ نیکی اور بدی کی نسبت خدا کی طرف دیتا ہے

اور کہتا ہے "ہم کو خیر و شر میں کچھ اختیار نہیں" ۔

دوسرا افعالیہ : کہتا ہے خدا ، مخلوق (کی) خلقت کرنا جانتا ہے مگر کام کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ۔

تیسرا معیہ : یہ کہتا ہے کہ فعل اور قدرت دونوں بندے کو حاصل ہیں ۔

چوتھا مفروعیہ : کہتا ہے اس زمانے میں کوئی چیز کسی سے پیدا نہیں ہوتی ۔

پانچواں نجاریہ : کہتا ہے کہ اللہ تعالی نے خلقت کو پیدا کیا اوپر علم کے ، نہ اوپر معلوم کے ۔ اور عذاب کرے گا اللہ خلق پر اوپر اپنے فعلوں کے ، نہ اوپر فعلوں بندے کے ۔

چھٹا متمینہ : کہتا ہے کہ نیک وہ چیز ہے جس کو نفس قبول کرے خوش ہو کے ۔

ساتواں کسیلیہ : وہ کہتا ہے کہ خدا سے نہ کسی کو عذاب ہے نہ ثواب ہے ، خواہ کوئی نیکی کرے خواہ بدی ۔

آٹھواں سابقیہ : وہ کہتا ہے کہ نیک بختی اور بد بختی تقدیر میں لکھی گئی ہے ، طاعت اور بندگی سے کچھ فائدہ متصوّر نہیں ۔

نواں حبیہ : وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ دوست ، دوست پر کبھی عذاب نہیں کرتا ۔ خدا در آں حالیکہ ہمارا دوست ہے ، ہم پر کبھی عذاب نہ کرے گا ۔

دسواں خوفیہ ہے : وہ کہتا ہے کہ دوست ، دوست کو کبھی نقصان نہیں دیتا ۔

گیارھواں فکریہ : وہ کہتا ہے کہ جس آدمی کو علم زیادہ ہوتا ہے ، عبادت اس سے جاتی رہتی ہے ۔

بارھواں جنیہ : کہتا ہے کہ مال تقسیم نہیں ہو سکتا اور موتلی

کا ترکہ کسی کا ورثہ نہیں بن سکتا۔

چوتھا فرقہ قدریہ ہے: اس کے بھی بارہ فرقے ہیں اور نزدیک ان بارھوں کے اتفاق ہے کہ جو نزدیک اللہ تعالیٰ کے کفر ہے، وہ نزدیک خلق کے ایمان ہے۔ نمازِ جنازہ کو واجب نہیں جانتے۔ اور یہ بھی بکتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ نزدیک خدا کے کون مومن اور کون کافر ہے؟ اور معراج کے باب میں کہتے ہیں کہ محمد صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معراج خواب میں ہوا ہے، نہ بیداری میں۔ اور جو کچھ ان میں اختلاف ہے، سو یہ ہے:

پہلا فرقہ احمدیہ: فرض پر تو اقرار نہیں کرتا اور بعضی سنّت سے بھی انکار کرتا ہے۔

دوسرا ثنویہ: وہ بکتا ہے کہ دو خالق ہیں: ایک کا نام یزداں ہے کہ وہ پیدا کرنے والا نور اور خیر کا ہے۔ دوسرا خالق اہرمن ہے کہ وہ پیدا کرنے والا بدی کا ہے۔

تیسرا کیانیہ: کہتا ہے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ افعال مخلوق ہیں یا غیر مخلوق، یعنی اطوار میں مخلوق کے شبہ کرتے ہیں۔

چوتھا شیطانیہ: شیطان کی پیدائش کے منکر ہیں، یعنی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا نہیں کیا۔

پانچواں شرکیہ: کہتا ہے کہ ایمان غیر مخلوق ہے، یعنی ایمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا۔

چھٹا وہمیہ: کہتا ہے کہ تمام کام کے انجام کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، بندے سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا۔

ساتواں روبدیہ: کہتا ہے کہ جہان کو فنا نہیں ہے، یعنی جیسا کہ ہے، اسی حال پر رہے گا۔ فقط

آٹھواں ماکیہ: وہ کہتا ہے کہ سب لوگ اپنی ذات میں بادشاہ

ہیں ، خصوصیت ایک ہی کو نہیں ۔

نواں سہنیہ : وہ کہتا ہے کہ جس آدمی نے گناہ کیا ، توبہ اس کی قبول نہیں ۔

دسواں فاسطیہ : وہ کہتا ہے کہ کسب کرنا فرض ہے ، یعنی کوئی پیشہ کرے ، درست ہے ۔

گیارھواں انظامیہ : خدا کو خدا نہیں جانتا ، یعنی کہتا ہے کہ مخلوقات کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ، یہ سب کچھ خود بہ خود ہے ۔

بارھواں منزلیہ : وہ کہتا ہے کہ ہم کو بالکل معلوم نہیں کہ تقدیر کیا چیز ہے ، یعنی مُراد ان کی یہ ہے کہ نیکی اور بدی یکساں ہے ۔

پانچواں فرقہ جہمیہ : اس کے بھی باراں[1] گروہ ہیں ۔ اور جو کچھ کہ نزدیک بارھوں کے اتفاق ہے ، سو یہ ہے کہ اولاً کہتے ہیں کہ ایمان دل کے ساتھ ہے ، زبان سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا ۔ اور کہتے ہیں کہ عذابِ گور اور سوال منکر نکیر کا اور واسطے قبضِ رُوح کے آنا ملک الموتَ کا ، یہ سب جھوٹ ہے اور وغیرہ ۔ اختلاف بارھوں کا یہ ہے :

پہلا فرقہ معطلیہ : ناموں اور صفاتوں کو اللہ کی مخلوق کہتا ہے ۔

دوسرا مرایصہ : وہ کہتا ہے کہ علم اور قدرت اور خواہش ایزدی مخلوق ہے اور خلق غیر مخلوق ، یعنی سب لوگ اپنی اپنی ذات میں خدا ہیں ۔

تیسرا شرقیہ : کہتا ہے کہ خدا ایک جگہ نہیں بلکہ پھرتا

---

۱ ۔ باراں : پنجابی ، بجائے بارہ ۔

رہتا ہے ۔

چوتھا ارویہ : کہتا ہے کہ جو شخص دوزخ میں پڑے گا ، پھر نکلنا اُس کا امر محال ہے اور مومن کے واسطے دوزخ نہیں ۔

پانچواں فرقہ کہتا ہے کہ جو لوگ آگ میں جلیں گے ، راکھ ہو جاویں گے ، یعنی پھر اُن کا کچھ بھی نشان باقی نہ رہے گا ۔

چھٹا مخلوقیہ : قرآن کو اللہ کی[۲] کلامِ مبارک نہیں کہتا ۔

ساتواں عربیہ : کہتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ، رسول نہیں ، حکیم تھے ۔

آٹھواں فانیہ : بہشت اور دوزخ کو فنا کہتا ہے ۔

نواں زنادقیہ : کہتا ہے کہ معراج کو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کی رُوح گئی تھی ، وجود نہیں گیا تھا ۔ اور قیامت کے بھی منکر ہیں ۔

دسواں لفظیہ : کہتا ہے کہ قرآن مجید زبان اللہ کی نہیں ہے ، یہ تو پڑھنے والوں کی زبان ہے ۔ یعنی صاف کہتے ہیں کہ یہ کلام اللہ نہیں ۔

گیارھواں قبریہ : کہتا ہے کہ عذاب قبر کا کسی کو نہیں ۔

بارھواں واقفیہ : کہتا ہے کہ قرآن شریف میں ہم کو شک ہے ، یعنی ہم نہیں کہہ سکتے کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ۔

چھٹا فرقہ مرجیہ ہے : کہ آگے ان کے بھی بارہ فرقے ہیں ۔

پہلا فرقہ تارکیہ : وہ کہتا ہے کہ ایمان سے زیادہ کوئی چیز فرض نہیں ، یعنی جو شخص کہ سچا ایمان رکھے ، البتہ جو چاہے سو کرے اور جو کچھ کہے سو ہو ۔

---

۲ - 'کی' بجائے 'کا' - پنجابی میں 'کلام' مونث ہی استعمال ہوتا ہے ۔

دوسرا اشابیہ : کہتا ہے کہ جس شخص نے ایک دفعہ "لا الہ الا اللہ" کہا ، بعد اس کے اس کو اختیار ہے ، چاہے بندگی کرے یا نہ کرے ، خواہ گناہ کرے ، بے شک بخشا جاوے گا۔

تیسرا راجیہ : کہتا ہے کہ جو نوکر حکم اپنے خاولد کا نہ مانے ، وہ مجرم نہیں ہے۔ اس دلیل سے کہ شاید آقا اس کا اس سے مخالفت رکھتا ہو۔

چوتھا شاکیہ : ایمان میں شک رکھتا ہے۔

پانچواں بہشتیہ : وہ کہتا ہے جس میں ایمان نہیں ، وہ کافر ہے۔

چھٹا عملیہ : وہ کہتا ہے کہ ایمان عمل ہے ، یعنی کرنے سے ایمان حاصل ہوتا ہے۔

ساتواں منقوصیہ : کہتا ہے کہ ایمان کو نہ ترقی ہے ، نہ کمی۔ ایک حال پر ہے۔

آٹھواں منشبیہ : کہتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں ، انشاءاللہ تعالیٰ۔

نواں عشریہ : کہتا ہے کہ قیاس کرنا کسی چیز پر جھوٹ ہے ، یعنی کسی چیز پر دلیل کرنی نہ چاہیے۔

دسواں بدعتیہ : کہتا ہے کہ تابع داری بادشاہ کی کرنی ضرور نہیں ، فقط۔

گیارھواں مشتبہیہ : کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا آدم کو اپنی صورت پر۔

بارھواں حشویہ : کہتا ہے کہ واجب اور سنّت اور نفل یہ تینوں ایک ہیں ، اس واسطے کہ حکم ایک لفظ ہی سے ہوتا ہے ، فقط۔

جناب سرور عالم علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا ہے کہ میری امّت میں بہتّر فرقے ہوں گے اور ان میں سے ایک فرقہ ناجیہ یعنی پاک ہوگا۔ اب یہ حیرانی کی بات ہے کہ کیوں ہر شخص اپنے

گروہ کو فرقۂ ناجیہ کہتا ہے ، سُنّی بجائے خود ، شیعہ بجائے خود ۔

اب میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ہر شخص کو راہِ راست دکھاوے اور ہمارا خاتمہ بخیر بروے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم میں کرے ۔ آمین !

کناری باف :

کناری (باف) بھی ایک قوم ہے ۔ یہ اول میں ڈھالی لوگوں کا کام ہے ۔ بعد ازاں ہر قوم میں سے ان میں کسب شریک ہو گئے ۔ یہ لوگ گوٹہ کناری بنتے ہیں ۔ جو کوئی غیر قوم ان میں ملنا چاہتا ہے تو وہ ان کی شاگردی کرتا ہے ۔ اور بہ عہدِ مہاراجا رنجیت سنگھ بہادر سرگباشی جب کوئی شریک یعنی شاگرد بننا چاہتا تھا تو کسی کناری باف کے پاس جاتا تھا اور مبلغ پچیس روپیہ سیل کا دے کر شاگرد ہوتا تھا ۔ اور سیل کے یہ معنی ہیں کہ اس میں سے نصف تو مالِ سرکار ہوتا تھا اور نصف مال برادری کا ۔ اور یہ دونوں حصّے جمع رہتے تھے ۔ برس کے بعد سب استادوں نے حساب کیا ، سرکار کا حصہ تو سرکار میں داخل کیا اور برادری کا حصہ برادری میں کھانا پکا کے تقسیم ہوا ۔ بلکہ باغ میں جمع ہوئے اور وہاں کھانا بھی پکایا اور ناچ راگ رنگ بھی کرایا ۔ اور جب کوئی شاگرد کام سیکھ چکا اور الگ دوکان خود بنانے لگا تو پھر استاد کو کوئی دس ، کوئی بیس روپے دیتا تھا ، اور ہمراہ اس کے پوشاک ۔ یہ روپیہ بھی نصفا نصفی مالِ سرکار تھا ۔ دستور تولّد ان کا لاہور میں برابر شرفا کے ہے اور گاؤں میں زمیں‌داروں کے موافق ہے ۔ فقط

کتون باف :

اور اگر کوئی کتون سیکھنی چاہتا ہے تو سترہ روپیہ سیل دیتا ہے ۔ یہ بھی نصف مال سرکار اور نصف مال برادری تھا ۔ اور جب

شاگرد ہوشیار ہو جاوے اور دوکان کہ اس کو کارخانہ کہتے ہیں ، الگ کرنا چاہے تو چھبیس روپیہ سیل کا دینا پڑتا تھا ۔ اور اگر گوٹا بنانا سیکھنا چاہتا تھا تو سات روپیہ سیل دیتا تھا ۔ اور جب الگ کارخانہ کرے تو چودہ روپیہ ادا کرے ۔ اور اگر کوئی لیس کا کام سیکھنا چاہتا تھا تو باون روپیہ سیل کا دیتا تھا اور یہ اقرار کر لیتا تھا کہ بارہ برس استاد کی خدمت کروں گا ۔ دستورِ تولّد ان کا برابر کناری بافوں کے ہے ۔

شالی کوب :

اس کو زبانِ پنجابی میں ''دھائیں کُٹ'' کہتے ہیں ۔ پیشہ ان کا دھان میں چانول نکالنا ۔ ایک روپے میں پانچ من نکال دیتے ہیں ۔ طریق نکالنے چانول کا یہ ہے کہ دھانْ کو پہلے دھوپ میں خوب سکھاتے ، بعد ازاں چکی میں دلتے ہیں اور پھر اوکھلی میں مونگلی سے صفا کرتے ہیں ۔ ایک من دھان سے ۳۳ سیر چانول نکلتے ہیں ۔ اور جون سے اس کے اوپر سے چھلکے نکلتے ہیں ، وہ نان بائی اور دالہ بھوننے والے مول لے جاتے ہیں اور جلانے کے کام میں صرف کرتے ہیں ۔ اور اس ملک میں چانول کئی قسم کے ہوتے ہیں : اول بیگمی ، دوسرے سون پت ، تیسرے سفیدہ ، چوتھے موٹے دیسی ۔ مگر قسمِ اول بیگمی ہوتے ہیں اور وہ بہ نسبت اوروں کے گراں بکتے ہیں ۔ باعث اس کا یہ ہے کہ وہ پکانے میں خوش رنگ اور بہت گھی اٹھانے والے اور خوش بو اور مزے دار ہوتے ہیں ، اور درازی میں کچھ بڑھ جاتے ہیں ۔ اور پھر پرانے بیگمی ایک سالہ نئے بیگمی سے بہتر ہوتے ہیں ۔ اور نشان اس کا یہ ہے کہ جب ان میں سے کچھ چانول کوئی ہاتھ میں مل کر سونگھے تو بہت سی خوش بو اس سے آتی ہے ۔ اور پشاور کے ضلع باڑہ کے چانول مشہور ہیں اور وہ بیگمی سے صد ہا درجہ افضل ہیں ۔

اور باڑہ اصل میں ایک ندی کا نام ہے ۔ اس کے پانی سے وہ چانول پرورش پاتے ہیں ۔ ان چانولوں کا تو یہ معمول ہے کہ اگر پاؤ بھر پکاؤ تو بڑا دیگچہ بھر جاتا ہے اور ہر کوئی یہی خیال کرتا ہے کہ شاید تین چار پاؤ چانول پکے ہوں گے ۔

"دھائیں کُٹ" لوگ اصل میں زمیندار ہیں اور راہ رسم ان کی بھی دیہاتیوں کے برابر ہے ، اور لباسِ زنانہ اکثر گُجروں کے موافق ہوتا ہے ۔ یہ لوگ اکثر چانول بیگمی میں دغا کرتے ہیں ، یعنی سفیدہ اس میں ملا کے بیچتے ہیں ۔ کوئی کوئی ان میں سے اور اور کام بھی کر لیتا ہے ۔ تولّد تناسل پر اکثر گُڑ تقسیم کرتے ہیں اور پانچ سرِ چھلے میں دھوتے ہیں اور چھلے کے روز کسی خانقاہ پر ان کی عورتیں ضرور جاتی ہیں ۔ اور بعضے عقیقہ بھی کرتے ہیں ۔ اب اس ملک میں اکثر "دھائیں کُٹ" کاشمیری لوگ ہیں ۔ ان کی پوشاک اور راہ و رسم کشمیریوں کے موافق ہیں ، فقط ۔ اہلِ کشمیر کے راہ و رسم کے لکھنے کے واسطے میرے مخدومِ مکرّم برادرِ دینی خواجہ محمد جان صاحب سوداگرِ پشمینہ نے ، جو بڑے خلیق اور لئیق اور با خدا ہیں ، اقرار کیا ہے ۔ جب لکھیں گے تو شاملِ رسالہ کیا جاوے گا ۔

کاترہ بافوں کا حال :

اور اگر کوئی کاترہ کا کام سیکھنا چاہتا تھا تو پچیس روپیہ سیل کا دیتا تھا ۔ سیل بدستور نصف مالِ سرکار ، نصف مالِ برادری ، مگر اب جس روز سے عمل داری سرکار انگریز بہادر کی ہوئی ہے ، سیل بالکل موقوف ہو گئی ہے ۔ اب جو کوئی کام سیکھنا چاہے ، مفت میں سیکھ لے ، کوئی روک ٹوک نہیں ، کام آسان ہے ۔ ان میں آگے آپس میں بہت سا اتفاق تھا ۔ جب ان کے یہاں بیاہ شادی ہوتی تھی تو کسب شریک بھائی جمع ہوتے تھے ۔ بعضے ان میں کارخانہ دار ہیں اور بعضے

صرف مزدوری کرتے ہیں ۔ ان کی عورتیں بھی کناری بُنتی ہیں ۔ بلکہ اپنی روٹی کا چھوڑتی ہیں ۔ ایک گوٹہ اگر کوئی بُنے تو ایک آنہ چھ پائی اس کی مزدوری ہوتی ہے ۔ ان دنوں میں ان کا کام قدرے بند ہے ، بکری گوٹہ کناری کی بہت کم ہے ۔

جولاہہ کا حال :

جولاہہ بھی ایک قوم ۔ اس کو کاسبی اور نور باف اور بافندہ بھی کہتے ہیں ۔ یہ لوگ دیسی کپڑے بُنتے ہیں اور عورتیں ان کی تانا تنتی ہیں ۔ اس ملک کا یہ معمول ہے کہ جب کسی کو کپڑا بنانا منظور ہوتا ہے تو جولاہے کو بلا کے سوت واسطے کپڑا تیار کرنے کے دیتا ہے اور جب تیار ہو جاتا ہے تو چادروں کے حساب سے اس کو مزدوری ملتی ہے ۔ اور چادر سولہ گز لمبے اور آدھ گز چوڑے کپڑے کو کہتے ہیں ۔ بعضے کپڑا فی چادر چار آنہ اور بعض کم زیادہ ۔ کسی کپڑے کا نام چھسی ، کسی کپڑے کا نام پنسی ہے ۔ اور یہ کپڑا اکثر غریب لوگ پہنتے ہیں ۔ اور بعضوں کے بیاہوں میں خرچ ہوتا ہے ۔

جولاہہ لوگوں میں بھی الگ الگ ذاتیں ہیں ۔ اپنی اپنی ذات میں ناطہ کرتے ہیں ، جو کہ لاہور میں مشہور ہیں ، سو یہ ہیں : کوئی سروال ، کوئی چنمیتہ ، کوئی بھٹی ۔ غرض کہ یہ بھی ارزل قوم ہے ۔ ان کی آگے دو قسم ہیں : ایک شہری ، ایک دیہاتی ۔

دیہاتی جولاہوں کا تو یہ دستور ہے کہ جب ان کے یہاں حمل ہوا تو خیر جب تلک بچہ پیدا نہ ہو ، تب تلک کچھ شگن نہیں کرتے اور جب لڑکا یا لڑکی پیدا ہونے لگے تو دائی جنائی کو بلاتے ہیں ۔ وہ آ کے جناتی ہے ۔ اور دستور[1] اول ناڑہ کٹائی کا بدستور کرتے ہیں ۔

---

۱ ۔ اصل : بدسو ۔ غالباً سہو کتابت ہے ۔ تصحیح قیاسی کی گئی ۔

پھر اپنے قدر کے موافق دائی کا محنتانہ دیتے ہیں۔ وہ چند روز آتی رہتی ہے۔
اور چھلے میں پانچ دفعہ سر دھوتی ہیں اور چالیس دن باہر اندر نہیں
جاتیں۔ بعضے چھلے کے روز منڈا حلوا کرتے ہیں اور بڑوں کی ریست
بھی کرتے ہیں۔ اور جس دن چھلے سے فراغت کرتے ہیں تو نہا دھو
کے بموجب دستور برادری کے عورتوں کو ساتھ لے کر کسی مزار پر
جاتے ہیں اور اس کو نیک شگن جانتے ہیں۔ یعنی جو کوئی یہ شگن
کرتا ہے، ہرا بھرا رہتا ہے۔ بعضے چھلے کے اندر ہی باہر اندر نکل
آتی ہیں۔ اور شہری جولاہوں کے گھروں میں جب حمل ہوتا ہے
تو وہ پوشیدہ نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان لوگوں میں کچھ ستر نہیں۔ اور
دیہاتیوں کا بھی یہی حال ہے۔ پھر جب ایام حمل پورے ہوتے ہیں
تو اپنی قدر کے موافق سودا خریدتے ہیں مگر برادری میں کچھ تقسیم
نہیں کرتے۔ اور اگر عورت کو دردِ زہ بدرجۂ کمال ہوا تو تعویذ،
دم جھاڑا کرایا۔ بعضے مکتبوں میں لڑکوں کو چھٹی دلاتے ہیں۔

چھٹی دلانے کا یہ معمول ہے کہ معلم کو ایک روپیہ دیتے ہیں،
وہ دعا کرتا ہے اور لڑکوں[۱] کو اس دن چھٹی دیتا ہے اور لڑکوں سے
کہ فی الاصل معصوم ہیں، دعا کراتا ہے۔ اور جب بچہ تولد ہوتا
ہے تو بدستور لکھے ہوئے، ناڑہ کٹائی ہوتی ہے، اور عورت کو اچھانا
کھلاتے ہیں، اور پانچ سر دھوتے ہیں، اور پستان شوئی بھی کرتے ہیں،
اور چھلہ کرکے چوری بناتے ہیں، اور مع خویش قبیلہ کے کسی بزرگ کی
مزار پر جاتے ہیں اور نذر چڑھاتے ہیں، اور رستوں میں خوشی کے گیت
گاتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں۔ بعضے اس دن اندرسے تقسیم کرتے ہیں۔
اور یہ رسم عام پنجاب کی ہے کہ جب کسی عورت کو دردِ زہ بہ شدت

۱۔ اصل لوگوں: غالباً سہوِ کتابت۔

ہوتی ہے تو مکتبوں میں چھٹی اور دم جھاڑا ، تعویذ ضرور کراتے ہیں ۔

چھپر بند :

یہ لوگ چھپر بندی اور چک چلون وغیرہ بناتے ہیں ۔ یہ لوگ دو قسم (کے) ہوتے ہیں ؛ ایک چھپر بند ، دوسرے مہتم ۔ مہتم فقط سرکی ، پتلی مونڈھے ، دیوارگیریاں ، پردے بناتے ہیں اور نے اور کانا اور پنی کے وے سوداگر ہیں ۔ چھپر بند ان سے سرکی ، کانا وغیرہ خرید کے آگے با نفع فروخت کرتے ہیں ۔ یہ لوگ اکثر میل پوش ہوتے ہیں ۔ اب اس زمانے میں کوئی کوئی سفید پوش رہنے لگ گئے ہیں ۔ یہ لوگ زیادہ تر حضرت بایزید بسطامی کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایجاد ان کا[1] ہے ۔ آگے ان میں بھی معمول تھا کہ جو کوئی شاگرد نیا جاتا تھا تو پچیس روپیہ اور شیرینی لیتے تھے ، اب سرکاری ممانعت ہے ۔ یہ لوگ چھلے پر چوری کرتے ہیں اور کسی خانقاہ پر ضرور جاتے ہیں ۔

سادات کا حال :

سادات بالکرام یہ سب قوموں سے اشرف اور اعلی قوم ہے کیونکہ یہ جناب محمد صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی آل ہیں ۔ ان کی دین دنیا میں بڑی شان ہے اور سردار دو جہانوں کے یہی لوگ ہیں کیونکہ مخبر صادق نے ان کی شان میں فرمایا ہے کہ ''الصالحون للہ و الطالحون لی'' ترجمہ اس کا یہ ہے کہ نیک سید اللہ کے ہیں ، یعنی اللہ ان کو بہ درجۂ کمال دوست رکھتا ہے اور جو طالح یعنی بدکار سید ہیں وہ میرے ہیں ، یعنی بدکار بھی میری آل ہیں ، مجھے ان کی شرم ہے اور میرا خیال ہمیشہ ان کی طرف رہتا ہے ۔

---

۱ ۔ مذکر بجائے مؤنث ۔ پنجابی ۔

قیامت تک یہ لوگ واجب التعظیم ہیں ۔ ہر مسلمان با ایمان ان کا ادب کرتا ہے ۔ ان لوگوں میں شجاعت اور سخاوت اور علم اور حیا اور حسن اور حلم ضرور ہوتا ہے ۔ اس ملک کے لوگ جن میں یہ اوصاف نہ ہوں ، ان کو سیّد نہیں جانتے ۔

اب ہندوستان اور پنجاب میں بہت سید جعلی بن گئے ہیں ۔ میرے دیکھتے دیکھتے کئی لوگ ، جو قوم کے نائی تھے یا مغل تھے ، سیّد بن گئے ۔ مگر ایسے لوگوں کو سب لوگ لعنت دیتے ہیں اور برا جانتے ہیں ۔ جو اصلی سید ہیں ، ان کی تو یہ شان ہے کہ اگر کوئی ان کے کپڑے کو آگ لگا دے تو نہیں جلتا ۔ یہ لوگ جناب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی آل ہیں ۔ آل اور اولاد میں یہ فرق ہے :

اولاد تو وہ ہے جو بیٹے کی اولاد ہو اور آل وہ ہے جو لڑکی کی اولاد ہو ۔ سو جناب محمد صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کے عہد میں جناب بی بی فاطمہ علیہا السلام لڑکی تولّد ہوئی ۔ لقب ان کا سیدۃ النساء خاتونِ قیامت اور خاتونِ جنّت ۔ شان ان کی بی بی سائرہ اور حوّا اور آسیہ سے صد درجہ زیادہ ۔ وہ جناب مرتضٰی علی سے بیاہی گئیں ۔ ان کے گھر میں دو بیٹے تولّد ہوئے ۔ ایک کا نام جناب حضرت امام حسن ، دوسرے کا نام مبارک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما ۔ جناب امام حسن کے دو بیٹے تولّد ہوئے : جناب حضرت قاسم اور جناب حضرت حسن مثنٰی ۔ جناب امام حسن نے زہر سے باغواے بعضے مغویاں شربتِ شہادت پیا ۔ پیچھے جناب حضرت امام حسین رہے ۔ ان کے یہاں حضرت علی اکبر اور علی اصغر اور جناب زین العابدین پیدا ہوئے ، سو کربلا میں سبھوں نے شہادت پائی ، مگر صرف جناب زین العابدین اور حضرت حسن مثنٰی رہے ۔ اور یہ جنگ ماہِ محرّم میں یزید کے ساتھ ہوا اور اس میں شمر لعین نے جناب حضرت امام حسین

کو شہید کیا ۔

اصل میں سیّد دو قسم ہیں : حسنی اور حسینی ۔ حسنی گیلانی اور حسینی بخاری کہلاتے ہیں ۔ پھر ان میں سے اب اس زمانے میں کوئی محلِ سکونت سے مشہور ہوا اور کوئی بارہ اماموں سے ۔ چنانچہ اب کوئی شیرازی ، کوئی بغدادی ، کوئی گیلانی ، کوئی نقوی ، کوئی شمسی ، کوئی سبزواری ، کوئی زیدی ، کوئی بہرہ خوانی ، کوئی جلالی ، کوئی مشہدی ، کوئی رضوی کہلاتا ہے ۔

اگرچہ مصنّف کا عقیدہ یہ ہے کہ سیّد کے نام کو سلام کرتا ہوں اور دل و جان سے ان پر نثار ہوں ۔ لیکن اس مسلک میں حسنی نسبی سید کوئی نظر نہیں آتا ۔ کچھ نہ کچھ ضرور خلل واقع ہوگیا ہوگا ۔ اگلے زمانے میں سادات صالح اور نیک بخت پارسا ہوتے تھے ۔ مگر اس زمانے میں بہت شراب خور اور زانی ہوگئے ہیں ۔ کئی ان میں سے پرہیزگار ہیں ۔ ان میں سے کوئی منشی ، کوئی مولوی ، کوئی ملاّ ، کوئی سپاہی ، کوئی اور اور کام بھی کرتا ہے ۔ اور بہت سادات کا پیری مریدی پر گزارہ ہے ۔ بہت لوگ ان کے مرید ہوتے ہیں ، وہ ان کو مدد خرچ دیتے ہیں اور ماسوا (اس کے) لوگ ان کو گیارھویں دیتے ہیں ۔

گیارھویں کا دستور :

گیارھویں اس کو کہتے ہیں کہ پنجاب کے لوگ جناب غوث اعظم حضرت محی الدین گیلانی قدس سرہ العزیز کو ، جن کا مزار پُر انوار بغداد شریف میں ہے ، بہت مانتے ہیں اور ہر شخص اپنی قدر کے موافق ہر چاند کی گیارھویں تاریخ کچھ نذر سادات کو دیتا ہے ۔ اور کوئی کسی مشکل کام کے انجام کے واسطے اقرار کرتا ہے کہ اگر یہ کام میرا برمراد انجام ہوا تو میں یہ نیاز دوں گا ۔ جب کام اسی طرح ہو جاتا ہے تو وہ شرط ادا کرتا ہے ۔ کوئی اس روپے کو نقد

سادات یا غربا کو بانٹ دیتا ہے اور کوئی نان گوشت یا پُلا یا برنجِ شیریں یا لُچی حلوا یا مٹھائی تیار کر کے تقسیم کرتا ہے۔

اصل میں تو یہ مال سادات کا ہے۔ اب دوست آشنا اور برادری میں بھی تقسیم کرتے ہیں۔ عالم لوگوں کو بھی کھلاتے ہیں۔ مگر جو لوگ کہ فہیم اور خدا ترس ہیں وہ اس حالت میں بھی سادات کو المضاعف دیتے ہیں اور بہت سا آداب سادات کا کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی غریب سید ہوتا ہے تو مسلمانوں سے کچھ مانگ کے گزارہ کرتا ہے۔ اور بعضے سادات اپنے بزرگوں کی قبروں پر مجاور ہو کے ہو بیٹھے ہیں۔ جو کوئی اس قبر پر زیارت کو جاتا ہے، کچھ ان کو دے آتا ہے۔ اور بہت ایسے سید ہیں کہ محنت کر کے اوقات گزاری کرتے ہیں۔ میں نے کئی سیدوں کو دیکھا کہ موچی کا کام اور دریائی باف اور چابک سوار اور پٹھولیے اور کناری باف اور گاترہ باف اور چکن دوز کا کام کرتے ہیں۔

غرض کہ سب کسب کر لیتے ہیں۔ اور اکثر یہ لوگ سبز رنگ کی پگڑی باندھتے ہیں اور کوئی کوئی سبز دوپٹا رکھتے ہیں اور تسبیح بھی ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی دستور ہے کہ سید خواہ جس وضع میں ہو ان کا ادب ہر کوئی کرتا ہے۔ ان میں تولّد و تناسل کا کوئی ایک دستور نہیں مگر بہ موجبِ دستورِ پنجاب چھلے میں پانچ سر نہاتے ہیں اور برادری کو کھانا بھی تقسیم کرتے ہیں اور ہرمل بھی جلا لیتے ہیں۔ ان میں ستِرداری ضرور ہے مگر کوئی کوئی بہ سبب مفلسی کے ستِرداری نہیں کرتے اور برقع اور چادر سے ان کی عورتیں پھرتی ہیں۔ اور سادات ہر قوم مسلمان سے شادی کر لیتے ہیں، یعنی ناطہ لے لیتے ہیں اور مضائقہ نہیں جانتے ہیں مگر اپنی لڑکی غیرقوم کو نہیں دیتے۔ اگر کوئی دیوے تو نہ صرف ضرور مطعون ہوتا

ہے بلکہ نزدیک لوگوں کے اس کی سیادت میں فرق آتا ہے ۔ اور یہ لوگ واسطے ثبوت اپنی ذات کے اپنے بزرگوں کے نام کے شجرے بنا رکھتے ہیں ۔

شجرے کی کیفیت :

شجرہ ایک کاغذ کا نام ہے جو بہت لمبا چوڑا ہوتا ہے اور اس میں سب بزرگوں کے نام لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور پشت در پشت تا جناب محمد صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پہنچا دیتے ہیں ۔ اور جہاں نام لکھتے ہیں تو اس کے گرد مدور حلقہ کھینچتے ہیں ، بہ موجب اس شکل کے :

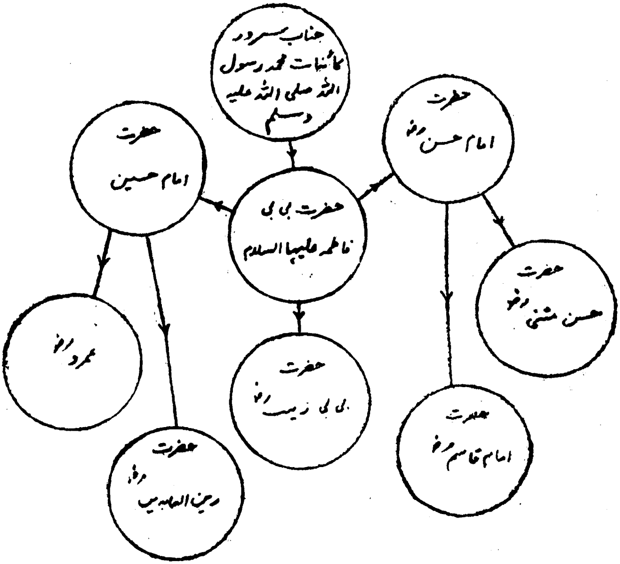

اور اس شجرے کی شکل مانند درخت کے بنی ہوئی ہوتی ہے اور زبان عربی میں درخت کو شجر کہتے ہیں ۔ اسی باعث سے اس کا

نام شجرہ ہو گیا ۔ اسی طرح آگے سب نام اپنے اپنے بزرگوں کے لکھتے ہیں ۔ اور اگر کوئی ان کی ذات میں خلاف جانتا ہے تو وہ شجرہ نکال کے دکھاتے ہیں تو سب کی تسلی ہو جاتی ہے ۔

چار پیرِ طریقت :

اور مسلمان لوگوں میں جو خدا دوست یعنی فقیر ہیں ، ان کے چار پیر طریقت کے ہیں ۔ اور فقیر لوگ آپس میں اس کا سوال جواب کرتے ہیں ۔ اگر اس نے بتا دیا تو فبہا ، وگرنہ اس کو جھوٹا فقیر بے مرشدا کہتے ہیں ۔ بلکہ جب کوئی کسی پیر کا مرید ہوتا ہے تو پیر مرید کو بتلا دیتا ہے کہ چار پیر طریقت کے اور چار پیر معرفت کے اور چار پیر حقیقت کے یہ ہیں ۔ اور چوداں[1] خانوادے یہ ہیں ۔ اب ان کا حال سنو !

چار پیرِ طریقت یہ ہیں : حضرت ابابکر ، حضرت عمر خطاب ، حضرت عثمان بن عفان ، حضرت شاہ مرتضٰی علی رضی اللہ عنہم ۔

چار پیرِ معرفت یہ ہیں : جبرائیل ، میکائیل ، اسرافیل ، عزرائیل ۔

چار پیرِ حقیقت یہ ہیں : امام اعظم ، امام شافعی ، امام مالک ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم ۔ اور چاردہ خانوادے مشہور ہیں ، سو یہ ہیں : جبی ، طیفوری ، کرخسی ، سقطی ، جنیدی ، گاذرونی ، طوسی ، فردوسی ، سہروردی ، زیدی ، عباسی ، ادہمی ، چشتی ، میرلی ۔ اور چاردہ معصوم بھی فقرا میں مشہور ہیں ، سو یہ ہیں : محمد اکبر ، یحیٰی ، حسین ، صالح ، اصغر ، عبداللہ ، عبداللہ عبداللہ ، قاسم ، قاسم ، طیّب ، طاہر ۔

جب جناب غوثِ اعظم پیدا نہیں ہوئے تھے تو جنیدی فقر

---

۱ ۔ بجائے چودہ ، پنجابی ۔

مشہور تھا اور جب آپ پیدا ہوئے تو اُسی فقر میں مرید ہوئے ۔ چونکہ وہ بہت خدا دوست ہوئے اور نام ان کا مشہور ہوا ، اب اسی فرقۂ فقر کو قادریہ کہتے ہیں ، اس واسطے کہ ان کا نام شیخ عبدالقادر محی الدین گیلانی قدس سرہ العزیز تھا اور لقب محی الدین گیلانی ۔ اب جو کوئی فقیر ہوگا ، انھی چودہ خانوادے میں سے کسی کا مرید ہو گا ۔ اور ان میں بھی شجرہ ہوتا ہے اور ہر شجرہ جناب مرتضٰی علی سے جا ملتا ہے کیونکہ سب فقر کی دولت اللہ تعالٰی نے جناب رسول علیہ الصلوۃ والسلام کو بخشی اور انھوں سے جنابِ مرتضٰی کو پہنچی اور انھوں نے جناب حسن بصری کو بخشی اور انھوں سے آگے ہر ایک شخص کو عنایت ہوئی ؛ یعنی جو وظائف محمد صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے واسطے حضوریِ خدا کے جناب مرتضٰی کو تعلیم فرمائے ، وہ اب تک فقرا میں جاری ہیں ۔ اب جو کوئی کسی کا مرید ہوتا ہے تو وہ جو اس کو اپنے مرشد سے سندی وظیفہ ملا ہوا ہوتا ہے ، بہلاتا[1] ہے ۔ اور احکام شریعت کے سب میں جاری ہیں مگر مجذوب لوگ احکامِ شریعت سے معاف ہیں ۔ مجذوب لوگ شراب اور بھنگ پیتے ہیں اور کچھ نہ کچھ بکتے رہتے ہیں ۔ بعضے وقت ان کا کہا ہو بھی جاتا ہے ۔ پنجاب میں لوگ ان کو بہت مانتے ہیں ۔ اور فقر کو سلسلہ بھی کہتے ہیں ۔ چنانچہ آپ میرے سے اگر سوال کریں کہ اے نور احمد ! تم کس سلسلے میں داخل ہو ؟ تو میں کہوں گا "چشتی سلسلے میں ۔"

اب پنجاب میں دستور ہے کہ جب کوئی کسی پیر کا مرید بنتا ہے تو شیرینی اور کچھ نقدی ساتھ لے جاتا ہے تو پیر فاتحہ دے کر

---

۱ ۔ غالباً سہوِ کتابت ، ورنہ 'سکھلاتا' ہونا چاہیے ۔

شیرینی تقسیم کرتا ہے اور اس کو کچھ وظائف سکھلاتا ہے ۔ اور بخاری پیروں میں دستور ہے کہ جب کسی کو مرید بناتے ہیں تو پیسہ تپا کے گرم گرم اس کے بازو پر داغ لگاتے ہیں ۔ اور سر سے تھوڑے بال کاٹ لیتا ہے اور اس کا نام لٹ کاٹنا کہتے ہیں ۔ اور بعضے جاہل پیر مریدوں کو چار ابرو کی صفائی دیتے ہیں ۔ چار ابرو کی صفائی سے یہ مراد ہے :

چار ابرو کی صفائی :

"چار ابرو کی صفائی" سر اور دہاڑی[1] اور مونچھوں اور بھووں کے منڈانے کو کہتے ہیں ۔ جب کوئی آدمی چار ابرو کی صفائی لیتا ہے تو گول مول انڈے کے موافق اس کی شکل نکل آتی ہے ۔

آگے فقیروں کی بہت قسم ہیں ۔ اور کوئی پیر ، مرید کا نام بھی نیا رکھ دیتا ہے اور پھر وہ اسی نام سے مشہور ہو جاتا ہے ۔ بعضے ان میں سے خانقاہوں میں بیٹھ کر اوقات گزارتے ہیں ، یعنی جو کوئی وہاں گیا کچھ ان کو دے آیا ۔ اور بعضے تکیوں میں ڈنڈہ کونڈہ لے کر ہو بیٹھتے ہیں ۔ کوئی وہاں گیا ، حقہ تماکو[2] پی آیا ۔ اور بھنگی یعنی بھنگ پینے والے وہاں جاتے ہیں اور بھنگ گھوٹ ، پی آتے ہیں اور کچھ ان کو دیتے ہیں ۔ اور پیر لوگوں کی گزران فقط اسی پر ہے کہ وہ بعد سال کے مریدوں کے گھروں میں جاتے ہیں اور علی‌قدرِ مراتب نذر لے آتے ہیں ۔ اور مرید کئی قسم ہیں : کوئی تو مرید بن کے پیر کی خدمت میں رہتا ہے اور کوئی فقط بیعت کر اور وظیفہ سیکھ ، اپنے گھر میں آ جاتا ہے اور اپنا دنیاوی کاروبار کرتا ہے ۔

---

۱ ۔ "ڈاڑھی" کا یہ املا پنجابی تلفظ کے مطابق ہے ۔
۲ ۔ "تمباکو" کا یہ املا پنجابی تلفظ کے مطابق ہے ۔

اور بعض نامور ایسے پیر ہیں کہ اُن کے مرید ان کو گھر بیٹھے روپیہ بھیجتے ہیں اور ماسوا مریدوں کے لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں ۔

مہاراجا[1] اور مسلمان بادشاہوں کے وقت میں ان کو سرکار سے علیٰ قدرِ مراتب معافی زمین عنایت ہوتی تھی ۔ چنانچہ اب تک سرکار انگریز بہادر سے بھی وہ معاف ہیں ۔ اور بہت ایسے فقیر ہیں کہ وہ صرف ٹکڑگدا ہیں ۔ انھوں میں کچھ دستور کسی امر کا نہیں ۔ نہ ان میں ستر داری ، نہ کچھ اور ۔ اور نامی پیروں کے یہاں دستور بہ موجب حکم شرع ہیں ۔ کیا مجال ہے کہ کوئی وہاں غیر شرع بات کرے ۔ اور کام ان لوگوں کا ، اگر کوئی مانگے تو تعویذ دینا یا دعا دینا اور اکثر وقت نماز اور وظیفہ پڑھنا ۔

بعضے ان پیروں میں سے ہر روز ظہر کے وقت وعظ کرتے ہیں اور برس میں ایک دفعہ چلّے بیٹھتے ہیں ؛ یعنی چالیس دن کسی سے کلام نہیں کرتے ، نہ کچھ کھاتے نہ کچھ پیتے ہیں ، فقط دروازہ بندکر کے ہو بیٹھتے ہیں ۔ اور اگر کوئی مصیبت زدہ یا دُکھیا اُن کے یہاں جاتا ہے تو وہ ان کو کچھ ورد بتاتے ہیں کہ یہ پڑھو ۔ اگر اُس پڑھنے نے ان کو فائدہ کیا تو وہ بھی نذر دیتے ہیں ۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ فقیر چلہ بیٹھتے ہیں اور چالیس روز نہ کچھ کھاتے ہیں ، نہ کچھ پیتے ہیں ، اس زمانے میں ایسی چلّہ نشینی میرے نزدیک متصوّر نہیں کیونکہ اکثر میں نے دیکھا ہے کہ آج تو پیر صاحب چلّے سے نکلے ہیں اور پھر شراب خواری وغیرہ منہیّات میں مشغول ہیں ۔ اگرچہ قولِ بزرگاں ہے کہ :

---

۱ ۔ مراد ہے ''رنجیت سنگھ'' ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ آید در نوشتن شیر وسیر (کذا)

مگر عاقلان خود میدانند، شاید اگلے زمانے میں ایسی چلّہ نشینی ہوتی ہوگی۔

مغلوں کا حال :

مغل بھی ایک قوم ہے۔ ان میں سے اکثر مرزا کہلاتے ہیں۔ اور آگے ان میں کئی ذاتیں ہیں : کوئی برلاس، کوئی غوری، کوئی چغتّا۔ یہ بھی بڑی بلند ذات ہے اور اکثر یہ لوگ اشراف ہوتے ہیں۔ ان میں ضعیف عورتیں چادر لے کر پھرتی ہیں اور جوان اکثر ستر داری کرتی ہیں۔ اور اگر بالکل غریب ہوا تو خیر چادر لے لیتی ہیں۔ رسمیاتِ تولّد تناسل ان کی مختلف ہیں مگر چھلہ ضرور ہوتا ہے اور عقیقہ بھی۔ اگر توفیق ہوئی تو کرتے ہیں۔ اور اکثر ان میں نام کے اخیر لفظ بیگ رکھتے ہیں ؛ چنانچہ مرزائی بیگ، لطیف بیگ۔ اور یا پہلے لفظ مرزا لاتے ہیں جیسا مرزا عبدالرحیم یا مرزا رحیم بخش۔

رنگھڑ کا حال :

رنگھڑ بھی ایک قوم ہے اور یہ مشہور ہے کہ طالع مند ہوا تو رجپوت[1] اور اگر غریب ہوا تو رنگھڑ۔ یہ لوگ بھی بطور زمین دار رسم کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی رنگریزی، کوئی علاقہ بندی، کوئی خیاطی، کوئی اور اور کام کر لیتا ہے، مگر اکثر زمین داری ان کا پیشہ ہے۔

تصنیف و[2] تالیف تحریر

اس ملک میں رسم عام ہے کہ شروع کتاب میں پہلے بسم اللہ

۱۔ 'راجپوت' کا پنجابی تلفظ۔ ۲۔ واؤ اضافہ مرتّب۔

الرحمٰن الرحیم لکھتے ہیں اور بعضے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اول ''یا فتّاح'' لکھتے ہیں اور پھر شروع کتاب کرتے ہیں۔ بعضے بسم اللہ کے آگے پیچھے ''رب یسّر ولا تعسّر و تمّم بالخیر'' لکھتے ہیں۔ مثال اس کی یہ ہے: ''رب یسّر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا تعسّر و تمّم بالخیر'' اور شروعِ خط یا پروانہ وغیرہ پر لفظ ''ھو'' جو اسمِ اشارہ بطرف خدا ہے، لکھا جاتا ہے۔ اور اب جو ہر خط پر حرف الف لکھا ہوا ہوتا ہے وہ بھی شروع لفظِ اسمِ پاکِ اللہ ہے اور تصنیف میں مصنّف کو ضروری ہے[1] کہ پہلے خدا کا حمد[2] اور پھر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت لکھے اور پھر مدحِ شاہ اور حال اپنا۔

مشہور ہے کہ جو کوئی ایسا نہ کرے تو کتاب اس کی منظورِ خلائق نہیں ہوتی، اور اس کو ''دیباچہ'' کہتے ہیں۔ اور دیباچے کے لغوی یہ معنی ہیں کہ ایران کی سرزمین میں وہ جو بادشاہ ایک قسم کا سینہ بند پہنتے ہیں اور اس پر ہر رقم کے جواہراتِ بیش قیمت لگواتے ہیں اور اصطلاحی اس کا نام جو دیباچہ رکھا گیا ہے سو اس کا بھی یہی باعث ہے کہ مصنّف اس کو مشکل لفظوں سے آراستہ کرتے ہیں۔ اب میں ایک دیباچہ درجِ ذیل کرتا ہوں۔ امید کہ ناظرین دیکھ کر خوش ہوں گے۔

دیباچہ:

سب تعریفیں اس خالق وحدہ لا شریک کو لائق و سزاوار ہیں کہ جس نے کل مخلوقات کو آن کی آن میں بے استعانتِ غیر کے پردۂ نیستی سے عالمِ ظہور میں لا کر جسمِ انسانِ خاکی بنیان کو

۱۔ ''ہے'' اضافۂ مرتّب۔

۲۔ مصنّفِ کتاب نے بعض جگہ ''حمد'' کو مذکّر ہی لکھا ہے۔

خلعتِ حیات سے ممتاز کر کے اشرف المخلوقات گردانا اور اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمان کو بے ستون قائم کر کے ستاروں سے آرائش دی اور خاک کو سطحِ آب پر بچھا کر جنّ و انسان اور طرح طرح اور بھانت بھانت کے گل بوٹوں سے زیب و زینت بخشی اور ہم سب کی بود و باش کی ، آرام کی جگہ بنا دی ۔

نظم

ہے وہ ایک جامعِ جمیع صفات
وحدہ لاشریک اس کی ذات

خلق دنیا میں جس قدر ہے شے
سب وہ فانی ہے اور وہ باقی ہے

اس کی قدرت سے ہے حدوث و قدم
وہی باقی ہے اور سب ہے عدم

کارخانہ ہے سب تمام اس کا
"یحکم ما یرید" کام اس کا

ہیں اسی کے یہ صورت و معنی
ماسوی اللہ سب ہے لایعنی

حمد اس کا ہو ہم سے کب تحریر
کام کرتی نہیں یہاں تقریر

حمد کہیے ، کہاں یہ یارا ہے
اس سے لازم غرض کنارا ہے

اور الوف الوف تحیّت و ثنا اس فخرِ وجودِ آدم ، سلطان العرب و العجم ، برگزیدۂ آفریدگارِ عالم ، جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور آلِ اطہار اور اصحابِ کبار ہر چہار پر جائز و روا ہے کہ جس نے ہم سب کو چاہِ ضلالت سے نکال کر

راہِ راست دکھائی اور اسلام کی ہدایت بخشی ۔

نظم

یعنی وہ اشرفِ زمین و زماں — سایۂ فخرِ عالمِ امکاں
ہمہ تن نور ماہِ اوجِ مراد — خاتم الانبیا ذوی الامجاد
جس کے باعث جہاں روشن ہے — سب زمین آسماں روشن ہے
کیا خالق نے نور سے پیدا — خاص رکنِ ظہور سے پیدا
سارے عالم کا کردیا ممتاز — باہم ان کو دیے ہیں راز و نیاز
جتنے اوصاف انبیا میں تھے — جمع سب ذاتِ مصطفیٰ میں تھے
ایسا اللہ نے بنایا تھا گویا — اک ذاتِ حق کا سایہ تھا گویا
واہ کیا رتبہ اُن کا اعلیٰ تھا — قاب قوسین بلکہ ادنیٰ تھا
واقفِ رازِ کبریا ہے وہ — مظہرِ جلوۂ خدا ہے وہ

صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ۔ فقط

وہابیہ :

اہلِ اسلام میں اب ایک اور فرقہ نکلا ہے اور اس کو وہابیہ فرقہ کہتے ہیں ۔ اس زمانے میں دیکھتا ہوں کہ اکثر عالم لوگ ادھر متوجہ ہیں ۔ العیاذ باللہ ! خدا ان کے عقائد کو درست کرے[1] ۔

خاک دامنی :

اس ملک میں رواج عام ہے کہ جب کسی کے گھر میں کچھ چوری ہو جاتی ہے اور بعدِ تلاش جب کچھ پتا نہیں لگتا تو وہ اہلِ محلہ اور اہلِ خانہ اور آمد و رفت والوں کو کہتا ہے کہ آج رات سب لوگ مٹی کی جھولیاں[2] ڈالیں ۔ اگر کسی نے مالِ مسروقہ[3] جھولیوں

---

۱ ۔ اس کے بعد کم و بیش بارہ سطروں کے برابر عبارت حذف کر دی گئی جس میں ایک خاص فرقے کے عقائد کو زیرِ بحث لایا گیا تھا ۔ (مرتّب)

۲ ۔ اصل : جھولییں ۔ ۳ ۔ اصل : مغروقہ ۔

میں پھینک دیا تو فبہا و گرنہ میں فلانے عامل کو بلا کر لاؤں گا ، وہ نام سارق کا بتا دے گا ۔ یا حاکمِ وقت جس کو گرفتار کرے گا، وہ سزا ے سخت پاوے گا ۔ اکثر اوقات دیکھا (ہے) کہ خاک دامنی یعنی جھولیاں ڈالنے میں لوگ مال پھینک دیتے ہیں ۔ اور جھولیاں ڈالنے کا یہ وتیرہ ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے گھر سے مٹی کی جھولیاں بھر لاتے ہیں اور ایک مکان (میں) جہاں اندھیرا ہو ، بوقتِ شام ڈالتے ہیں ۔ بعد اس کے جب سب چلے جاتے ہیں ، پھر صاحبِ مکان مٹی میں تلاش کرتا ہے تو کبھی کبھی مال برآمد ہو جاتا ہے ۔ اور اگر خاک دامنی میں مال برآمد نہیں ہوتا تو عامل کو بلاتے ہیں ۔

وہ بڑے . . .[۱] لوگ ہوتے ہیں ۔ انھوں نے کئی ڈھب بنائے ہوئے ہیں ۔ چنانچہ ایک یہ ہے کہ ایک ایک روپیہ بھر وزن چانول تول کے سب لوگوں کو دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ منہ کے لعاب[۲] یعنی تھوک کے ساتھ اس کو گوندھو ۔ جو نہ گوندھ سکے گا یا جس کی تھوک سوکھ جاوے گی ، وہ چور ہوگا ۔ اگر اس درمیان میں چور ہوتا ہے اور[۳] مارے ڈر کے اس کی تھوک سوکھ جاتی ہے ، تو وہ پوشیدہ پوشیدہ عامل صاحب سے پیغام کرتا ہے کہ برائے خدا میرا نام نہ لو اور مال پوشیدہ لے لو ۔ عامل لوگ اس کو قبول کرتے ہیں ۔ اور جب مال صاحب کو دلاتے ہیں تو چہارم آپ لیتے ہیں ۔ اور مال یوں دلاتے ہیں کہ چور کو کہہ دیتے ہیں کہ تُو آج رات اس کے

---

۱ ۔ اس جگہ سہوِ کتابت سے ایک لفظ رہ گیا ہے ۔ ممکن ہے 'عجیب' یا 'عیار' یا 'چالاک' ہو ۔

۲ ۔ اصل : ''لب'' ۔ پنجابی میں ''لعاب'' کی بجائے ''لب'' بھی استعمال ہوتا ہے ۔

۳ ۔ اصل : تو ۔

گھر میں فلانی جگہ مال دھر جانا ۔ ہم صبح بتا دیں گے کہ فلانی جگہ مال رکھا ہوا ہے ، لے لو ۔

اور کوئی عامل وقت رات کے سب لوگوں کو جمع کر کے انگوٹھی دوڑاتا ہے ۔ اور اس کا طریق یہ ہے کہ مربع بیٹھ کر ایک گز کے فاصلے پر ایک انگشتری اور تھوڑا دور اس سے ایک روپیہ رکھ دیتا ہے اور دو زانو بیٹھ ، وظیفہ پڑھتا ہے ۔ غرض وہ انگوٹھی دوڑتی ہے اور روپے کو جا کے لے آتی ہے ۔ بعد اس طلسم کے وہ لوگوں کو کہتا ہے کہ دیکھو بھائیو! یہ انگوٹھی روپے کو لے آئی ہے ، اسی طرح چور کو بھی پکڑ لے گی ۔ آج کی رات میں مہلت دیتا ہوں کہ جس کے پاس مالِ دزدی ہے ، خاک دامنی میں پھینک دے والا نہ کل میں گرفتار کر لوں گا ۔ الغرض مجرم ڈر کے پھینک دیتا ہے ۔

راقم نے بھی یہ طلسم چار پانچ دفعہ دیکھا اور حیران ہو کر اس طلسم کا خواہاں ہوا ۔ بہت عاملوں کے پاس گیا اور ان سے ادّعا اس مشکلِ لاینحل کی کی ۔ مدت تک کوئی نہ بتاتا تھا ۔ الغرض قدرتِ الٰہی سے مہاراجا راجا جواہر سنگھ کی وزارت کے وقت میں جب دلیپ سنگھ ناظمِ پنجاب تھا ، ایک عامل صاحب کسی علّت میں گرفتار ہوئے اور انھوں نے میرے سے سفارش چاہی ۔ میں نے ان سے ادّعا اس طلسم کی کی ۔ انھوں نے بہ مضمون "صاحب الغرض مجنون" بہ ہزار دقّت یہ راز میرے آگے کھولا ۔ پھر تو میں بھی انگوٹھی چلانے لگ گیا ۔ دیکھیے صاحب کیا اچھا طلسم ہے ۔ اول سمجھنا چاہیے کہ یہ طلسم عامل لوگ وقت رات کے کرتے ہیں اور چھ چھ سات سات فٹ کا حلقہ گرد اپنے چھڑی سے زمین پر کھینچ لیتے ہیں تاکہ کوئی اس فریب کو دیکھ نہ لے ۔

طریق انگوٹھی چلانے کا :

ایک بال سیاہ گھوڑے کا لمبا سا لے کر اس کے منہ پر موم لگاتے ہیں اور موم کو روپے کے نیچے چمٹا دیتے ہیں اور پھر انگوٹھی اس میں پرو دیتے ہیں اور دوسرا سرا بال کا کسی تنکے سے باندھ کر دستارِ مبارک میں اٹکا لیتے ہیں اور اس حلقے میں دو زانو (سر) نہوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں تاکہ وہ بال زمین پر برابر ہو جاوے اور پھر کچھ بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور آہستہ آہستہ سر اونچا کرتے جاتے ہیں تاکہ بال اونچا ہوتا جاتا ہے اور انگشتری پھسلتی جاتی ہے تا آنکہ وہ روپے کے پاس جا ٹھہرتی ہے۔ پھر وہ سر سے بال کو کھینچتا ہے ، روپیہ کھنچا چلا آتا ہے اور لوگ دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں اور ڈر کے اس کو نذر نیاز دیتے ہیں ۔ فقط

مہتروں کا حال :

ان میں دو قسم ہیں : ایک مصلّی، دوسرے ہلاک خور، المشہور حلال خور۔

مصلّی تو صرف مسلمانوں کے موافق ہوتے ہیں ۔ فجر کے وقت گھروں میں گئے اور میلا اٹھایا اور پھر نہا کر مسلمان بن بیٹھے ۔ اور ہلاک خور ، ان کی بھی دو قسم ہیں : ایک دیہاتی ، دوسرے شہری ۔ دیہاتی تو اکثر حرام اور صاحب لوگوں کا جھوٹا وغیرہ کھا لیتے ہیں اور بعضے شہری نہیں کھاتے ۔ اور شہریوں کی ذاتیں یہ ہیں : اول بھٹی ، دوسری کلیاتی ، تیسری سونتری ، چوتھی گل ، پانچویں رتے کھوکراں ۔

پانچوں میں بہ وقت تولّد و تناسل بطور مسلمان کے لڑکے کے کان میں اذان مُلاّ سے دلواتے ہیں ، اور اس کو ایک سیر آٹا اور پاؤ گُڑ اور پانچ پیسہ دیتے ہیں ۔ اور چالیس دن ان کی عورتیں زائیدہ بھی

اپنے کام پر باہر نہیں جاتیں - اور پچھلے کے روز سب مہترانیاں جمع ہو کر لعل پیر کے مکان پر جاتی ہیں اور چوری ساتھ لے جا کر وہاں نذر چڑھاتی ہیں اور راستے میں گیت گاتی ہیں اور خوشی مناتی ہیں - چوڑیاں[1] کچ کی بھی اکثر اور سرخ کپڑے اس کو پہناتی ہیں اور بعضے اپنی برادری میں چوری تقسیم کرتے ہیں -

ان کو یہاں چوہڑے کہتے ہیں - کوئی مسلمان ان کو پاس ایک فرش پر نہیں بٹھاتا - اور یہ ہر ایک کے گھر کا میلا اٹھاتے ہیں اور ان کی عورتوں کا بھی یہی کام ہے - دو دو آنہ ، ایک ایک آنہ ہر ایک سے اور کچھ گیہوں بھی ماہ بہ ماہ لیتے ہیں - اور ان کا یہ وتیرہ ہے کہ ٹوکری سر پر آٹھا کے لوگوں کے گھروں سے میلا اٹھاتے ہیں اور کوچے میں ایک جگہ جمع کرتے ہیں - پھر دوسرے مہتر آ کر وہاں سے گدھوں پر یا چھکڑوں پر لاد کے لے جاتے ہیں - اور وہ اس میلے یعنی براز کو زمیں داروں کے پاس بیچ لیتے ہیں - اور جب میلا اٹھانے کسی گھر پر جاتے ہیں تو صاحبانِ خانہ کے روبرو جا کر[2] دعا دیتے ہیں - اکثر لفظ ''الٰہی خیر !'' (استعمال کرتے ہیں) اور جس روز خسوف و کسوف یا زلزلہ ہو تو بھی ان لوگوں کو کچھ نقد جنس بطور خیرات ملتا ہے اور دن تیوہار (پر) بھی ہر شخص ان کو کچھ دیتا ہے ، اور قس علیٰ ھذا - شادی غمی میں اور بروزِ عید قربان جو اہل الاسلام قربانی کرتے ہیں تو بھیڑ بکری وغیرہ کی اوجھڑی بھی یہی لوگ لیتے ہیں -

---

١ - اصل : چوڑیں -

٢ - اصل : ''جاتے ہیں'' - جملے کی ساخت واضح نہ تھی ، مرتّب نے بعض الفاظ تبدیل کیے ہیں -

دھوبیوں کا حال :

دھوبیوں میں کئی ذاتیں ہیں : کوئی رخسرا ، کوئی سیڑچنہ ، کوئی سراپا ، کوئی کریر ۔ سپڑ اُن میں بڑی ذات ہے ۔ یہ سانپ کو نہیں مارتے اور نہ سانپ ان کو کاٹتا ہے ۔ اگرچہ عقل اس بات کو نہیں قبول کرتی مگر یہ لوگ ایسا بیان کرتے ہیں اور سانپ کو اپنا بزرگ جانتے ہیں ۔ اور ان کا دستور ہے کہ دودھ کو دیوار پر نہیں رکھتے ۔

اور جب ان میں کسی کو حمل ہوتا ہے تو سات مہینے تک وہ عورت سرمہ ، دنداسہ ، مہندی نہیں لگاتی ، اور مولی جو ایک قسم کا سرخ دھاگا ہے ، وہ بھی سر میں نہیں باندھتی ۔ اور جب سات مہینے گزر جاتے ہیں تو بعد ازاں سرمہ وغیرہ لگاتے ہیں اور رِیت یعنی کنجی کرتے ہیں بہ موجب رسمِ عام کے ۔ اور جب بچہ پیدا ہوا اور گیارہ دن گزر گئے تو حلوا منڈا برادری میں تقسیم کرتے ہیں ۔ اور ہینگ اس کے پلنگ کے پاؤں پر اور بچے کے گلے میں باندھتے ہیں ۔ اور بہ دستور بیان کیے ہوئے کے چالیس روز چراغ روشن ہوتا ہے ۔ اور اگر لڑکا پیدا ہو تو بعضے جھنڈ رکھتے ہیں ، یعنی اس کے سر کے بال نہیں منڈاتے ، اور جب سرادہ آتے ہیں تو اس روز لڑکے کا سر منڈاتے ہیں ۔ حاملہ کی ماں باپ کے گھر سے سفید چولی اور لہنگا بوند اور دوپٹہ کھاروے کا آتا ہے ، وہ اس روز عورت کو پہناتے ہیں اور سب برادری کی عورتیں جمع ہوتی ہیں اور میٹھے چاول پکاتے ہیں اور کھاتے ہیں ۔ تمام رات گیت گاتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں ۔ بہ دستور لڑکا ہوا تو بہت خوشی اور لڑکی ہوئی تو تھوڑا غم ۔ اور چھِلّے کے روز پنجیری یا چُوری تقسیم کرتے ہیں اور کسی خانقاہ پر ضرور جاتے ہیں ۔ اور ان میں بھی ستِرداری نہیں کرتے ۔

یہ لوگ ، لوگوں کے کپڑے دھوتے ہیں ۔ غریب آدمیوں سے دھیلا ، یعنی دو پائی فی کپڑا ، اور اعلیٰ لوگوں سے ایک پیسہ فی کپڑا لیتے ہیں ۔ اور آٹھویں ساتویں دن کپڑا دھو کے لا دیتے ہیں ۔ اور ہر ایک کے گھر سے جا کے کپڑا لاتے ہیں اور کپڑے کو دریا پر دھونے لے جاتے ہیں تو بیل پر اکثر لاد کے لے جاتے ہیں ۔ اور ایک گروہ ان میں چھڑی گھاٹیا کر کے مشہور ہے ۔ چھڑی گھاٹیا اس کو کہتے ہیں جو فجر کو کپڑا لیتا ہے اور شام کو دھو کے حوالے کر دیتا ہے اور ایک پیسہ فی کپڑا لے لیتا ہے ۔

تیلی :

تیلی بھی ایک قوم ہے جو تیل بناتے ہیں ۔ اور تیل دو قسم کا ہوتا ہے : ایک میٹھا ، دوسرا کڑوا ۔ میٹھا تیل تو تلوں سے نکلتا ہے اور کڑوا سرسوں سے بنتا ہے ۔ میٹھا تیل بہت جلتا ہے اور کڑوا کم ۔ یعنی ایک گھنٹے میں اگر کڑوا پاؤ جلے تو میٹھا ڈیڑھ پاؤ جلتا ہے ۔ مگر میٹھا تیل صفا اور روشنی میں زیادہ ہوتا ہے ۔ بعض شوقین لوگ میٹھا تیل جلاتے ہیں مگر اکثر عوام کڑوا ۔ نرخ میٹھے تیل کا بہ نسبت کڑوے کے مہنگا ہوتا ہے ۔ اور میٹھا تیل اکثر لوگ بدن پر ملواتے ہیں ۔ اس سے بدن کو بہت سا فائدہ ملتا ہے ۔ تیلی لوگ کولھو میں تیل نکالتے ہیں اور ہر وقت پوشاک تیلیوں کی چکنی رہتی ہے ۔

اس ملک میں ایک بیل کولھو میں لگاتے ہیں مگر تیلیوں کے بیل بہت موٹے ہوتے ہیں ۔ اور یہ تیلی لوگ بیوپاریوں کے پاس تیل بیچ دیتے ہیں اور آگے وہ بقّال نفع لے کر لوگوں کے پاس بیچتے ہیں ۔ اور اگر کوئی آدمی تیلیوں سے بھی تیل لینا چاہے تو مل سکتا ہے ۔

تیلی بھی زمیں داروں کے برابر ہیں مگر اکثر ارزل قوم گنی جاتی ہے ۔ دستورِ تولّد تناسل ان کا برابر زمیں داروں کے ہے ، مگر کوئی

کوئی تیلی اپنے گھر میں ستر داری کرواتا ہے ۔ مگر اکثر ان کی زنانیوں کی پوشاک گوجروں کے موافق ہوتی ہے ۔ اور مرد ان کے بھی اکثر زمیں داروں کے موافق لباس رکھتے ہیں ۔ فقط

مُغلوں کا دستور :

مُغل کی قوم میں ایک قوم نقشبندی ہے اور یہ احراری کہلاتے ہیں ۔ ان میں بھی جب کوئی حاملہ ہوتی ہے تو تا وقتِ تولّد کچھ رسم نہیں کرتے ۔ مگر جب بچہ پیدا ہوا تو چھ روز کے بعد دو پیازا یعنی گوشت اور پیاز پکاتے ہیں اور بطورِ ریت کے کھاتے ہیں ۔ اور اگر کسی کو توفیق ہوئی تو عقیقہ بھی کرتے ہیں اور چھلے پر اندرسے یا جلیب برادری میں تقسیم کرتے ہیں ۔ اور یہ قوم مغلوں میں بڑی ذات ہے ۔ بعضے ان میں اگر دولت مند ہوئے تو ناچ بھی کراتے ہیں ۔

اصل ان کا حضرت علی کی اولاد سے ہے ، یعنی علوی ہیں ۔ اور حضرت علی کی اٹھارہ جوروئیں تھیں ۔ فاطمہ کی اولاد سیّد کہلاتی ہے اور ماسوائے ان کے کوئی مغل ، کوئی علوی کہلاتے ہیں ۔ آگے یہ لوگ فقط لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے ، اب ہر طرح کا پیشہ کرتے ہیں مگر تو بھی اشراف گنے جاتے ہیں ۔ مرزا یعنی مغل خواہ چار روپے کا نوکر ہو اور بہت غریب ہو تو بھی ان کی عزت کرتے ہیں ۔ فقط

گُنڈے[۱] :

ان دنوں شہر لاہور و امرت سر میں ایک قسم کے لُچّے برآمد ہوئے ہیں ۔ عقل حیران ہے کہ ان لوگوں نے کیا راہ و رسم نکالی ہے ! یعنی سرخ پگڑیاں[۲] باندھتے اور پنریوں[۳] کے بال سنڈاتے اور

---

۱ ۔ غنڈے ۔
۲ ۔ اصل : پگڑیں ۔
۳ ۔ پنریوں ، پنیوں : ٹانگوں ۔ پنجابی گھٹنے کے نچلے حصے کو ''پنی'' کہتے ہیں اور اس حصے کے بال سنڈانا پنجاب میں معیوب سمجھا جاتا ہے ۔

بٹیرے رکھتے ہیں ۔ اور آپس میں ان کا یہ اقرار ہوتا ہے کہ آپس میں گو کتنی لڑائی ہو ، ایک دوسرے پر کوئی نالش نہ کرے ۔ اور لڑائی کے واسطے چھوٹے چھوٹے ڈنڈے رنگین بنا کے بغلوں میں رکھتے ہیں ۔ اور جب لڑائی کرتے ہیں تو خوب اڑتے ہیں ۔ اور اکثر یہ لوگ لونڈے بازی بھی کرتے ہیں ۔ سرکار کو ان کا بندوبست ضروریات سے ہے ۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اکثر یہ لوگ چوری چکاری بھی کرتے ہوں گے اور بھلے مانسوں کی بہوبیٹیوں کو بھی ورغلاتے ہیں ۔ غرض گُنڈہ ، لُچّے کو کہتے ہیں ۔ فقط

سہتروں کا دستور :

پیچھے میں نے لکھا ہے کہ شہر کے باشندے مہتر حرام نہیں کھاتے مگر اب معلوم ہوا کہ بعضے نہیں کھاتے اور بہت کھاتے ہیں ۔ ذاتیں ان کی یہ ہیں : ونا ، سلھناس ، جاہا ، چھیرے بن ۔ یہ سب حرام خور ہیں ۔ یہ سب قوم ، بالاشاہ فقر کو مانتے ہیں ۔ اور بالا شاہ کو کوئی بال نیک اور بالاشاہ نوری کہتا ہے ۔ اور بعضے "شاہ سورا" کو مانتے ہیں ۔ اس کی قبر نوشہرہ میں متصل گوجرانوالہ کے ہے ۔ اور بعضے "لال پیر" کو مانتے ہیں اور اس کو "لال بیگ" بھی کہتے ہیں ، اور نماز روزہ بھی رکھتے ہیں ۔ غرض سب باتیں ان میں اہلِ اسلام کی ہیں مگر بہ سبب حرام کھانے کے مسلمان ان میں اور یہ مسلمانوں میں مل نہیں سکتے ۔ اور ماںجھے کے مہتر سب ہندوؤں کی رسمیں کرتے ہیں اور بالکل ہندو ہیں مگر بہ لحاظ میلا اٹھانے اور حرام کھانے کے ہندو ان کو ہندو نہیں جانتے ۔ اور ان کو حرام خور اور مُردار خور بھی کہتے ہیں ۔ اس واسطے کہ جب کسی کی گائے یا بیل یا اونٹ یا گھوڑا یا بھیڑ یا خچر مر جاتی ہے تو یہ اس کو کھا لیتے ہیں ، مگر گدھا اور ہاتھی نہیں کھاتے ۔ اور بعضے ان میں کندیارا اور

شیوترا ہیں ، یعنی یہ بھی ان کی ذاتیں ہیں ۔ اور جب کسی کا جانور یعنی گھوڑا یا گائے یا بیل مر جاتا ہے تو یہ لوگ اٹھا کے باہر لے جاتے ہیں اور جتنے مہتر اس کو اٹھا کے لے جاتے ہیں ، اتنے حصے کر لیتے ہیں ۔ اور اٹھائی کی مزدوری کچھ مقرر نہیں ، کوئی ایک روپیہ دیتا ہے ، کوئی آٹھ آنے ، کوئی کم یا زیادہ ۔ اور جس کسی کو کہ سرکار سے پھانسی کی سزا ملتی ہے تو بھی یہی لوگ پھانسی چڑھاتے ہیں ۔ اور مہاراجا[1] کے وقت میں جب کسی کی ناک یا کان یا ہاتھ کاٹتے تھے تو بھی یہی لوگ کاٹتے تھے ۔

مُلاّ کا دستور

مُلاّ بھی ایک گروہ ہے ۔ ان میں قید ذات نہیں ۔ کوئی کسی قوم سے ، کوئی کسی ذات سے ۔ بلکہ اب تو یہ معمول ہو رہا ہے کہ جس نے قرآن شریف پڑھا اور دوسرا کوئی کام اس کو نہ ہوا ، وہ مُلاّ بن بیٹھا ۔ کوئی کوئی مُلاّ قابل ، ہنرمندی[2] ہوتا ہے ۔ اکثر لباس ان لوگوں کا پاجامے کی جگہ تہبند اور گلے میں کُرتا اور سر پر پگڑی اور اوپر دوپٹا ۔ سر کے بال اکثر بالکل مونڈے ہوئے اور مونچھیں بھی مونڈی ہوئیں ۔ کوئی پاجامہ اور انگرکھا بھی پہنتا ہے ۔ اب کام ان کا یہ ہے کہ ہر وقت مسجد میں رہتے ہیں ۔ اگر کسی کا گھر اور عالم قبیلہ داری ہوا تو وہ رات کو گھر جاتا ہے اور تمام دن وہیں یعنی مسجد میں رہتا ہے ۔ بعضے مُلاّ لڑکوں کو قرآن شریف پڑھاتے ہیں اور بعضے کتابیں بھی پڑھاتے ہیں ۔ اور جس جس طرح کی ان کو آمدنی ہے ، جدا کر کے لکھنا بھلا ہے ۔

---

۱ ۔ مراد ہے رنجیت سنگھ ۔

۲ ۔ بجائے ہنرمند ، پنجابی ۔

لڑکے پڑھانا ـــــ مکتب :

جب کسی مسلمان کا لڑکا چار برس ، چار مہینے ، چار روز کا ہوتا ہے تو اس کو پڑھنے بٹھاتے ہیں ۔ شرفا میں تو اس کو ''بسم اللہ کرانا'' کہتے ہیں اور اس پر ان کا بہت روپیہ مثل شادی کتخدائی (کے) خرچ ہوتا ہے ۔ اور عام یہ دستور ہے کہ کسی نے ایک روپیہ اور پتاشے[۱] ، کسی نے آٹھ آنے اور گُڑ ، اور کسی نے ایک روپیہ اور گُڑ لیا اور مسجد میں جا کے 'ملاّ' کو دیا اور لڑکے کو ساتھ لے گئے ۔ 'ملاّ' نے فاتحہ پڑھا اور اس کو قاعدہ یعنی حروفِ تہجّی پڑھانے شروع کیے ۔ ایک دفعہ الف ، بے ، تے ، ثے ، جیم پڑھایا اور فاتحۂ خیر کہہ کر سب لڑکوں کو چھٹی دی اور خوشی کی ۔ جب لڑکے نے قاعدہ تمام کیا تو پھر پہلا سیپارہ قرآن شریف کا شروع کرایا اور اسی طرح روپیہ اور شیرینی لی اور لڑکوں کو چھٹی دی ۔

قرآن شریف کے تیس سیپارے ہوتے ہیں ۔ غرض 'ملاّ' مدرّس کو قرآن شریف پڑھانے کے تیس روپے ملتے ہیں ۔ اور غربا سے کم ۔ سوا اس کے اور کوئی کچھ درماہہ بھی مقرر کر لیتا ہے اور آٹھویں دن روٹی بھی دیتا ہے ۔

جب قرآن شریف ختم ہوا تو پھر آمین ہوتی ہے ۔ کوئی اسی وقت آمین کرتا ہے اور کوئی بوقتِ شادی کتخدائی ۔ 'ملاّ' صاحب لڑکوں پر خوب حکمرانی کرتے ہیں ۔ اور بعضے 'ملاّ' ایسے خام طمع ہوتے ہیں کہ لڑکے کو ہیبت بایں تمنّا کرتے ہیں کہ یہ کچھ ہم کو دیتا رہے ۔ اور بعضے کم بخت 'ملاّ' اِغلام بھی کرتے ہیں ۔

---

۱ ۔ 'پتاشے' بجائے 'بتاشے' ، پنجابی ۔

آمین کا دستور :

مقرّری یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی کا باپ سب برادری اور اہلِ محلہ اور دوست آشنا کی ضیافت کرتا ہے ۔ کوئی 'پلا'[1] ، کوئی نان گوشت ، کوئی میٹھے چاول پکاتا ہے اور استاد کو بھی بلاتا ہے ۔ پہلے ضیافت سے فراغت ہوتی ہے تو لڑکے یا لڑکی کو زعفرانی کپڑے پہناتے ہیں اور پھولوں کا سہرہ اس کے ماتھے پر باندھتے ہیں اور دست بستہ کر کے اس کو استاد کے سامنے کھڑا کرتے ہیں ۔ اور اس استاد کے سب شاگرد لڑکے بھی حاضر ہوتے اور سب برادری بھی جمع ہوتی ہے ۔ پھر آستاد آمین پڑھتا ہے ۔ اس کا یہ معمول ہے ۔ آمین جس کو کہتے ہیں وہ یہ ایسے ایسے شعر ہوتے ہیں :

فرزند ہے تمھارا ، شاگرد ہے ہمارا
کچھ گری کچھ چھارا[2] اے دل بگو تو آمین !

آستاد تو ایسے ایسے بیت پڑھتا ہے اور سب اس کے شاگرد "آمین" کہتے ہیں ۔ اور "آمین" کا جب لفظ آتا ہے تو زور سے کہتے ہیں ۔ قریب ایک گھنٹے کے اس طرح پڑھتا ہے اور بعد ازاں آستاد شاگرد کے حق میں دعا کرتا ہے ۔ اور لڑکے کے ماں باپ اس حال میں کچھ پھول ، آستاد اور آستادنی[3] کے کپڑے اور کچھ نقد ، کوئی پانچ کوئی دس کم زیادہ علیٰ قدرِ مراتب ، لا رکھتے ہیں ، وہ استاد کو دیے جاتے ہیں اور پھول سب لوگوں میں تقسیم ہوتے ہیں ۔ اور ہر شخص لڑکے کے باپ کو مبارک اور دعا دیتا ہے اور پھر (یہ مجلس) برخاست ہوتی ہے ۔

---

۱ ۔ "پلا" بجائے 'پلاؤ' ، پنجابی ۔
۲ ۔ 'چھارا' بجائے 'چھوہارا' ، پنجابی ۔
۳ ۔ 'آستادنی' بجائے 'آستانی' ، پنجابی ۔

اور بعضوں میں ''آمین'' پر تنبول بھی لیتے ہیں ، یعنی سب برادری (کے لوگ) اُس لڑکے کو کچھ نقد دیتے ہیں اور بطور شادی برات چڑھاتے ہیں ۔ برات کا سب حال آگے لکھا جاوے گا ۔ فقط

اور بعضے مسلمان اپنے لڑکوں کو کسب سکھاتے ہیں اور پڑھانے کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے ۔

دوسری آمدنی 'ملاّ' لوگوں کی یہ ہے کہ جب اس کے محلّے میں کسی کا نکاح ہوتا ہے تو نکاح 'ملاّ' پڑھتا ہے ۔ اس کو بجلدوی اس کے ایک روپیہ چارآنہ ملتا ہے ۔ اس میں سے چار آنے وہ محلے دار کو دیتا ہے اور ایک روپیہ آپ لیتا ہے ۔

تیسری آمدنی اس کو یہ ہے کہ جب اس کے محلّے میں کوئی مر جاتا ہے ، اگر عورت ہوئی تو اس کی عورت نے ، اور اگر مرد ہوا تو اس نے خود غسل دیا ۔ متوفی کے کپڑے اس کو ملتے ہیں ۔ اور جب غسل دے کے جنازہ تیار ہوا تو پھر اسقاط کا بھی اس کو کچھ ملتا ہے ۔

اسقاط کا حال :

''اسقاط'' اس کو کہتے ہیں کہ جب کوئی مر گیا تو اس کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر گلاب چھڑکتے ہیں اور چارپائی پر مردے کو لٹاکر دروازے کے آگے لا رکھتے ہیں ۔ سب برادری جمع ہوتی ہے ۔ اُس وقت قرآن شریف لے آتے ہیں اور مالک جنازے کا اپنے حتی المقدور کچھ نقدی بھی لاتا ہے اور قرآن شریف مع روپے (کے) 'ملاّ' کے حوالے کرتا ہے ۔ پھر وہ 'ملاّ' مالکِ میّت سے عمر متوفی کی پوچھتا ہے ۔ مثلاً اُس نے کہی بیالس برس ۔ پھر بموجب شرع محمدی کے رسم ہے کہ بارہ برس لڑکپن کے دور کرتے ہیں ، یعنی ہر انسان بارہ برس کی

عمر تک معصوم اور نابالغ ہے ، اس پر کچھ احکامِ شرعی جاری نہیں - باقی رہے تیس برس ، ان کے تین حصّے ، یعنی دس دس برس کا حصّہ کرتے ہیں - پھر وہ "ملا" قرآن اور روپے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور میّت کے سرہانے کھڑا ہوتا ہے اور سب لوگ چپ چاپ کھڑے رہتے ہیں - پھر "ملا" یہ جملہ کہتا ہے کہ "عرصہ دس برس میں کچھ احکامِ الٰہی نماز ، روزہ اس سے ادا ہوئے ہیں اور کچھ نہیں ہوئے ، اور اب یہ اِس وقت اُس کے ادا کرنے سے عاجز ہے - لٰہذا اب یہ قرآن شریف جو . . . [1] لے بھائی اس کے بدلے میں میں نے تمھارا ملک کیا -" یہ کہہ کے کسی کے ہاتھ میں قرآن شریف دے دیتا ہے - وہ لے لیتا ہے اور کہتا ہے : "میں نے قبول کیا -" اور پھر وہ "ملا" کو بخش دیتا ہے - "ملا" پھر اِسی طرح دو دفعہ کرتا ہے - بعد ازاں میّت کے واسطے دعا کرتا ہے - غرض متوفی کی عمر سے دس دس برس کا حصہ کر لیتے ہیں اور پھر وہ قرآن شریف اور نقدی وہی "ملا" لے جاتا ہے - اگر کوئی مالک میّت غریب ہوا تو صرف ایک روپیہ "ملا" کو دیا اور قرآن واپس لیا -

اب ادنٰی لوگوں میں یہ دستور ہے کہ ان کے گھر جب ماتم ہوتا ہے تو "ملا" آپ ہی قرآن شریف اپنا ساتھ لے جاتا ہے اور پھر واپس لے آتا ہے اور صرف دھیلی روپیہ اسقاط کا لے لیتا ہے - یہ رسم حکمِ شرعی نہیں ، مگر متاخرین نے مقرر کر لیا ہے - بعد ازاں چالیس روز ہر روز کی روٹی مسجد میں "ملا" کو دیتے ہیں - اور سب ماتم کے دستور آگے کہیں لکھوں گا - انشاء اللہ تعالٰی -

روٹی کا یہ دستور ہے کہ ایک رکابی اور ایک لوٹا مٹی کا اور

---

١ - یہاں سے چند الفاظ غالباً سہوِ کتابت کے سبب رہ گئے ہیں -

ایک سفید رومال بنا چھوڑتے ہیں ۔ عصر کے وقت ایک روٹی پکاتے ہیں اور اس کو گھی سے مرغّن کرتے ہیں ۔ پھر اس کو رومال بچھا کر رکابی میں رکھتے ہیں اور کچھ لازمہ بھی ساتھ بھیجتے ہیں ۔ ُملاّ لے کر فاتحہ دیتا ہے اور روٹی لے لیتا ہے ۔ اور اصل میں بہ موجب شریعت کے فاتحہ دینا روٹی پر ممنوع ہے ۔ چنانچہ اب تک اگر کوئی مکّہ شریف میں روٹی پر فاتحہ دیوے تو اس کو نسبت بہ کفر دیتے ہیں ۔ مگر پنجاب میں یہ رسم جاری ہے ۔

دستورِ فاتحہ :

فاتحہ دینے کا یہ دستور ہے کہ ُملاّ روٹی لے کر آگے رکھتا ہے اور دونوں ہاتھ کھڑے کرتا ہے ، جیسے کوئی دعا مانگتا ہے ، اور ہاتھ کھڑے کر کے یہ پڑھتا ہے :

"اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، لا اِلٰہ الا اللہ و اللہ اکبر ، اللہ اکبر وللہ الحمد ۔"

اس جملۂ عربیہ کا نام تکبیرات ہے ۔ اور فاتحہ کو درود بھی کہتے ہیں ۔ اور اگر کوئی ُملاّ روٹی لے کر فاتحہ نہ دیوے تو لوگ خوش نہیں ہوتے ۔

اور چوتھے اس طرح سے ُملاّ کو آمدنی ہوتی ہے کہ مسجد میں پانچوں وقت کی نماز ُملاّ ہی پڑھاتا ہے ۔ جو اہلِ محلہ نمازی ہوتے ہیں ، اُس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ۔ کوئی نمازی ایسا ہوتا ہے کہ ملاّ کو ہر روز کی روٹی دیتا ہے ۔ نماز پڑھنے اور پڑھانے کا یہ مسنون طریق ہے ۔

نماز کا دستور :

دن رات میں پانچ دفعہ نماز پڑھنی واجب الادا ہے : ایک فجر ، ایک ظہر ، ایک عصر ، ایک شام ، ایک عشا کو ۔ فجر کی نماز آفتاب

کے طلوع سے پہلے ، اور ظُہر جس کو پیشیں بھی کہتے ہیں ، دو بجے دن کے ، اور عصر چار بجے ، اور شام جس کو مغرب بھی کہتے ہیں ، بہ وقت غروب ہونے دن کے ، اور عشا چار گھڑی رات باقی رہنے تک پڑھ لیتے ہیں ، مگر ہر مسجد میں چار گھڑی رات گئے پڑھتے ہیں ۔

یاد رکھنا چاہیے ، اول نماز کے مُلاّ بانگ یعنی اذان دیتا ہے ۔ اور طریق اذان دینے کا یہ ہے کہ مُلاّ با وضو رُو بہ قبلہ کھڑا ہو ، دونوں انگلیں[1] شہادت کی دونوں بناگوش پر رکھتا ہے اور آغاز و انجامِ اذان کے وقت یمین و یسار کی طرف منہ پھیر کر دیکھتا ہے ۔ اور اذان زور سے دینے کو قوتِ اسلام سمجھتے ہیں ۔ اور اذان یہ ہے :

اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر ۔ اشہد اَن لا اِلٰہ اِلاّ اللہ ، اشہدُ اَن لا اِلٰہ اِلاّ اللہ ۔ اشہدُ اَنّ محمد الرسول اللہ ، اشہدُ اَنّ محمد الرسول اللہ ۔ حیّ علی الصلٰوۃ ، حیّ علی الصلٰوۃ ۔ حیّ علی الفلاح ، حیّ علی الفلاح ۔ الصلٰوۃ خیر من النوم ، الصلٰوۃ خیر من النوم ۔ اللہ اکبر ، اللہ اکبر ۔ لا اِلٰہ اِلاّ اللہ ۔

اور پانچوں وقت اسی طرح اذان ملتی ہے مگر سوا فجر کے ''الصلٰوۃ خیر من النوم'' کسی اذان میں نہیں کہتے ۔

القصہ جب اذان ہوئی تو نمازی مسجد میں گئے اور وضو کیا ۔ فجر کی نماز میں چار رکعت ہیں : دو سنّت اور دو فرض ۔ فرض حکمِ الٰہی کو کہتے ہیں اور سنّت حکمِ نبوی (کو) ۔ سنّت تو پانچوں وقت نمازی اکیلا پڑھتا ہے اور فرض امام پڑھاتا ہے ۔ امام سے یہاں یہ مراد ہے کہ جو مُلاّ آگے ہو کے کھڑا ہوتا ہے اور سب نمازی

---

۱ ۔ 'انگلیں' بجائے 'انگلیاں' ۔

اس کے پیچھے نماز گزارتے ہیں ۔ اور پیشین کے وقت پہلے نمازی چار سنّت پڑھتا ہے او رپھر مُلاؔ کے پیچھے چار فرض اور پھر دو سنّت اور دو نفل ۔ نفل نہ حکمِ الٰہی ہے ، نہ حکمِ نبوی ۔ وہ چار پیر شریعت کا حکم ہے ۔ سنّی پڑھتے ہیں اور شیعہ نہیں پڑھتے ۔ غرض ظہر کی بارہ رکعت ہیں اور عصر کے صرف چار فرض ۔ اور شام کی سات رکعت ہیں ؛ تین فرض ، دو سنّت ، دو نفل ۔ اور عشا کی سترہ رکعتیں ہیں ؛ چار سنّت ، چار فرض ، پھر دو سنّت ، دو نفل ، تین وتر ۔ اور جب نماز مُلاؔ کے پیچھے ادا کرتے ہیں تو اُس کو نماز با جماعت کہتے ہیں اور سنّی لوگ نماز با جماعت کو افضل جانتے ہیں ، اور شیعہ لوگ سوا اپنے مجتہد کے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور ملاؔ کے پیچھے نماز با جماعت پڑھنے کو روا نہیں رکھتے ۔

عیدین یعنی عیدالفطر اور عیدالبقر یعنی اضحیٰ میں اول تو صدقہ عید اس کو دیتے ہیں اور دوسرا نماز عید وہی پڑھاتا ہے ۔ تب ہر شخص اس کو کوئی پگڑی ، کوئی روپیہ ، کوئی دھیلی ، کوئی کچھ ، کوئی کچھ دیتا ہے ۔ اور عیدالبقر میں اکثر قربانی بھیڑ بکری وغیرہ گائے شتر کی کرتے ہیں ۔ اس میں بھی وہ یعنی ملاؔ مذبوحہ کی کھال لیتا ہے اور نماز مقرری عید البقر کی پڑھاتا ہے ۔ بہ دستور اس کو روپیہ پگڑی ملتی ہے ۔ اور شب برات اور ہر جمعرات اور شبِ معراج میں اس کو اہلِ محلہ کھانا دیتے ہیں ، فقط ۔ اور بیان ان کا بڑے دنوں کے بیان میں لکھا جاوے گا ۔

چونکہ بہ موجب شریعتِ محمدی کے مسجد میں سوا فرض کے ادا کرلا سنّت کا بھی جائز نہیں اور اس میں بیٹھنا یا سونا ، بات کرنا تو بالکل منع ہے ۔ بلکہ میں نے ایک فقہ کی کتاب میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اگر کوئی مسجد میں بیٹھ کر ایک گوز مارے تو سو

فرشتہ مر جاتا ہے ۔ پس اے صاحبو! خیال کرو کہ مُلاؔ لوگ جو مسجد میں اکثر دن رات رہتے ہیں ، کتنے گوز مارتے ہوں گے! اور علاوہ براں لڑکے جو مسجد میں پڑھتے ہیں ، ان سے بھی قتلِ عام فرشتوں کا ہوتا ہوگا ۔ یہ سب گناہ ملاؔ کے سر پر ۔

ان میں بھی کوئی دستور تولّد تناسل کا مقرر نہیں ۔ جس ذات کا ہو ، اُسی کا دستور کر لیا ۔ مگر یاد رہے کہ چھلے کی محافظت شرفا میں ضرور ہے ۔ اگر توفیق ہوئی تو سب شگن کیے وگرنہ خیر ، صبرِ درویش بہ جانِ درویش ۔ سب چونچلے دولت کے ہیں ۔ مگر ملاؔ لوگ بہ درجۂ کمال طمعی اور لالچی ہوتے ہیں ، ایک روٹی پر ایمان بیچتے ہیں ۔ اور بعضے ملاؔ متدیّن اور دین‌دار بھی ہوتے ہیں مگر اکثر متعصّب ۔ کوئی کوئی ملاؔ جس کی مسجد کے متعلق بڑا محلہ ہوتا ہے اور اس کو جمعرات کے دن فاتحہ کی روٹیں[1] بہت آتی ہیں ، وہ روٹیاں بیچ لیتا ہے ۔ اور کوئی ان میں سے اگر فقیہ ہوتا ہے اور بڑی مسجد کی امامت اس کو ملتی ہے تو ہمیشہ جمعے کے دن وعظ بھی کرتا ہے ۔

وعظ :

وعظ کا یہ دستور ہے کہ مسجد میں ایک منبر لکڑی یا اینٹ کا بنا ہوتا ہے ۔ اس پر کتاب لے کر میاں مُلاؔ واعظ صاحب بیٹھتے ہیں اور چند لوگ اہلِ اسلام رُوبرو اس کے مسجد میں بیٹھتے ہیں اور وہ آگے پیغمبروں کے قصّے اور شریعت کی نصیحتیں بیان کرتا ہے اور جو بدعتیں ہیں ، سب بیان میں لاتا ہے ۔ اور کہتا ہے کہ فلانا کام یوں کرو ۔ مگر اکثر دیکھا کہ آپ اُن پر عمل کم کرتے ہیں ، بلکہ اس

---

۱ ۔ بجائے روٹیاں ۔

ملک میں ایک مثل مشہور :

"چراغ کے تلے اندھیرا"

یعنی واعظ لوگ بہ مثل چراغ ہیں ، لوگوں کو ہدایت کی روشنی کرتے ہیں اور آپ عمل نہیں کرتے ، اس واسطے وہ اندھیرے میں ہیں ۔ گویا جیسا اندھا مشعلچی لوگوں کو (روشنی) دکھاتا ہے اور آپ نہیں دیکھتا ۔ قرآن شریف میں جناب باری عزّ اسمہ نے ان کی شان میں اشارہ فرمایا ہے :

"آ تامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم"

یعنی حکم کرتے ہیں لوگوں کو نیکی کا اور آپ بھول جاتے ہیں ۔

رنگریز کا حال :

رنگریز بھی ایک گروہ ہے ۔ ان میں کوئی صرف نیل رنگ ہے اور کوئی ہر طرح کا رنگ رنگتا ہے ۔ ان دنوں میں ان لوگوں میں بھی قیدِ قوم نہیں ۔ کوئی راجپوت ، کوئی ارائیں ، کوئی کوئی ہوتا ہے ، اور دستور تولّد تناسل ان کا ان قوموں کے دستور میں مل سکتا ہے ۔ یہ سب شہر لاہور میں اکثر حضرت علی رنگریز کو مانتے ہیں ، اور حضرت علی رنگریز صاحب کی مزار متصل کوٹھی جناب چیف کمشنر صاحب بہادر کے ، شمال رویہ واقع ہے ۔ وہ بڑے صاحب کمال ہوئے ہیں اور انھوں نے شاید رنگریزی کا کام حینِ حیات میں کیا ہے ۔ جو رنگریز کہ نیل رنگ ہیں ، ان کے ہاتھ ہمیشہ سیاہ ہوئے رہتے ہیں ۔ اور جو دوسرے رنگریز ہیں ، وہ سبز، کافوری ، پیازی ، گلابی ، نارنجی ، بسنتی ، صندلی ، گلنار ، سرخ ، اودا ، قرمزی ، زمردی ، کلفی ، کاسنی ، ماہی پشت ، زنگاری ، سوسنی ، زعفرانی ، عنبری ، پستاکی ، آتشی ، شنگرفی ، بادامی ، خاکی رنگتے

ہیں ۔ گلنار اور ماہی پشت اور اودا اور سرخ اور قرمزی اور شنگرفی اور کافوری اور صندلی ، یہ بیش قیمت رنگ ہیں ۔ لباس پوشاک ان کی بھی اکثر تہبند ، کُرتا ، چادر ، دستار ہے ۔

آہن گروں کا حال :

لوہار ترکھان بھی ایک قوم ہے ۔ اگرچہ یہ کسب کا نام ہے ، کسی نے اگر لوہار کا کام سیکھا تو وہ لوہار مشہور ہو گیا اور جس نے معماری سیکھی وہ معمار ۔ لیکن اب یہ قوم مقرر ہو گئی ہے اور اس قوم کے لوگ بہت کام کرتے ہیں ؛ کوئی نعل بند ، کوئی معمار ، کوئی بڑھئی ، کوئی لوہار ، کوئی بندوق ساز ، کوئی میان گر ، کوئی ملاّ ، کوئی مولوی ، کوئی منشی ، کوئی اور اور کام بھی کرتا ہے ۔ اور اگرچہ اب اور اور قوم کے لوگ بھی یہ کام کرنے لگ گئے ہیں مگر اُن کو لوہار ترکھان نہیں کہتے ۔ وہ اپنی ذات کے نام سے مشہور ہیں ۔ اور یہ لوگ تمام پنجاب کے مواضعات میں تو ارزل قوم ہیں اور کوئی ان کی عزت نہیں کرتا مگر بڑے شہروں میں جیسا لاہور ، امرت سر ، بٹالہ ، ہوشیار پور وغیرہ میں یہ لوگ معزز ہیں ۔ چنانچہ شہر لاہور کا قاضی اور بٹالہ کے میاں صاحب جو بڑے پیر ہیں ، اسی قوم سے ہیں ۔ اور یہ لوگ اس ملک میں بہت دانا مشہور ہیں ۔ اور لقمان حکیم اور حضرت داؤد[۴] کو یہ لوگ بہت دل و جان سے مانتے ہیں کیونکہ ان کاموں کا ایجاد ان حضرات سے ہے ۔ اور ان لوگوں کا طریقہ ہے کہ جب کام شروع کرنے لگتے ہیں تو ان بزرگوں کا نام لے لیتے ہیں ۔

ان میں سے شہر لاہور میں بہت لوگ ذی عزت بنے ہوئے ہیں ۔ ان میں جو کہ اہلِ علم مشہور ہیں ، ان میں تو ستر داری

بہ درجہ کمال کرتے ہیں ۔ اور جو اہلِ پیشہ ہیں سو اُن میں کم ضعیفہ عورتیں تو چادر لے کر پھرتی ہیں اور جوان ہمیشہ ڈولی میں آتی جاتی ہیں ۔ اور سوا بھائی اور باپ اور ماموں اور نانا اور خالو اور چاچا کے کسی کے سامنے نہیں ہوتی ہیں ۔ اور غیر محرم آدمی ان کے گھر میں آ جا نہیں سکتا ۔ اور گھر میں سسر اور ان کے رشتہ داروں وغیرہ سے عورتیں دوپٹے کے آنچل سے منہ چھپاتی ہیں اور اس کو بہ زبانِ پنجابی ''گُھنڈ کڈنا'' کہتے ہیں ۔ غرض یہ لوگ بہت سے اشراف اور صاحبِ کرتوت ہیں اور اپنی قوم کو اشرف جانتے ہیں ۔ لباس ان کے مردوں کا دو طرح کا ہے ؛ کوئی تو تہبند اور کُرتا اور پگڑی اور چادر اور کوئی کوئی پھٹے ہوئے کپڑے رکھتا ہے ، اور کوئی شرفایانہ لباس رکھتا ہے ۔ اور جو ان میں سے کوئی اور کام یعنی مُلاّ یا منشی وغیرہ کا کام کرتا ہے ، وہ بھی ذات کا لوہار ترکھان کہلاتا ہے ۔ چناں چہ مصنّف بھی ان لوگوں سے مل بانٹ یعنی تعلق رکھتا ہے اور یہ ہماری برادری مشہور ہے ۔ مگر اتنا فرق ہے کہ ہم لوہار ترکھانوں میں سے ناطہ لے لیتے ہیں اور دیتے نہیں ۔ اور ہم سوا اپنے قرابتی کے کسی کو ناطہ نہں دیتے ۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ عالم فاضل ہو ۔

ان لوہاروں و ترکھانوں میں آگے کئی ذاتیں ہیں ۔ جو یہاں مشہور ہیں ، لکھتا ہوں : ایک چھینہ ، دوسری بھنکری ، تیسری بلسور ، چوتھی ببرا ، پانچویں سرویا ، چھٹی سہمی ، ساتویں بھنڈوی ، آٹھویں بھند ، قس علی ھذا اور بھی ذاتیں ہیں ۔ ان میں جو سرویا ذات ہے ، سو وہ بہت بدذات اور منحوس کر کے مشہور ہے ۔ بلکہ اس کو ایسا خراب اور نحس جانتے ہیں کہ اگر کسی کے گھر اس کی قوم سے کوئی آدمی چارپائی پر بیٹھے تو چارپائی کو توڑ ڈالتے ہیں

اور اگر کوئی حقہ پیوے تو حقے کو پھوڑ ڈالتے ہیں - اگرچہ یہ دستور میں نے کبھی بہ چشمِ خود تو نہیں دیکھا مگر منشی رحیم بخش صاحب المشہور شمس الدین ساکن ضلع بٹالہ حال وارد لاہور اہلمد سنگین فوج داری ، بیان کرتے ہیں کہ یہ واجب اور ٹھیک دستور ہے - بلکہ بہ موجب انھی کے اشارے کے یہ حال لکھا گیا ہے ، اور اصل میں وہ بھی لوہار ترکھان ہیں - شاید کہ یہ دستور ضلع بٹالہ کا ہو -

اس قوم کا شہر لاہور میں تو وہی دستورِ تولّد تناسل ہے جو سب سے پہلے میں نے درجِ کتاب کیا ہے - اور مواضعات میں یہ طریقہ ہے کہ جب کسی عورت کو حمل ہوا تو تا وقتِ ولادت کچھ شگن نہیں کرتے مگر کوئی کوئی رِیت کنجی کر لیتا ہے - اور اگر لڑکا تولّد ہوا تو گُڑ تقسیم کرتے ہیں اور اگر لڑکی ہوئی تو بہ دستور تھوڑا غم - اور چند روزِ چھلے کی محافظت اور سر پانچ دفعہ دھلاتے ہیں - اور نوبتِ اول حمل میں دہان بھی برادری میں تقسیم کرتے ہیں - اور دہان منڈے کو کہتے ہیں - اور ساتھ اس کے سیرا[1] پکاتے ہیں - اور سیرا جس کو کہتے ہیں ، سو یہ ہے : گُڑ اور میدا پانی میں ملا کر پکاتے ہیں ، وہ پتلا سا بن جاتا ہے - آرے کسی بزرگ نے سچ کہا ہے :

"ہر قومے ہر رسمے -" فقط

زمین دار کا حال :

زمین داروں میں طور اور کھوکھر اور جپی اور سانده قومیں ہیں - یہ تو بہ خوبی یاد رہے کہ زمین داروں میں ستر داری بالکل نہیں - ان کی عورتیں کھلے منہ پھرتی ہیں - تمام عمر میں ایک دو دفعہ ڈولی یا پردہ یا چوڈول میں عورتوں کو سوار کرتے ہیں ؛ ایک برات

---

۱ - پتلا حلوہ ، پنجابی

یعنی شادی پر ، اور مُکلاوے پر ۔ اور تشریح شادی اور مُکلاوے کی آگے کہیں کروں گا جہاں شادی کا ذکر اور دستور آوے گا ۔ یہاں دستور حمل پڑا لکھتا ہوں ۔ ان میں بھی کوئی دستور اس بات میں مقرر نہیں مگر بہ دستور دیہات کے دہان اور چھلے پر چُوری کرتے ہیں ۔ اور اگر کوئی خانقاہ نزدیک ہوئی تو عورتیں مل کر سلام کے واسطے جاتی ہیں ۔ اور اگر دولت مند ہوا تو برادری کی ضیافت وغیرہ بھی کرنا ہے ۔ غرض سب دولت کی باتیں ہیں ۔ اور ہر مسلمان میں رسم ہے کہ آنول پرین ، یعنی جو کچھ بچے کے ساتھ پیٹ میں سے مثل آلائش آنول نال لکلتا ہے ، اس کو دفن کر دیتے ہیں ، یعنی زمین میں گاڑتے ہیں ۔

نائی کا دستور :

نائی بھی ایک قوم ہے ۔ اس کو حجام بھی کہتے ہیں[۱] ۔ ان میں آگے کئی ذاتیں ہیں : کوئی نکھل پال ، کوئی پک پتہ ، کوئی جسی ، کوئی ڈھاکری ، کوٹی منویا ، کوئی جھاکری ، کوئی کھوکھر ، کوئی وسیر ، کوئی رولئی ، کوئی پھکو ۔ ان میں بھی دو قسم ہیں : ایک دیہاتی ، ایک شہری ۔ مگر دونوں کا یہی کاروبار ہے کہ لوگوں کی حجامت کرنا اور لڑکوں کو ختنے بٹھانا ۔ اور ہر قوم کا ایک نائی ورتی مقرر ہوتا ہے ، یعنی جب کسی کے گھر شادی غمی ہوتی ہے تو وہی نائی بہ طور خدمت گاری کام کرتا ہے ۔ یعنی ہر طرح کی خدمت اور کاروبار میں حاضر رہتا ہے ۔

اور نائی لوگوں میں سترداری بالکل نہیں کیونکہ عورتیں ان کی بھی خدمت کرتی ہیں ۔ ان لوگوں میں جو دیہاتی حجام ہیں ، وہ تو کچھ رسمِ تولّد تناسل نہیں کرتے مگر ایک دوآبسے کے حجام سے میں نے پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ ہمارے ملک میں رسم ہے کہ

---

۱ ۔ اس کے بعد ایک جملہ بر بنائے ثقالت حذف کر دیا گیا ہے ۔

جب پہلی دفعہ کسی کے گھر میں امیدواری ہوئی اور تولد تناسل درمیان آیا تو بچے کے ننہیال سے کچھ کھچڑی اورگھی آتا ہے ۔ اگرچہ چھلے میں یہ دستور پانچ دفعہ سر نہاتے ہیں مگر بعد چھ سات روز کے عورت زائیدہ باہر اندر نکل بیٹھتی ہے ۔ اگر لڑکا تولد ہوا تو چھلے پر کوئی غلہ یعنی گیہوں یا چنا یا مکی کو پانی میں اُبال کر تقسیم کرتے ہیں ۔ اور دولت مند دہہان بھی کرتے ہیں ۔ اور شہری حجاموں میں کوئی نیا دستور نہیں ، بہ موجب رسم ارائیوں کے سب رسمیں کرتے ہیں ۔

کان چھدنا :

جب کسی کے گھر میں لڑکا پیدا ہوتا ہے تو کوئی کوئی شخص لاڈ پیار کے واسطے اس کے کان میں سوراخ کرواتا ہے اور اس میں چاندی سونے کی بیربلیاں[۱] ڈالتا ہے ۔ بیربلیاں چھوٹی بالی کو کہتے ہیں ۔ یہ یاد رہے کہ جس لڑکے کے کان چھدے ہوئے ہوں تو معلوم کرنا چاہیے کہ اس کے ماں باپ اس کو بہت پیار کرتے ہوں گے ۔ اور اکثر لاڈلے لڑکے کے دونوں کانوں میں صرف تین چھید کرتے ہیں ، یعنی ایک کان میں دو چھید اور ایک میں ایک ۔ دائیں میں ایک اور بائیں میں دو ۔ اور بعضے لوگ لڑکے کے[۲] ناک میں چھید کرتے ہیں اور اس میں ناتھ سی ڈال دیتے ہیں تو اس لڑکے کا نام "نتھو" کرکے مشہور ہو جاتا ہے ۔ مگر یاد رہے کہ صرف یہ رسم اکثر ادنی لوگوں میں مروج ہے ۔ اور لڑکیوں کے کان اور ناک چھدانا تو رسمِ عام ہے کہ ہر لڑکی کے

---

۱ - بیربلیاں : چھوٹی چھوٹی بالیوں کو کہتے ہیں ۔ مُرکی بھی چھوٹی بالی ہوتی ہے جو عموماً سونے یا چاندی کے سادہ تار سے بنائی جاتی ہے ۔ بیربلی ، مُرکی سے زیادہ خوشنما ہوتی ہے ۔

۲ - پنجابی میں ناک مؤنث کے بجائے مذکر ہے ۔

دونوں کانوں میں چالیس چھید سے کم نہیں ہوتے او ناک میں ایک دو۔

ادنیٰ لوگ بے معنی نام اکثر رکھ لیتے ہیں۔ اور یہاں اس خیال سے کہ نام سے ادنیٰ آدمی پہچانا جاوے، چند نام لکھے جاتے ہیں: چنانچہ گھسیٹا، متو، شلا، بھلا، گاماں، جمعہ، جواہر، ماہیا، سدھا، چِدا، کموں، بدا، عیدو، حاکو، بوٹا، چھکڑ، ہیرا، متا، کاکو، فتو، میرو، بدوہ، پیرو، غوثا، چنو، دارا، شمہ، ملھو، دُلاّ، امامی، ممن، مادا، ماہی، مانی، نورا، ولیا، مکھن، ممون، گام، کھیوا، بھدا، ڈیڈو، حسو، کالو، جگو، بھگو، طوطی، رجو، انار، چھجو، نبیا، چغتا، متاب، عنبر، بوٹا، گھلا، وساون، قادو، ہیمو، رملا، امیرا۔

ادنیٰ لوگوں میں یہ بھی معمول ہے کہ جب کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا تو گُڑ آٹا لے کر مسجد میں مُلاّ کے پاس جاتے ہیں اور نام رکھنے کے واسطے پوچھتے ہیں۔ وہ آٹا اور گُڑ لے لیتا ہے اور قرآن شریف کھولتا ہے۔ جو قرآن شریف کے شروع صفحہ میں پہلے حرف ہوا، اسی حرف سے اس کا نام رکھتے ہیں۔ چنانچہ مُلاّ نے قرآن شریف کھولا، اس میں پہلے حرف واؤ نکلا تو اس مولود کا نام، اگر لڑکا ہوا تو ولی محمد یا ولا یا ولیا یا واصل رکھا۔ اور اگر لڑکی ہوئی تو واصلہ یا واسو۔ اور اصل شریعت میں حکم ہے کہ فرزند کا وہ نام رکھو جس میں خدا اور رسول کا نام آوے اور انبیاءِ گزشتہ کا بھی، جیسا احمد علی یا غلام رسول، عبداللہ، ابراہیم، موسیٰ، داؤد۔ اور یہاں یہ بھی مناسب معلوم ہوا کہ یہ بھی بیان کیا جاوے کہ خدا اور محمد صاحب (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے بہت نام ہیں۔ سو شرفا میں بجائے خود ماں باپ ایسا نام کہ جس میں حضرتؐ کا نام آوے، رکھ لیتے ہیں۔ اور نام روزِ تولّد سے ایک ہفتے تک مقرّر کیا جاتا

ہے - بے معنی نام نہیں رکھتے اور لڑکیوں کو وہ نام دیتے ہیں کہ جس میں فاطمہ ، محمد صاحب (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کی بیٹی ، اور ان کی حرموں اور بی بی مریم اور حضرت آسیہ اور سارہ کا نام آوے - اور اب اکثر گھروں میں دستور ہو رہا ہے کہ نہ قرآن ، نہ مُلاّ سے پوچھتے ہیں ، خود بہ خود ہی جو مرضی آیا نام رکھ لیا -

زمین داروں کا حال :

زمین داروں کی ذاتیں بہت ہیں - ہر قدر کہ مصنّف کو معلوم ہوئیں ، لکھی جاتی ہیں - سیالکوٹ کے متصل ایک ظفروال گاؤں ہے ، وہاں یہ زمین دار بہت ہیں : منہاس ، سلاہریا ، گُھمّن ، چٹّھے ، پُھلتّر ، دھلتّو ، سان ، بسرا ، رولو ، کھنگوری ، سندھو ، دھاری وال -

ان میں بھی تولّد تناسل پر گُڑ تقسیم کرتے ہیں اور بہ دستور چھلے میں پانچ دفعہ غسل کرتے ہیں اور چُوری کرتے ہیں - ہرمل وغیرہ کی رکھ نہیں - کوئی دہان بھی کرتا ہے - اور دائی جنائی ہر روز ان کے گھر نہیں آتی ، چھلے میں چھ سات دفعہ خبر لینے کو آتی ہے - اور دائی کو صرف آٹھ دس آنے دیتے ہیں - اور کوئی دولت مند زمین دار ہوتا ہے تو عقیقہ وغیرہ بھی کرتا ہے اور ناچ وغیرہ بھی کراتا ہے - برادری میں سے کچھ نقد آمدنی بھی ہوتی ہے - عورت زائیدہ کو گھی وغیرہ ضرور کھلاتے ہیں اور سرھانے کوئی چیز لوہے کی ضرور رکھتے ہیں ، اور اس کو "رکھ" کہتے ہیں - اور اس سے ان کا یہ خیال ہے کہ لوہے کی چیز سے جِنّ ، دیو ، پری ڈر کے بھاگتے ہیں - چالیس روز اس کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتے -

سنار کا حال :

سنار بھی ایک قوم ہے - ان میں کوئی زیور بناتا ہے ، کوئی

چتیرا[1] ہے ، یعنی زیور پر نقش نکالتا ہے - ان کی اصل میں باون ذاتیں ہیں مگر جو مشہور ہیں ، سو یہ ہیں : ببر ، بھٹی ، مسنک ، دھرنا ، لدھر ، ساون ، سدیوڑے ، دھنی ، ککی ، شیہنہ ، جالو ، سروائے ، ٹھلی ، ستن ، جوڑی ، ٹھڈی ، ریتی ، کندی ، رنکل ، پدڑی وغیرہ - یہ بھی ادنیٰ لوگ ہیں - ان میں بھی ستر داری نہیں کرتے - جب ان لوگوں کے یہاں تولد تناسل ہوتا ہے تو برادری میں چوری تقسیم کرتے ہیں - مگر نوبت اول میں سب رسم ، جو شرفا کے دستور میں لکھی گئی ہے ، ہوتی ہے - اور بعضے سناروں میں چھٹی کے روز حلوہ برادری میں تقسیم کرتے ہیں - مگر میر لوگوں[2] میں ضرور حلوہ بانٹتے ہیں - اور بہ دستور چھلے میں پانچ سر نہاتے ہیں ، اور ہرمل وغیرہ نہیں جلاتے - بچے کی ننھیال سے کچھ زیور بچے کا اور اس کے ماں باپ کے کپڑے آتے ہیں -

اور سنار کا کام اس طرح سے کرتے ہیں کہ جب کسی نے چاہا کہ کچھ زیور تیار کراوے تو سنار کو چاندی یا سونا یا روپیہ دیا اور کہا کہ فلانا زیور ہم کو بنا دے ، وہ چند روز میں بنا دیتا ہے - بعد ازاں صراف سے کھرا کھوٹا معلوم کرا لیتے ہیں - اور مزدوری محنت زیور صنعت کی اس کو دے دیتے ہیں - اور یہ لوگ بد معاملہ کر کے مشہور ہیں ، راست باز کوئی نہیں ہوتا - جب یہ لوگ چاندی سونے کو گالنا چاہتے ہیں تو اس کو بوتہ میں ، کہ کٹھالی کر کے مشہور ہے ، رکھتے ہیں اور پھر اس کٹھالی کو آگ پر[3] دھرتے ہیں ،

---

۱ - زیور کو چھیلنے والا -
۲ - "میر لوگ" سے غالباً اہلِ ہندوستان یا اہلِ دہلی و لکھنو مراد ہیں - اہلِ پنجاب اس زمانے میں بھی انھیں ہندوستانی ہی کہتے تھے -
۳ - اصل : میں - تصحیح از مرتب -

اور اوپر اس کے کوئلے رکھتے ہیں اور پنکھے سے سلگاتے ہیں ۔ جب کوئلے خوب دہک جاتے ہیں تو پھر نال سے پھونکتے ہیں ۔ پھر اس چاندی یا سونے میں سوہاگا ڈالتے ہیں ، وہ گل جاتا ہے ۔ پھر اس کٹھالی کو چمٹے سے پکڑ کے نکالتے اور ریزے میں تھوڑا سا تیل ڈال کے الٹ لیتے ہیں ۔ پھر سرد کر کے جو بنانا ہوتا ہے ، بناتے ہیں ۔ اور ایک ہتھیار ان کا کترنے کے واسطے ہے ، اس کو کات کہتے ہیں ۔ اور سب ہتھیاروں کے نام یہ ہیں : کات ، سوہان ، ہتھوڑا ، کھل ، سندان اور کانٹا جس سے وزن کرتے ہیں ۔ چاندی کو کشتے اور سونے کو پھٹکڑی ، نمک نوشاد سے رنگ دے کر جلا کرتے ہیں ۔ جو دانا لوگ ہیں ، سو اپنا زیور پاس بیٹھ کے بنواتے ہیں ۔ چاندی کے زیور کی مزدوری ایک آنہ روپیہ سے چار آنہ روپیہ تک ہے ۔ اور سونے کے زیور کی مزدوری ایک دو آنہ روپیہ سے آٹھ آنے روپے تک کی ہے ۔ اور یہ فرق کام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے ۔ اور اس ملک میں اکثر ہندو سنار بھی ہوتے ہیں مگر مسلمان بہ کثرت ۔

قریشی :

یہ ایک اشراف قوم ہے اور یہ بھی شیخ کہلاتے ہیں ۔ اصل میں یہ جناب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں ۔ اور بعضے قریشی حضرت عمر کی اولاد کہلاتے ہیں ۔ راہ و رسم ان کی پنجاب میں اشرافانہ (ہے) ۔ اب اس زمانے میں یہ لوگ بھی ہر قسم کا روزگار کرتے ہیں ۔ اگلے زمانے میں یہ لوگ اکثر اہلِ قلم ہوتے تھے ۔

طبیب کا حال :

طبیب بھی ایک گروہ ہے ۔ عوام اس کو حکیم کہتے ہیں ۔

ان لوگوں میں بھی کوئی ذات مقرر نہیں ۔ کوئی کسی قوم سے ، کوئی کسی قوم سے ۔ اس واسطے ان کا کوئی دستور خاص تولد تناسل کا مقرر نہیں ۔ کیونکہ جس قوم سے ہوگا ، اسی کا دستور کرے گا۔ ان لوگوں کا یہ دستور ہے کہ ایک مکان اپنی نشست کے واسطے مقرر کرتے ہیں اور اس جگہ میں ایک دو کھرل اور بوتلیں اور چند 'پڑییں'[1] دوائی کی رکھ چھوڑتے ہیں ۔ اور اصل میں 'پڑی'[2] اس کو کہتے ہیں کہ کوئی چیز کسی کاغذ میں لپیٹی اور مثلث کیا ، فقط ۔ وہاں بیمار لوگ آتے ہیں ، نبض اور قارورہ دکھاتے ہیں اور وہ دوائی کے واسطے نسخہ لکھ دیتا ہے ۔ مریض عطار اور پنساری سے دوا لے کر استعمال کرتا ہے ۔ اور جب مریض کو صحت ہو جاتی ہے تو کچھ نقدی بہ طور شکر کے طبیب کو دیتے ہیں ۔ قارورہ اس کو کہتے ہیں کہ بول کو ایک چھوٹے شیشے میں ڈال کر طبیب کو دکھاتے ہیں ۔ اور نسخہ اس کاغذ کو کہتے ہیں جس میں وہ دوائی لکھ کر دیتا ہے ۔ اور پنساری ایک دوکان دار کا نام ہے جو شربت ، عرق اور دوائیات بیچتا ہے ۔

کسی مریض کو طبیب دوائی اپنے پاس سے دے دیتا ہے اور قیمت اس کی لے لیتا ہے ۔ اور جو اعلیٰ اور اشراف امیر لوگ ہیں ، ان کے یہاں جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو وہ طبیب کو گھر بلاتے ہیں ۔ جب وہ گھر میں آتا ہے تو پہلے روز اس کو بہ طور نذر کچھ دیتے ہیں اور پھر جب صحت ہوتی ہے تو پھر قدر کے موافق اس کو رخصتانہ دیتے ہیں ۔ کوئی کوئی کپڑا اور نقدی ، کوئی صرف نقد ۔ اور اگر کوئی بیمار مر گیا تو طبیب کو کچھ الزام نہیں ۔ اس

---

۱ ۔ پنجابی بجائے 'پڑیاں' ۔ ۲ ۔ پنجابی ، بجائے 'پڑیا' ۔

ملک میں بعضے نیم حکیم خطرۂ جان ہیں ، یعنی علم کا ایک حرف نہیں جانتے اور طبابت کرتے ہیں ، بلکہ کوئی کوئی عطار بھی طبابت کرتا ہے مگر دانا لوگ اس سے دوائی نہیں کھاتے ۔ فقط

کلانوت :

(یہ) بھی ایک گروہ ہے ۔ فنِ شریف ان لوگوں کا گانا بجانا مگر ان میں مستورات مستور اور سب دستور موافقِ شرفا ۔ اصل مخرج ان کا یوں معلوم ہوا کہ تغلق شاہ کے عہد میں ایک شخص نایک نام بڑا مشہور گویّا تھا اور بادشاہ اس کے راگ کو بہت عزیز رکھتا تھا ۔ اتفاقاً شاہ تغلق نے چار لڑکے امرد خوب صورت خرید کر حوالے نایک کے ، واسطے تعلیمِ موسیقی کے کیے ۔ حتّٰی کہ وہ چاروں ، اُستاد سے بھی گوے سبقت لے گئے ۔ نام ان چاروں کا یہ ہے : اول کا گوبریا ، دوسرے کا نام کھانڈے راؤ ، تیسرے کا نام نوہا ، چوتھے کا نام ڈگرا ۔ اصل کل کلانوتوں کا یہی چار حضرات زر خریدِ شاہ تغلق ہیں ۔ اور بہ سبب انھی ناموں کے یہ لوگ چار قسم کے ہیں ؛ ایک جو اولادِ گوبریا ہیں ، سو گوبرہارے ۔ اور دوسرے جو کھانڈے راؤ ہیں ، کھنڈیرے ۔ تیسرے جو اولادِ نوہا ہیں ، سو نوہارے ۔ اور چوتھے جو اولادِ ڈگرا ہیں ، سو ڈاگرہارے ۔

اصل میں لفظ کلانوت ، کلامت (ہے) یعنی عقل کی کلا ۔ اب کلانوت مشہور ہو گئے ۔ ان لوگوں میں ناطہ نسبت صرف آپس میں ہی کرتے ہیں ۔ اگر ان میں سے کوئی عورت بیوہ ہو جاوے تو دوسرا شوہر نہیں کرتی ۔ یہ لوگ اور میراثی وغیرہ شوقین لوگوں کو گانا سکھلاتے ہیں اور اکثر امراے ہند ان لوگوں کا گانا بجانا پسند کرتے ہیں ۔ بعضے ان میں بھی ایسے نالایق ہوتے ہیں کہ صرف گانا بجانا بھی

نہیں جانتے ، ہر ایک کی نظروں میں خفیف نظر آتے ہیں - رنڈی یعنی کنجریوں کو تعلیم نہیں دیتے یعنی ان میں کنچنیوں کو گانا سکھانا ممنوع ہے - یہ لوگ اکثر طنبورے سے گاتے ہیں - ہنرمند کلانوت بڑے مغرور ہوتے ہیں - حاضر جوابی اور تمسخر بھی ان میں بہت ہوتا ہے - اکثر اس ملک میں بانکا لباس رکھتے ہیں - جب دیکھو تو ''موچھ مڑوڑ خاں'' ہی بنے رہتے ہیں - فقط

طِلا والا :

طِلا بنانے والے بھی ایک گروہ ہے - یہ شہر لاہور میں اگرچہ ہندو کا کام ہے مگر کوئی کوئی شیخ مسلمان بھی یہ کام کرتا ہے - اس کا یہ معمول ہے کہ طِلا دو رنگ کا ہوتا ہے ؛ سفید اور سرخ - سفید تو صرف چاندی کی تار سے بناتے ہیں ، اور سرخ بھی چاندی سے بنتا ہے مگر اس میں چاندی پر سونا چڑھاتے ہیں - پہلے چاندی کندلہ کش کے پاس جاتی ہے - وہ اس کی تار[۱] بنا کے اس پر سونا چڑھاتا ہے - اور اس کا یہ معمول ہے کہ سیر چاندی اس کو دیتے ہیں ، اور ایک سیر چاندی کو یہ لوگ کندلہ کہتے ہیں - وہ اس پر بہ اختیارِ مالک سونا چڑھاتا ہے - کوئی ایک تولہ سترہ ماشے ، کوئی اٹھارہ ماشے - جتنا سونا زیادہ چڑھتا ہے ، اتنا رنگ زیادہ ہوتا ہے - جب وہ تیار کرتا ہے تو پھر تارکش اس کو لمبا کرتا ہے - پھر وہ (تار) کُھڈیہ کے پاس آتی ہے ، وہ اس کو بہت مہین کرتا ہے - پھر اس کو طِلا والا لاتا ہے اور ریشم کی تار پر چڑھاتا ہے -

دستور اس کا یہ ہے کہ ایک کنڈہ چھت میں لگاتے ہیں اور اس میں سے ریشم وار پار کرتے ہیں - اور ریشم بہت سا ایک طرف رہتا

---

۱ - پنجابی میں تار مؤنّث ہے -

ہے اور دوسری طرف ایک سلائی سے اس ریشم کا سرا چمٹا دیتے ہیں ۔ اور سلائی کو ہاتھ میں لےکر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی سے بٹ چڑھاتے ہیں اور پھر اس پر وہ تار چڑھاتے ہیں ۔ وہ بہ سبب بٹوں کے اس پر چمٹ جاتی ہے ۔ پھر اس کو لپیٹ کر تار اسی طرح سے چڑھاتے ہیں[1] ۔

جب ایک گز برابر تیار ہوا ، اس کو سلائی پر لپیٹ لیتے ہیں ۔ جب سلائی بھر گئی تو اس پر سے اتار کر گنچھیں بنا لیتے ہیں ۔ گچھیں اس کو کہتے ہیں کہ اس کو ہاتھ کی بالشت پر لپیٹا اور جب سو گز یا کم زیادہ ہو گیا تو اتار کر تہہ کیا اور سفید کپڑے کے پارچے میں باندھ کے رکھا ۔ اس کپڑے کو بیٹھن کہتے ہیں ۔

سکھوں کے وقت میں اس کی فروخت بہت ہوتی تھی ۔ اب یہ لوگ تنگ ہیں ، بِکری کم ہے ۔ چونکہ یہ لوگ بھی ہر قوم سے کام مین شریک ہو جاتے ہیں لہٰذا ان کا کوئی ایک دستور نہیں ۔

خراسی کا حال :

خراسی بھی ایک قوم ہے ۔ یہ اکثر دہقان لوگ ہوتے ہیں ۔ خراسی اس کو کہتے ہیں جو خراس میں آٹا پیستا ہے ۔ خراس بھی چکّی کے موافق ہوتا ہے مگر چکّی چھوٹی ہوتی ہے اور خراس بڑا ہوتا ہے ۔ چکّی آدمی پیستا ہے اور خراس (چونکہ) بڑا ہوتا ہے اس کو بیل چلاتا ہے ۔ ان لوگوں میں بھی بہ طور زمین دارہ رسومات کرتے ہیں ۔ اگرچہ شہر لاہور میں یہ لوگ بہت ہیں مگر وضع دہقانی ۔ کوئی ارائیں اور کوئی نان بائی بھی یہ کام کرتا ہے ۔ خراسی لوگوں میں بھی ستر نہیں ۔ تولّد تناسل پر گُڑ تقسیم کرتے ہیں اور چُوری بھی کرتے ہیں ، اور چھلے پر کسی خانقاہ پر ضرور جاتے ہیں[1] ۔

---

۱ ۔ اس کے بعد "تصویرِ طلا والا" حذف کر دی گئی ۔

اور یہ لوگ عید پر جو ماہِ رمضان کے بعد آتی ہے ، سیویاں بھی بناتے ہیں ۔

عید کی سیویوں کے استعمال کا حال :

عید کا حال آگے لکھوں گا مگر یہاں سیویاں بنانے کا حال ضرور لکھنا چاہیے ۔

سیویں :

سیویاں میدے سے ، جو بہت باریک آٹا سفید گیہوں کا ہوتا ہے ، بنتی ہیں ۔ رنگ ان کا سفید ، شکل ان کی تاگے کے موافق ، چھ چھ سات سات انچ لمبی ۔ ترکیب ان کے بنانے کی یہ ہے کہ میدے کو سخت کر کے گوندھتے ہیں اور پھر اس کو گھوڑی میں بہ قدر ایک سیر ڈالتے ہیں ، اور اوپر اس گھوڑی کے ایک دو آدمی ہو بیٹھتے ہیں ۔ نیچے اس گھوڑی کے چھلنی ہوتی ہے ، وہاں سے سیویاں نکلتی ہیں ۔ ایک آدمی وہاں سے لے کر کانٹوں[2] پر پھینکتا ہے اور وہ دھوپ میں سوکھتی ہیں ۔ میدہ سوجی بھی یہی لوگ بناتے ہیں اور دوکانداروں کے پاس بیچتے ہیں ۔ اور جس کسی کو میدہ یا آٹا یا سیویں درکار ہوئیں وہ ان سے جا کے لے آتا ہے ۔ سیویں جب تیار ہو جاتی ہیں تو ان کو ایک بڑے ٹوکرے میں کپڑا بچھا کے رکھتے ہیں ۔ اور اکثر بندو دوکانداروں کے پاس بیچتے ہیں ۔ وہ یک جا ان سے چند روپے کی مول لیتے ہیں اور اپنی دوکانوں پر نفع لے کر بیچتے ہیں ۔ خدا جانے کیا

---

۱ ۔ اس کے بعد خراس کی تصویر تھی جسے حذف کر دیا گیا ۔

۲ ۔ کذا ۔ سیویاں عموماً سرکنڈوں پر سکھائی جاتی ہیں ۔ پنجابی میں سرکنڈے کو 'کانا' کہتے ہیں ۔ ممکن ہے سہو کتابت سے ''کانوں'' کو ، جو پنجابی میں 'کانا' کی جمع ہے ، کانٹوں لکھا گیا ہو ۔

کے باعث ہے کہ ہندو دوکانداروں کو وہ سستی دیتے ہیں ۔ کوئی اور خانہ دار لینے جاوے تو اس نرخ سے کم دیتے ہیں ۔

اب خاص شہر لاہور میں ایک ہندو بھی سیویں بنا کے بیچتا ہے اور وہ کوچہ بہ کوچہ بازار بہ بازار بیچتا پھرتا ہے ، اکثر ہندو اس سے لیتے ہیں ۔ اور سیویں دو قسم (کی) ہوتی ہیں : ایک رومالی ، دوسری موٹی ۔ رومالی بہت مہین کو کہتے ہیں ۔ اور زمیں داروں کی عورتیں بغیر گھوڑی کے ہاتھوں سے گھڑوں پر سیویاں بناتی ہیں ۔ شکل ان سیویوں کی بعینہ مانند چراغ کی بتی کے ہوتی ہے ۔ گھوڑی ایک لکڑی کی چیز ہے ، چار پاؤں اس کے بناتے ہیں[1] ۔

اور خراسی لوگ ایک من گیہوں یعنی چالیس سیر کی پسوائی اب چار آنے لیتے ہیں ۔ بعضے خراسی صرف میدہ بیچتے ہیں ۔ میدے پر محنت بہت ہوتی ہے اور بعضے گیہوں لا کر آٹا بنا کے بیچتے ہیں ۔ میدہ بھی کئی قسم کا ہوتا ہے ؛ کوئی نانوں کے موافق ، کوئی لُچیوں کے موافق ، کوئی حلوے کے واسطے ، کوئی مٹھائی یعنی شرینی[2] کے واسطے ۔

شہر لاہور میں یہ لوگ اکثر میاں خاں کی حویلی اور لاہوری[3] منڈی میں رہتے ہیں ۔ اور کوئی کوئی خراسی اور اور جگہ بھی رہتا ہے ۔ کوئی نئی رسم تولد تناسل کے باب میں ان لوگوں کی نہیں ۔ عورتیں ان کی اکثر چولی اور لہنگا پہنتی ہیں مگر بہت بے شرمی کی بات کہ پیٹ ان کے ننگے رہتے ہیں ۔ اور لہنگا وہ کپڑا ہے جو اکثر کھترانیاں پہنتی ہیں ۔ مگر خراسناں اکثر نیلا لہنگا پہنتی ہیں ۔

اس ملک میں دستور ہے کہ جوان جوان لوگ گرمی کے موسم

---

۱ ۔ یہاں سے ایک جملہ اور گھوڑی کی تصویر حذف کر دی گئی ہے ۔
۲ ۔ پنجابی ، بجائے شیرینی ۔
۳ ۔ اب اسے لوہاری منڈی کہتے ہیں ۔

میں گلے سے ننگے رہتے ہیں اور گلے ننگے رہنے سے کچھ شرم نہیں کرتے۔ اور لڑکے بالے تو پانچ پانچ چھ چھ برس تک ننگے منگے پڑے پھرتے ہیں - اور اکثر عام لوگوں کی اولاد مٹی میں کھیلتی رہتی ہے، اور بلکہ مشہور ہے کہ مٹی میں کھیلنے سے لڑکے کے بدن میں طاقت آتی ہے - فقط

پُھلیرا کا حال :

پُھلیرا یعنی گل فروش ، یہ بھی ایک گروہ ہے - اکثر یہ لوگ قوم ارائیں یا کمو[1] سے ہوتے ہیں - پیشہ ان کا پھول بیچنا - بعضے تو یوں کرتے ہیں کہ کسی باغیچے میں گلزار مول لے چھوڑتے ہیں ، بہ موجب ہر فصل کے کبھی گلاب اور کبھی موتیا اور کبھی چنبہ اور کبھی گلِ شبّو اور کبھی سیوتی - کئی ایک تو پھلیروں میں سے دوکان کرتے ہیں - ان کا تو یہ معمول ہے کہ صبح گلزار میں گئے اور وہاں سے پھول لائے اور دوکان پر لا کے ان کے ہار گوندھے اور تمام روز یہی کام کرتے ہیں - اور اکثر ہندو لوگ ہر روز اپنے صنم کدوں یعنی ٹھاکر دواروں میں جاتے ہیں - ان کی خرید و فروخت لگی رہتی ہے - اور بعضے مسلمان بھی قبروں پر پھول لے جاتے ہیں -

اور فروری اور مارچ میں گل فروش اکثر گلاب کے پھول لاتے ہیں - اس موسم میں ان کی فروخت کا بازار گرم رہتا ہے؛ یعنی کوئی تو عرقِ گلاب کے واسطے پھول لیتا ہے اور کوئی گل قند بنواتا ہے ، اور یہ دونوں چیزیں بکثرت تیار ہوتی ہیں ، کیونکہ مریضوں کے واسطے بہت کام میں آتی ہیں - اور ہر ایک علیٰ قدرِ مراتب گلاب کے پھول گھر میں عورتوں کے پہننے کے واسطے لیے جاتا ہے - بعضے گلاب کے ہار

---

۱ - پنجابی ، بجائے کنبو -

بنوالے جاتے ہیں اور بعضے کانوں کے واسطے گُچھتے بنوا کے لے جاتے ہیں ۔ گُچھتے کے یہ معنی ہیں کہ دو تین پھولوں کو ایک تاگے میں پرویا اور بند کیا ۔ پھر اس گُچھتے کو عورتیں بالیوں میں پہنتی ہیں ۔ اور اسی موسم میں گلِ بیسد مشک آتا ہے ۔ وہ بھی عرق کے واسطے بہت بکتا ہے ۔ اور پھر ماہ جولائی اور اگست اور ستمبر اور اکتوبر میں موتیا کے پھول آتے ہیں ۔ یہ پھول بہت اچھا مست بُو ہوتا ہے ۔ خوش بُو اس کی بہ درجۂ کمال مست اور دلچسپ ۔ جب اس کو سونگھیے تو دل خواہ مخواہ خوش ہوتا ہے ۔ اس پھول کو اکثر عورتیں کان میں پہنتی ہیں اور ان کے ہاروں کا بھی بہت بِکاؤ ہوتا ہے ۔ جون سے پھول کہ عورتیں کان میں پہنتی ہیں ، وہ اکثر دو دو پھول ہوتے ہیں ۔ بعضے تاگے سے جوڑتے ہیں اور بعضے خدا کی قدرت سے دو دو ہوتے ہیں ۔ اس کا نام لُڑکی ہے ۔ ہر قوم میں اس پھول کا بہت بِکاؤ ہوتا ہے ۔

اور بعضے گل فروش دوکان نہیں کرتے ۔ وہ پھول لا کے چنگیر میں رکھ کر کوچہ و بازار میں بیچتے پھرتے ہیں ۔ اور اکثر جمعرات میں مسلمان سہرے لیتے ہیں ، وہ ایک ایک پائی کو بکتا ہے ۔ بعضے مسلمان تو اس سہرے کو کنویں پر چڑھاتے ہیں اور بعضے گھروں میں "پیر کی جگہ" پر چڑھاتے ہیں ۔

پیر کی جگہ :

پیر کی جگہ سے یہ مراد ہے کہ کوئی کوئی مسلمان بے علم ، جو دینی مسائل سے واقف نہیں ، گھر میں کسی جگہ کو دہشت ناک خیال کر کے اس کو یہ قرار دیتے ہیں کہ کسی زمانے میں یہاں کسی بزرگ کی قبر ہو چکی ہوگی ۔ اس لحاظ سے اس جگہ ، یعنی دیوار میں

ایک کیل لکڑی کی ٹھوکتے ہیں اور ایک طاقچہ بھی پاس اس کے بناتے ہیں - اور ہر جمعرات کی رات کو وہاں چراغ جلاتے ہیں اور ایک سہرا پھولوں کا اس کیل سے لٹکا چھوڑتے ہیں - مگر دانا لوگ عالم فاضل ایسے دستوروں کو نہیں مانتے بلکہ کفر جانتے ہیں - اور بعضے بجا لاتے ہیں - مگر میں بالکل ایسی باتوں کو ہنسی جانتا ہوں اور میرا اعتقاد بالکل نہیں -

اور علاوہ اس کے بیاہ شادی ، موت فوت میں بھی پھول خرچ ہوتے ہیں - بہ طور ارائیں لوگوں کے راہ و رسمِ تولّد تناسل بجا لاتے ہیں - فقط

درزی کا دستور :

درزی بھی ایک قوم ہے ، پیشہ ان کا کپڑا سینا - کوئی تو ان میں سے دوکان کرتا ہے اور ہر شخص ان کو کپڑا سینے کے واسطے دے جاتا ہے - جو کوئی ان میں بہت کاریگر ہوتا ہے ، وہ بیل بُوٹا بھی کر لیتا ہے - اور بعضے ان میں سے گھروں میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں - عورتیں ان کی مردوں کے برابر کماتی ہیں - ان لوگوں میں بھی ستر داری نہیں کرتے -

ان میں بھی کئی قومیں ہیں ؛ کوئی رتو ، کوئی میرے ، کوئی انڈی ، کوئی سہنسی ، کوئی ہڑڑ ، کوئی سپل ، کوئی پرتھ ، کوئی کھوترے ، کوئی نمکر ، کوئی چوغتہ ، کوئی سرال - جو کہ رتو مشہور ہیں ، اس کا تو یہ باعث ہے کہ ان کے کوئی بڑے کسنبھے میں جنے تھے ، اس واسطے وہ اس نام سے مشہور ہوئے - اور کسنبھا ایک پھول ہے جس کو گلِ معصفر کہتے ہیں -

ان لوگوں میں دستور ہے کہ کنجی نہیں کرتے اور جب بچہ

پیدا ہوا تو چھلے میں کسی روز ریت کرتے ہیں ، یعنی بڑوں کے کام اور نام کا فاتحہ کرتے ہیں اور اس میں حلوہ اور کلیجی پکاتے ہیں ۔ اور ریت کے کھانے کو کوئی غیر آدمی سوا گھر کے لوگوں کے نہیں کھاتا اور کھلانا اس کا ممنوع ہے ۔ اور جب تک ریت نہ کریں تب تک اس گھر میں گوشت نہیں پکاتے ۔ اور ریت کے روز کلیجی میں سے سات ٹکڑے گوشت کلیجی کے لے ، نمک لگا بھون کر کوئی بڑا ان کا عورت زائیدہ کے ہاتھ پر رکھتا ہے اور وہ کھا لیتی ہے ۔ اور سب دستور برابر (ہیں) ۔ چھلے پر چوری کرتے ہیں اور کسی خانقاہ پر ضرور جاتے ہیں اور گیت بھی گاتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں ۔

اور میرے یہ سب سے بڑی ذات درزیوں میں ہے ۔ ان میں کوئی نیا دستور نہیں ، یہ دستور چھلہ وغیرہ کرتے ہیں ۔ فقط

ان دونوں میں جب حمل کو سات مہینے گزرتے ہیں تو ان میں ایک نیا دستور یہی ہے کہ اس وقت اس عورت کو کسی پرانے بیر کے درخت کے نیچے لے جاتے ہیں اور اس کے نیچے گوبر کا لیپن دیتے ہیں اور پھر گوبر کا ایک پتلا بناتے ہیں اور اس کے گلے میں اس عورت کے ماں باپ چاندی کی بہت پتلی ہنسلی پہناتے ہیں اور پھر اس کو سجدہ کرتے ہیں ۔ اور پھر وہاں حلوہ اور کلیجی بطور ریت پکاتے ہیں اور آپس میں بیٹھ کر کھاتے ہیں اور میراثی کو بھی کھلاتے ہیں ۔ اس میں ملاّ وغیرہ داخل نہیں ہوتا ۔

اور جب لڑکا ہوا تو پھر جب تک ریت نہ کریں تب تک گوشت نہیں کھاتے ۔ اور جب ریت کی تو اس کا یہ معمول ہے کہ ثابت کلیجی بھونی اور حلوہ پکایا اور آپس میں کھایا ۔ اس وقت بھی گوبر کا لیپن دیتے ہیں ۔ اور ایک پتھر سیاہ رنگ ، جس میں ایک خط بہ طور معدل النہار سفید رنگ ہو ، نکالتے ہیں اور اس کو بہ طور ہنود

شیوجی کہتے ہیں ، لا کے رکھتے ہیں ۔ اور پھر کوئی بڑا آکے عورت زائیدہ کو اس کے آگے سجدہ کراتا ہے اور وہ کرتی ہے ۔ اور میراثی کو پانچ پیسے نانک شاہی دیتے ہیں اور ریت بھی ساتھ کھلاتے ہیں ۔ اگر ان کا میراثی حاضر نہ ہوا تو اس کا حصہ مع فلوس زمین میں دبا دیتے ہیں ۔ اور پھر چھلے پر پنجیری یا چُوری کر کے کسی خانقاہ پر ضرور جاتے ہیں ۔

اور لڑکی کے کان نہیں چھیدتے اور نیل[1] ان میں بالکل نہیں پہنتے ؛ نہ مرد ، نہ عورت ۔ اور برقع بھی ان میں نہیں پہنتے ۔ اگر کوئی ان میں خلافِ دستور کام کرے تو ان کے خیال میں یہ ہے کہ اس کو ضرور کچھ صدمہ پہنچتا ہے ۔ اگر کسی کو شوق ہوا کہ میں کان چھداؤں تو بھی بغیر حکم کسی اپنے بزرگ کے نہیں چھدا سکتا ۔ سہنسی اور رتو کی ریت رسم برابر ہے ، کچھ نیا دستور نہیں ۔ ہڑڑ لوگ ہڑہڑ یعنی ہلیلہ نہیں کھاتے اور کوئی نیا دستور ان میں نہیں ، سب دستور برابر (ہیں) ۔ سپل اپنے آپ کو سانپ کی اولاد جانتے ہیں ۔ یہ بھی بہ طور رتو کے دستور کرتے ہیں ۔ اور سانپ کو نہیں مارتے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ سانپ ان کو نہیں کاٹتا ۔ پرتھ کھوکر بھی بہ دستور رتوؤں کے دستور کرتے ہیں ۔ نمکر بدمعاش سی قوم ہے ، عہد میں بے وفا ہیں ۔ دستور رتوؤں کے موافق ، قس علٰی ھذا ۔

سب ان کی قومیں چھلے کے پانچ سر دھوتی ہیں ۔ اور چھلے کے روز عورت کو نہلا دھلا کر کسی قبر پر لے جاتے ہیں اور چُوری بھی ضرور کرتے ہیں ۔ اگر کوئی دولت مند ہوا تو زیادہ بھی کیا و گرنہ خیر ۔ آگے صرف یہی لوگ دوخت کا کام کرتے تھے ۔ اب اور اور قوم

---

۱ ۔ مراد ہے نیلا رنگ ۔

بھی یہ کام کرنے لگ گئی ہے ۔ کوئی ان میں سے اب اس زمانے میں بنگلے بہ بنگلے پڑا پھرتا ہے ۔ یہ لوگ کپڑے کے قطع کرنے میں ضرور چوری کرتے ہیں ۔ اس لیے ہر شخص کو لائق ہے کہ سنار اور درزی پر اعتبار نہ کرے ۔ یہ لوگ ضرور فریب دیتے ہیں ۔ جس وقت یہ لوگ کپڑا قطع کرنے لگیں تو بہت خیال رکھنا مناسب ہے بلکہ ایک دو دفعہ یہ بھی کہنا چاہیے کہ بہت ہوشیاری سے قطع کرنا ، ایسا نہ ہو کہ کچھ کپڑا ضائع جاوے ۔ اور کپڑے کو اپنے روبرو کٹوانا اور کتروانا چاہیے ۔ اور یہ بھی ان کا دستور ہے کہ اپنے گھر میں زیادہ کام کرتے ہیں ۔ جب کہیں نوکر یا روزینہ دار ہوئے تو بہت آہستگی سے کام کرتے ہیں ۔ کوئی شاذ و نادر درزی ہوگا کہ ایمان کے ساتھ کام کرے ۔

خیمہ دوز کا حال :

خیمہ دوز بھی ان میں ایک گروہ ہے ۔ کوئی کوئی غیر قوم سے بھی ہوتا ہے ۔ یہ لوگ ڈیرہ اور سائبان اور قنات وغیرہ بناتے ہیں ۔ ان کے دستور انھی لوگوں سے ملتے ہیں ۔ فقط

گڈی والا :

پتنگ والا ، یہ بھی ایک گروہ ہے ۔ یہ لوگ بھی ہر قوم سے ہوتے ہیں ۔ یہ تکل ، پتنگ ، گڈا ، ڈور بناتے ہیں اور بیچتے ہیں ۔ ڈور اس کام آتی ہے کہ اکثر لڑکے لوگ اور بعضے شوقین اس ملک کے تکل یا گڈی کو ڈور سے باندھ کر ہوا میں اڑاتے ہیں اور پیچ لڑاتے ہیں ۔

ڈور کا بیان :

ڈور تاگے یعنی سوت سے بنتی ہے ۔ سات یا گیارہ یا اکیس تار سوت کو جمع کر کے کاتتے ہیں اور پھر اس کو بہ طور گولے کے

تین دفعہ لپیٹتے ہیں تاکہ خم و پیچ اس کا نکل جاوے ۔ اس کا نام سادی ڈور ہے ۔ اور پھر اس کو ماہنجا لگاتے ہیں ۔ ماہنجے سے یہ مراد ہے کہ بوتل کو توڑ کر خوب کُوٹتے ہیں ۔ جب وہ سُرمے کے موافق ہو جاتی ہے تو اس کا نام شیشہ رکھتے ہیں ۔ پھر اس کو نشاستۂ پختہ یعنی فالودہ کے ساتھ ملا کے سخت گولی کرتے ہیں ۔ اور ڈور کو کسی لمبی دیوار پر دو کیلیں ٹھوک کر تانتے ہیں ۔ اور پھر اس کے دو دو تین تین تار کو ایک ہاتھ میں پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے شیشہ اس پر چڑھاتے ہیں ۔ جب وہ سوکھ جاتا ہے تو اس کو خوب صورت وضع سے لپیٹتے ہیں ۔ اور کوئی کوئی خوب صورتی کے واسطے شیشے میں سندھور بھی ملا دیتا ہے ۔

یہ لوگ موسمِ سرما میں تو یہ کام کرتے ہیں اور گرمی میں کئی رقم کی چڑیا بیچتے ہیں اور ان کو پنجروں میں رکھتے ہیں ۔ اور پنجرہ بھی بانس سے آپ بناتے ہیں ۔ اس ملک میں بُلبُل اور لال ، جس کو زبانِ پنجابی میں سرخ اور اس کی مادہ کو چٹی کہتے ہیں ، اور چمونہ اور بجرا خوب صورت جانور ہوتا ہے ۔ بہت شوقین پالتے ہیں اور لال لڑاتے ہیں اور بلبل بھی پال کے لڑاتے ہیں ۔

بیان کھیلوں کا :

پنجاب میں اکثر لڑکے اور بعضے جوان یہ یہ کھیلیں کھیلتے ہیں : کبڈی ، لاٹو ، بٹیر ، سرخ ، چمونا ، بُلبل ، گیڈیاں ، گیند ، سونچی ، چکلی، بالگی ، کبوتر بازی ، مینڈھا لڑانا ، شطرنج ، چوسر وغیرہ ۔

کبڈی تو یہ ہے کہ کسی جگہ میں فی مابین ایک لکیر نکال کے چند لڑکے یا جوان اُدھر ہوئے اور چند اِدھر ہوئے اور مستعد کھڑے ہوئے ۔ اور ایک ان میں سے اُدھر گیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کے

کبڈی کبڈی بولا ، اور کسی کو ایک طمانچہ مار کے بھاگا ۔ اگر بچ کے آیا تو خیر ، والا نہ ان لوگوں نے پکڑ لیا ۔ جب پکڑ لیا اور وہ واپس نہ آ سکا تو اس کو بولتے ہیں گویا وہ مر گیا ؛ وہ بیٹھ جاتا ہے - پھر اسی طرح سے نوبت بہ نوبت اس طرف سے آتے ہیں اور کھیل مچاتے ہیں ۔

اور لاٹو ایک مٹی کی چیز ہے ۔ شکل اس کی یہ ہے :

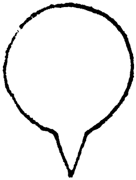

اس کو نیچے سے پکڑ کے دونوں انگلیوں کی چٹکی سے پھیرتے ہیں ۔ جس کا لاٹو بہت مدت کھڑا رہا اور ایک گر پڑا تو کھڑا رہنے والا جیت جاتا ہے ۔

اور بٹیر ایک قسم کی چڑیا کا نام ہے ۔ وہ گیہوں کے کھیت میں ہوتی ہے ۔ سمّی لوگ یعنی جو صفیں شہر لاہور میں بناتے ہیں ، ان کو جال سے پکڑ لاتے ہیں اور بیچتے ہیں ۔ اکثر ان کو کھاتے ہیں ۔ خاص مادین[1] اس کی تو کھانے کے کام میں آتی ہیں اور نر کو لوگ لے کر یوں لڑاتے ہیں ؛ چنانچہ ایک بٹیر آج لیا اور آٹھ دس روز اس کو ہاتھ میں رکھا ۔ جب وہ بے ڈر اور بولنے لگا تو پھر بھوکا کر کے لڑاتے ہیں ۔ اس ملک میں اس کی لڑائی پر روپیوں کی بازی لگاتے ہیں مگر شرفا میں یہ کھیل خیلے مطعون ہے ۔

---

۱ - یعنی مادہ ۔

سرخ چمونا ایک چھوٹا چھوٹا جانور ہے - یہ بانس کے پنجرے میں رکھے جاتے ہیں - سرخ بہت خوب صورت چڑیا اور خوش آواز ہوتا ہے ، اور سرخ لڑتے بھی ہیں - سرخ کی مادین کو چِٹّی کہتے ہیں - یہ جانور بھوک سے نہیں لڑتے ، فقط عشق سے لڑتے ہیں - بلبل کو بھی بھوکا کر کے لڑاتے ہیں - اور اس کی کمر میں تاگا ڈال کے رکھتے ہیں اور اس تاگے کا نام پیٹی ہے -

اور گیڈیوں سے یہ مراد ہے کہ ایک جگہ میں خط لمبا نکالتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی بانڈی بڑی لکڑیں لے کر کھیل مچاتے ہیں - اس کا یہ دستور ہے کہ خط کے اس طرف ایک شخص لکڑی ، جس کو گیڈی کہتے ہیں ، پھینکتا ہے اور دوسرا شخص گیڈی سے اس کو مارتا ہے - اگر وہ خط سے پار ہو جاوے تو وہ فتح پا کے اُس لکڑی کو لے لیتا ہے -

اور گیند یوں کھیلتے ہیں کہ دس پانچ لڑکے ملے اور گیند پکڑ کے دیواروں پر یا زمین پر پھینکتے ہیں - جو گیند کو زمین پر گرنے نہ دے ، وہ جیتا -

سونچی بھی ایک قسم کی کھیل زمیں داروں کی ہے - اس میں اکثر زورآوری کا کام ہے ؛ یعنی ایک دوسرے کو ہتھیلی سینے پر مارتا ہے اور وہ بھی ہتھیلی دوسرے کے سینے پر مارتا ہے - جو ہتھیلی کے صدمے سے گر پڑے ، وہ ہار جاتا ہے -

چکلی ایک چیز گول چوبی کا نام ہے - اس میں تاگا ڈال کے ہاتھوں پر چڑھاتے ہیں -

بانگی بھی ایک چوبی لاٹو کے موافق ہوتی ہے - وہ تاگے سے کھیلتے ہیں - وہ ایک خوش آواز دیتی ہے - لاٹو سے اس کی ڈنڈی لمبی ہوتی ہے -

کبوتر بازی اور وغیرہ مشہور ہیں ، لہذا نہ لکھا ۔

ختنے کا دستور

سب مسلمانوں میں لڑکوں کو ختنہ بٹھاتے ہیں اور اس کو "سنّت کرنا" بھی کہتے ہیں ۔ اس کے دو دستور ہیں : ایک غریب کا ، دوسرا امیر کا ۔ غریب کا تو یہ معمول ہے کہ اول ایک روز ختنے کے واسطے مقرر کیا اور اُس دن اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو بلایا اور لڑکے کو اُس روز کچھ بھنگ پلائی یا معجون کھلائی ، اس مراد سے کہ اس کو ختنہ کرنے کے وقت درد معلوم نہ ہو ۔ اور بعضے ادنٰی لوگ شراب بھی پلا دیتے ہیں ۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو بیچ میں ایک چَوکی پنجابی بچھاتے ہیں اور اس پر لڑکے کو لا کے بٹھاتے ہیں ۔ وہ بچارا متوالا ہوتا ہے ، اس حالتِ نشہ میں کبھی ہنستا ہے ، کبھی روتا ہے ۔ پھر اس چوکی اور اس لڑکے کے پاؤں میں "رکھ اور گانا" باندھتے ہیں ، اور اس کے کسی چھوٹے بھائی کے ہاتھ پاؤں میں بھی مہندی اور گانا" باندھتے ہیں ۔

بیان "رکھ :

"رکھ یوں ہوتی ہے کہ ایک آن[1] کا تاگا لےکر اس میں ایک کچ[2] کا چھلا اور لوہے کا حلقہ اور ایک کوڑی باندھتے ہیں اور پھر اس کو لڑکے اور چَوکی کے پایوں پر باندھتے ہیں ۔ اور جب تلک وہ غسلِ صحت نہ کر لے تب تلک باندھے رکھتے ہیں ۔

اور گانا" پٹولی لوگ بناتے ہیں ۔ اس کی یہ ترکیب ہے کہ

---

۱ ۔ 'آن' بجائے 'اون' ، پنجابی تلفّظ ۔

۲ ۔ 'کچ' (پنجابی) بجائے 'کانچ' ۔

کھاروے کے کپڑے میں چانول ڈال کے اور پوٹلی پر ریشم کے 'پھومن'[1] بہ شکلِ 'گل لگاتے ہیں ، اور پھر لوہے کے چھلے کے سمیت 'مولی کے تاگے میں پروتے ہیں ۔ اس کا نام 'گانا' ہے ۔ یہ اکثر برادری کے قریبی لڑکوں کے ہاتھ میں بھی باندھتے ہیں ۔ (اگرچہ از روئے شرعِ محمدیؐ یہ سب رسمیں منع ہیں مگر اس ملک میں سب کرتے ہیں) ۔ پھر حجام نے آکر اُسترے سے اسے ختنے بٹھایا ۔ حجام جس وقت ختنے بٹھانے لگتا ہے تو لڑکا روتا ہے ، تو اُس وقت حجام اس کو کہتا ہے کہ اے لڑکے ! وہ دیکھ آسمان پر سونے کی چڑیا ہے ۔ لڑکا اُدھر دیکھتا ہے اور وہ سنّت کر لیتا ہے ۔ پھر اٹھا کے اس کو لے جاتے ہیں اور چارپائی پر لٹا دیتے ہیں ۔ بعد ازاں حاضرینِ مجلس میں گُڑ تقسیم کرتے ہیں اور سب لوگ رخصت ہوتے ہیں ۔

کسی کسی قوم میں اُس روز اہلِ برادری لڑکے کو کچھ بہ طور روغن خوری دیتے ہیں ۔ پھر اُس لڑکے کو ، جب تک اچھا نہ ہو ، باہر نہیں نکالتے ۔ اور اگر کوئی آدمی باہر سے اُس گھر میں آوے تو ہرمل جلاتے ہیں ۔ اور بعضے ایسے غریب ہوتے ہیں کہ کوئی رسم نہیں کرتے ۔ فقط نائی بلا ، ختنہ کروا لیتے ہیں ۔ جب وہ زخم اچھا ہوتا ہے تو اس کو غسلِ صحت دیتے ہیں اور زعفرانی کپڑے پہنا کر 'چوری ساتھ لی اور چند آدمی مل کر کسی خانقاہ پر جاتے ہیں ۔

اگر کوئی اوسط[2] ہوا تو اس نے زیادہ چرچا کیا ۔ بعضے ادنٰی اعلٰی لوگ تو اُس روز تاشے نقارے بھی بجاتے ہیں ۔ اور کچھ دولت مند ہوا تو اُس روز برادری میں گڑ تقسیم کرتا ہے ، مگر یہ رسم ارائیں

---

۱ ۔ 'پھومن (پنجابی) بمعنی 'پھندنا ۔ ۲ ۔ یعنی اوسط درجے کا ۔

وغیرہ کی ہے ۔ اور دوسری قومیں کچھ کھانا بھی اُس روز پکاتی ہیں ۔ کانا اور رکھ بھی اُسی روز کھولتے ہیں اور پھولوں کے سہرے بھی لڑکے کے سر باندھتے ہیں ۔ کوئی بہ طور برات اُس روز لڑکے کو گھوڑے پر چڑھا کے خانقاہ پر لے جاتا ہے ۔ اور ختنہ کرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ۔ وقتِ تولّد سے تا بہ‌عمر دس سال کے کر لیتے ہیں ۔ اگر کوئی صاحبِ برادری ، نامور اور دولت مند ہوا تو اُن کا ختنے کی بابت یہ دستور ہے کہ جب ارادہ کیا کہ لڑکے کا ختنہ کریں تو ایک روز سب برادری کی عورتوں کو گھر میں جمع کیا اور کھانا کھلایا ۔ وہ رات بھر خوشی کرتی ہیں اور لڑکے کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگاتی ہیں ۔ جب فجر ہوئی تو سب برادری کے مردوں کو کہلا بھیجا کہ آج ظہر کے وقت فلانے کے لڑکے کا ختنہ ہے ، ضرور تشریف لانا ۔ بہ دستور لڑکے کو متوالا کیا اور خوب فرش بچھایا ۔ ظہر کے وقت سب برادری اور اہلِ محلہ اور دوست آشنا جمع ہوئے اور بہ دستور لڑکے کو رکھ اور کانا باندھا اور ختنہ کیا ۔ چوکی کو بھی رکھ باندھی ۔ جب حجّام نے ختنہ کر لیا تو سب لوگوں نے لڑکے کے باپ کو مبارک دی اور حجام کو بھی کچھ دیا ۔ کسی نے ایک آنہ ، کسی نے آدھ آنہ ، کسی نے کم زیادہ ۔ پھر لڑکے کو تو اُٹھا کے اندر زنانے میں لے گئے اور وہاں شیرینی تقسیم ہوئی اور سب کو رخصت ہوئی ۔ اور اُسی روز برادری میں بہ طور بھاجی پتاشہ یا گُڑ تقسیم کرتے ہیں ۔ اور جتنے روز مختون کے زخم اچھے نہیں ہوتے ، اُتنے روز نہ اس کو نہلاتے ہیں نہ باہر اندر نکلنے دیتے ہیں اور اس کی حجامت بھی نہیں کراتے ۔

حجام ہر روز آتا رہتا ہے ۔ وہ آ کر زخم پر گھی لگا جاتا ہے ۔ اگر کسی کا زخم بگڑ گیا تو مرہم پٹی بھی ہوتی ہے اور حرمل

جلاتے رہتے ہیں ۔ غیر آدمی گھر میں آنے نہیں پاتا ۔ جب لڑکا اچھا ہو جاتا ہے تو پھر برادری کی عورتیں جمع ہوتی ہیں ۔ رات کو میٹھے چانول پکاتے ہیں اور کھلاتے ہیں ۔ اور لڑکے کو مہندی لگاتے ہیں اور گیت گاتے ہیں ۔ دوسرے دن بھی عورتیں جمع رہتی ہیں اور سب برادری کے لوگوں کو تسدّا یعنی طلبی ہوتی ہے کہ فلانے وقت فلانے کے گھر میں ضیافت بہ تقریبِ شادیِ ختنہ ہے ۔ اور برادری کی اطلاع کے واسطے چودھری اور کوئی گھر کا آدمی اس کے ہمراہ جاتا ہے ۔ بر وقتِ مقرری 'پلا'[1] یا نان گوشت یا برنج شیریں تیار ہوتے ہیں ۔ سب کو کھانا کھلاتے ہیں ۔ جب فراغت ہوتی ہے تو بہ طورِ تنبول اہلِ برادری کچھ دیتے ہیں ۔

تنبول کا حال :

تنبول کی یہ رسم ہے کہ لڑکے مختون کو ننھیال سے زعفرانی کپڑے ، اور اگر کوئی اس کا چھوٹا بھائی ہوا تو اس کے بھی ، آتے ہیں ۔ وہ اس لڑکے کو غسل دے کر پہناتے ہیں ۔ اور حتی المقدور حجام کو کچھ دیتے ہیں مگر کم ایک روپے سے نہیں دیتے ۔ پھر اس کو لا کر مجلسِ برادری میں بٹھاتے ہیں اور سہرہ پھولوں کا اس کے سر باندھتے ہیں اور اس کے بھائی کو بھی ۔ پھر ایک تھال اور اس میں کچھ تل اور چانول لا رکھتے ہیں اور نائی اپنے آگے رکھا لیتا ہے ۔ اور ایک آدمی منشی بھی قلم دوات کاغذ لے کر ہو بیٹھتا ہے ۔ جب کوئی تنبول دیتا ہے تو حجام بہ آوازِ باند کہتا ہے کہ "فلانے نے یہ دیا" اور منشی یادداشت کے واسطے لکھ لیتا ہے ۔ مگر شرفا میں بہ آوازِ بلند نائی کو بولنے نہیں دیتے بلکہ ہر کوئی چپ چاپ لڑکے

---

۱ ۔ 'پلا ، بجائے 'پلاؤ (پنجابی تلفظ) ۔

کے ہاتھ میں دے دیتا ہے ۔ بہرحال تحریرِ تنبول ضرور ہے ۔

بعد ازاں نقارچی آتے ہیں ۔ بعضے لوگ اس جلسے میں ناچ بھی کراتے ہیں ۔ اس میں بھی اہلِ برادری ، دوست آشنا وغیرہ کچھ کنچنی کو انعام دیتے ہیں ۔ پھر ایک گھوڑی منگاتے ہیں اور اس پر مختون کو سوار کرتے ہیں ۔ اگر ہوشیار لڑکا ہوا تو اس کو مع اس کے چھوٹے بھائی کے چڑھاتے ہیں ۔ اور اگر بہت کم سِن ہوا تو کوئی جوان گھوڑی پر ساتھ ہو بیٹھتا ہے ۔ گھوڑی سب سے پیچھے اور آگے آگے سب برادری کے لوگ اور ان کے آگے نقارچی اور پھر ناچ والے ، رنڈی مع میراثی ۔ اور اس کا یہ دستور ہے کہ جب چھ سات قدم چلے اور نقارچی نقارہ وغیرہ بجاتے رہے اور پھر کھڑے ہوئے تو نقارہ وغیرہ بس ہوا تو ناچ ہوا ۔ رستے میں نقارچیوں کو ویلیں دیتے ہیں اور کنچنی کو بھی ۔ اسی طرح سے کسی خانقاہ پر جاتے ہیں ؛ وہاں لڑکے کو سلام کراتے ہیں اور قبر پر کچھ نذر چڑھاتے ہیں اور مجاوروں کو چُوری اور کچھ نقدی بھی دیتے ہیں ۔ اسی طرح سے پھر واپس لاتے ہیں ۔ فقط

اور بعضوں میں تنبول اور کھانا اور گھوڑی نہیں کرتے فقط ۔

غسلِ صحت کے روز چند آدمی جمع ہوئے اور لڑکے کو زعفرانی کپڑے پہنائے اور سہرا باندھا اور بغیر گھوڑی کے کسی خانقاہ پر لے گئے اور سلام کرا لائے ۔ بعضے اس حالت میں بھی تاشے نقارے بجواتے ہیں اور حتی المقدور برادری میں شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں ۔ اور کوئی اگر امیر ہوا تو سوائے ضیافت کے پُلا و زردہ کی بھاجی بھی برادری میں (تقسیم) کرتا ہے اور دو دو چار چار روز گھر میں ناچ بھی کراتا ہے ۔ اور ختنہ کرانا شرطِ مسلمانی ہے ۔ جب تک ختنہ نہ ہو تو بہت سا فکر ماں باپ کو لگا رہتا ہے ۔ فقط

شادی کا دستور

ملکِ پنجاب میں شادی کی یہ رسم ہے کہ جب کسی کا لڑکا تین چار یا نو دس برس کا ہوا تو پھر اس کی نسبت کے واسطے تلاش کرتے ہیں ۔ اور نسبت کو اِس ملک میں کُڑماٸی اور منگنی بھی کہتے ہیں ۔

منگنی کا حال :

منگنی کا یہ دستور ہے کہ جب لڑکے والے کو معلوم ہوا کہ برادری میں فلانے کے گھر میں لڑکے سے کم عمر لڑکی ہے تو لڑکے کی ماں یا نانی یا مامی یا خالہ یا عمّہ اُس لڑکی والے کے گھر جاتی ہیں اور جا کے سوال نسبت کا کرتی ہیں تو وہ آگے سے صاف انکار کرتے ہیں ۔ القصہ اس انکار پر خیال نہیں کرتے اور پھر چند بار ان کے گھر اسی سوال کے واسطے جاتے ہیں ۔ اگر اُن کی مرضی ہوئی تو تین چار دفعہ کے جانے میں قبول کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلانے روز تم آؤ ، ہم دودھ پلا دیں گے ۔ اور دودھ پلانے سے یہ مراد ہے کہ روزِ معہودہ پر پھر وہ عورتیں جاتی ہیں ۔ لڑکی والے دودھ میں چینی ڈال کے پلاتے ہیں تو اس سے سب کو معلوم ہوتا ہے کہ فلانے کی لڑکی فلانے کے لڑکے سے منسوب ہوئی ہے ۔ غرضکہ وہ دودھ پی اور روٹی کھا کر چلے آتے ہیں ، مگر اُس روز میٹھے سے روٹی کھلاتے ہیں ۔ اور پھر بعد ازاں بعضوں میں "ہتھ دھراوا" کرتے ہیں ۔

ہتھ دھراوا[1] :

ہتھ دھراوے کا یہ معمول ہے کہ لڑکے والے اُس لڑکی کے کپڑے

---

[1] ۔ اسے پنجابی میں "تلی دھراوا" بھی کہتے ہیں ۔

اور ہر قسم کا میوہ اور چند روپے ہمراہ لے کر مع چند نزدیکی رشتہ دار عورتوں کے لڑکی والے کے گھر جاتے ہیں اور تمام روز ان کے گھر رہتے ہیں ۔ وہ کپڑے تو لڑکی کو پہناتے ہیں اور روپے اس کے ہاتھ (میں) دیتے ہیں اور میوہ اس کے دامن میں ڈالتے ہیں ۔ اور بعضے اس دن کوئی زیور بھی لڑکی کو دیتے ہیں اور تمام روز وہیں رہتے ہیں ۔ شام کو جب واپس ہو کے آتے ہیں تو لڑکی والے اپنی قدر کے موافق چوبھے کے تھال ساتھ دیتے ہیں ؛ کوئی دس تھال ، کوئی پانچ تھال ۔ اور لڑکے کی قریبی رشتہ داروں یعنی عورتوں کو سالو دیتے ہیں ۔ سالو اس کپڑے کو کہتے ہیں جس کا رنگ کھاروے کے موافق ہوتا ہے ۔

چوبھا :

اور چوبھا اس کو کہتے ہیں کہ چانول خشکا پکایا اور اس کو مٹی کے تھالوں میں بھرا اور اوپر اس کے شکر سرخ یا شکر تری جمائی اور پھر اس پر گری ، چُہارا[1] اور چاندی کے ورق لگائے ۔ اور ارزل لوگوں میں صرف دودھ پلانے سے منگنی ہو جاتی ہے ۔ بعضے منگنی پر گُڑ تقسیم کرتے ہیں ، اور زمیں داروں میں ضرور بہرحال گُڑ تقسیم کرتے ہیں ۔ جب پھر چند روز یا چند ماہ یا چند سال گزر گئے تو پھر شادی کرتے ہیں ۔

شادی کا یہ دستور ہے کہ جب لڑکی والے چاہتے ہیں کہ لڑکی کا بیاہ کریں یا لڑکے والے نے چاہا کہ ہم اپنے لڑکے کا بیاہ کریں تو لڑکی والے سے ادعا کرتے ہیں ۔ اگر انھوں کو بھی منظور ہوا تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھا ہم فلانے روز گانٹھ یعنی گِرہ ڈال بھیجیں گے ۔

---

۱ ۔ پنجابی میں 'چھوہارا' کو 'چہارا' کہتے ہیں ۔

گرہ یعنی شادی کا روز مقرر کرنا :

اور اس میں یہ دستور ہے کہ لڑکے اور لڑکی والے کے گھر میں نزدیکی رشتہ دار عورتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک آدھ روز بہ طور شادی خوشی کرتی ہیں - اور بروز مقرری گانٹھ کے ، لڑکے والے اپنے نزدیکی رشتہ دار مردوں کو اپنے گھر میں بلاتے ہیں - کوئی اس روز پُلا ، کوئی برنج شیریں ، کوئی نان گوشت پکاتا ہے - اور لڑکی والوں کے گھر میں سے کچھ شکّر سرخ اور کچھ پھولوں کے طُرّے اور ایک چولی وغیرہ کپڑے اور پانوں کے بیڑے آتے ہیں - اور ایک تاگا سولی کا ، اس میں چند گِرہ ، بلکہ اتنی گِرہ ہوتی ہیں جتنی تاریخ ماہِ نو کی بیاہ کرنا ہوتا ہے ، اور یہ اسباب چنگیروں میں لاتے ہیں - یہ سب چیزیں مردوں کے مجمع میں حجام لا رکھتے ہیں اور فاتحۂ خیر کرتے ہیں - بعد ازاں لڑکے کے سر پر وہ پھول باندھتے ہیں اور طُرّہ رکھتے ہیں اور نزدیکی رشتہ داروں کو بھی طُرّے دیتے ہیں - اور پان یا الائچی کے بِیڑے حاضرین کو دیتے ہیں اور سب برادری کو پھولوں کے سہرے تقسیم کرتے ہیں ، اور شکّر بھی بانٹتے ہیں ، اور بعد ازاں کھانا کھلاتے ہیں -

اس شگن سے سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلانے روز ان کے یہاں شادی ہوگی - پھر لڑکے والے چند برتن کلاں چوبھے کے اور شکّر سرخ اور لڑکی کے کپڑے اور کچھ نقد اور کشمش ، بادام ، گِری ، چُھارا لڑکی والوں کے گھر بھیجتے ہیں - بر وقت پہنچنے کے وہ شکّر تو برادری میں تقسیم ہوتی ہے اور لڑکی کا سر دھو اور گوندھ کر اس کو مہندی لگاتے ہیں - اور دونوں طرف خوشی اور مبارک سلامت ہوتی ہے - بعد اس ارسال کے سب لوگ کھانا کھا کے گھروں کو جاتے ہیں اور دوسری عورتیں بھی اپنے اپنے گھر گئیں - اور اسی روز بیاہ کے

کپڑے بھی قطع کرتے ہیں اور اس کا نام وِتراوا ہے - وِتراوا یہ ہے -

وِتراوا :

سب عورتیں بڑی بڑی جمع ہوئیں اور دلھن کے کپڑے قطع کیے اور کچھ شیرینی تقسیم کی - بعد ازاں شادی کے دنوں تک اگر کوئی صاحبِ توفیق ہوا تو ہر روز ، اور اگر کوئی غریب یا اوسط ہوا تو کبھی کبھی ، رات کو کھیوڑیوں کا گیت سنتا ہے اور اس طرح لڑکی والوں کے گھر میں (بھی حسبِ توفیق خوشی ہوتی ہے) -

زبانِ پنجابی میں کھیوڑی ایک قسم کی عورتوں کا نام ہے جو ہر کسی کے گھر شادی کے دنوں میں گانے کے واسطے جاتی ہیں اور ایک دو روپے لے آتی ہیں - مگر یہ عورتیں ناچ وغیرہ نہیں کرتیں مگر ادنٰی لوگ ہوتے ہیں - اور اس زبان میں لڑکی والوں کو دھیتے[1] اور لڑکے والوں کو پُتریتے کہتے ہیں -

سَدّا دینا :

جب دو چار روز شادی میں باقی رہتے ہیں تو دونوں طرف یعنی لڑکے اور لڑکی والے سب برادری میں سدّا زنانہ دیتے ہیں - اور سدّا سے یہ مراد ہے کہ جس کے گھر بیاہ ہوا اس کے گھر کی عورتیں دو چار مل کر اپنی برادری کے گھر گھر گئیں اور عورتوں کو سدّا دیا کہ فلانے کے بیٹے یا بیٹی کا بیاہ ہے اور فلانے روز تیل ہے ، تم ضرور آنا - وہ آگے سے سدّا دینے والیوں کی خاطرداری کرتی ہیں ، یعنی کوئی تو روٹی خوب تیار کر کے کھلاتی ہے اور کوئی دودھ پلاتی ہے ، کوئی نقد دو تین آنے بہ طور بدل ضیافت کے دیتی ہے - اور اگر کوئی نزدیکی رشتہ دار ہوئی تو اس نے سالو بھی ان کو دیا - کوئی

---

۱ - اصل : دھتے - دھیتے یعنی دھی (لڑکی) والے -

شیرینی بھی منگا دیتی ہے ۔ اس کا نام سّدا زنانہ ہے ۔ جب اس سے فراغت ہوئی تو پھر ایک روز نزدیکی رشتہ داروں کے گھروں کے دروازوں پر سہرا بندھواتے ہیں ۔

سہرا باندھنا :

اس کا یہ دستور ہے کہ بہشتی کو کہتے ہیں کہ سہرے برادری کے گھروں پر باندھ آ ۔ وہ شرینھ[1] کے پتّوں کو لا کے تاگے میں پرونا ہے ، اس کا نام سہرا ہے ۔ اور سہرا سوا گز لمبا ہوتا ہے ۔ پہلے وہ لڑکے والے کے گھر میں لاتا ہے اور اس کے دروازے پر باندھتا ہے ۔ وہ اس کو بہ طور انعام ایک روپیہ نقد اور گُڑ اور ایک سالو دیتا ہے ۔ پھر وہ بہشتی اور برادری والوں کے گھروں کے دروازے پر لے جا کر باندھتا ہے ۔ کسی کے گھر سے کچھ غلہ اور گُڑ ، کسی کے گھر سے کچھ نقد لاتا ہے ۔ بعد ازاں شادیانہ ہوتا ہے ۔ اس کا یہ معمول ہے ۔

شادیانہ :

نقارہ اور توتی والوں کو بلایا اور پہلے لڑکے والے نے اپنے گھر کے آگے بجوائے ۔ اس کا نام شادیانہ ہے ۔ پھر ان کو کچھ نقد اپنے مقدور بھر دیا اور آٹا اور گُڑ اور ایک پگڑی بھی دی ۔ اور پھر ان کو اپنے نزدیکی رشتہ داروں کے گھر ہر بھیجا ۔ وہاں بھی انھوں نے جا کر شادیانہ کیا ۔ وہاں سے بھی ان کو گُڑ ، آٹا اور کسی کے یہاں سے دھیلی یا چار آنے یا پگڑی ملی ۔ اور ماسوا ان کے عورتیں بھی کچھ ان کو دیتی ہیں ، اور نام اس دینے کا ”ویل“ رکھتے ہیں ۔

---

۱ ۔ چھوٹے چھوٹے پتّوں والا ایک درخت ۔

اور بعضے کئی ایک دن اپنے گھر پر ہر روز آٹھ پہر شادیانہ کراتے رہتے ہیں ۔ اس کا نام بھی شادیانہ ہے اور اس کو "نوبت خانہ" بھی کہتے ہیں ، مگر یہ لڑکے والے کی طرف ہوتا ہے ۔

غرض جب یہ سب کچھ ہو چکا تو بیاہ شروع ہوا ۔ اس کا یہ معمول ہے کہ شروع شادی لڑکی والے کی طرف سے ہوتی ہے ۔ فقط

شادی کا حال :

سنو صاحب شادی کا حال کہ پہلے لڑکی والوں کے یہاں تیل ہوتا ہے ۔ اور تیل سے یہ مراد ہے کہ سب برادری کی عورتیں وہاں جمع ہوتی ہیں ، اور نان گوشت تیار ہوتا ہے ، اور سب برادری میں نانوں کی بھاجی کرتے ہیں ۔ اور بعضے لوگوں میں بھاجی کی قیمت نقد لے لیتے ہیں ۔ اور لڑکی کو آبٹن ملتے ہیں اور مائنیے[1] ڈالتے ہیں ۔ مائنیے سے یہ مراد ہے کہ اس روز جو کپڑے لڑکی کو (پہنائے) ہوتے ہیں وہی رہتے ہیں اور پھر برات تلک وہ کپڑے نہیں بدلتے ۔ اور برات کے روز جب نئے کپڑے بدلتے ہیں تو وہ پرانے کپڑے نائن لے لیتی ہے ۔ بعد ازاں جب قریب دس بجے کے رات جاتی ہے ، یا آگے پیچھے ، غرض جب تنوروں سے روٹییں[2] پکنی موقوف ہو جاویں تو لڑکی کو تیل چڑھاتے ہیں ۔ تیل کا یہ معمول ہے کہ اول ایک کاٹھ کی چوکی چار پاؤں والی بچھاتے ہیں اور اس پر لڑکی کو ایک روپیہ ہاتھ میں دے کر بٹھاتے ہیں اور اس کے پاؤں کے نیچے نقد پیسہ یا کوڑی بھی رکھتے ہیں ۔ اور نائن حاضر ہوتی ہے اور سب برادری کی عورتیں وہاں جمع ہوتی ہیں ۔ اور ایک سالو لے کر چاروں طرف سے پکڑ کر سب

---

۱ ۔ پنجابی ، بجائے "مایوں" ۔

۲ ۔ پنجابی تلفظ روٹیاں ۔

عورتیں کھڑی ہوتی ہیں اور کچھ گاتی ہیں ۔ آدھا گھنٹہ کچھ گیت خوشی کا ہوتا رہتا ہے اور لڑکی کا باپ بھائی بھی وہاں اُس وقت حاضر ہوتا ہے ۔ اور نائن ُچوکی کے آگے ایک تھال رکھتی ہے اور ایک بڑا تھال مہندی کا بھی لاتے ہیں ۔ سب مل کر اس لڑکی کو مہندی لگاتے ہیں ۔ اور سب رشتہ دار کچھ کچھ بہ موجب اپنے مقدور کے ، کسی نے ٹکا، کسی نے کان کی بالی ، کسی نے آنہ ، کسی نے دو آنے ، نائن کو دیے[1] ۔ اور نزدیکی رشتہ دار کنبہ والی عورتیں کلیری بنا کے لاتی ہیں اور اُس لڑکی کے ہاتھ میں باندھتی ہیں ۔ کلیری اس کو کہتے ہیں کہ چھڈ[2] والی کوڑئیں[3] دو تین ہزار تلاش کر کے اس کو سرخ تاگے میں ، جو ایک فٹ لنبا[4] ہو ، پروتے ہیں ۔ کئی ایک تاگے اسی طرح تیار کرتے ہیں اور اس کے پیچھے گری یعنی نارجیل پروتے ہیں ۔ اور گانا[5] اور ُرکھ بھی باندھتے ہیں ۔ گانے[5] اور ُرکھ کا حال تو آگے ختنے کے دستور میں ُمیں نے لکھا ہے ۔

بعد فراغت اس کے سب عورتیں لڑکی کے ماں باپ کو مبارک باد دیتی ہیں ۔ وہ آگے سے یہ جملہ کہتا ہے : ”سلامت جی ، تم کو بھی مبارک ہووے“ ۔ اور پھر باپ لڑکی کا کچھ نقدی نائن کو بہ طور لاگ دیتا ہے ۔ اور لاگ اُس بخشیش کا نام ہے جو[5] بیاہ پر نائن وغیرہ کو ضرور دیا جاتا ہے ۔

کوئی تیل پر میراثیوں کو بلواتا ہے ۔ وہ آگے معہ ڈھولک بیٹھ کے گیت گاتے ہیں ۔ مگر یہ رسم اکثر ارزل لوگوں میں ہے یا

---

۱ ۔ اصل : ”دیتے ہیں“ ۔ جملہ بے ربط تھا ، تصحیح قیاسی کی گئی ۔
۲ ۔ چھید ؟ ۳ ۔ پنجابی تلفظ کوڑیاں ۔
۴ ۔ یعنی لمبا ۔ ۵ اصل : تو ۔

اسیروں میں ۔ بعد ازاں لڑکی کو کوئی بڑی (عورت) وہاں سے گود میں اٹھا کے لیے جاتی ہے اور چارپائی پر بٹھاتی ہے ۔ یہ لڑکی کا تیل ہے ۔ پھر تمام رات برادری کی عورتیں جمع ہو کر گیت بہ آواز بلند گاتی رہتی ہیں ۔ جو گیت کہ لڑکی والے کے گھر میں گاتی ہیں ، اس کا نام سہاگ ہے ۔ فقط

لڑکے کا تیل :

اس کی دوسری رات لڑکے والے کے گھر تیل ہوتا ہے ۔ اس میں بھی رات کو نان گوشت تیار ہوتا ہے اور نانوں کی بھاجی برادری میں تقسیم ہوتی ہے ۔ اور جب تنور سرد ہوتے ہیں تو لڑکے کو بھی تیل چڑھاتے ہیں ۔ اس کو بھی اسی طرح چوکی پر بٹھاتے ہیں اور گانا اور رکھ باندھتے ہیں اور سالو تان کر عورتیں کھڑی ہوتی ہیں اور گیت گاتی ہیں ۔ اور "وارہ" کرتے ہیں ۔ وارہ سے یہ مراد ہے کہ کچھ نقدی یا کان کے بالے لڑکے کے سر سے تصدق کر کے حجامہ کو دیتے ہیں ۔ اور اس کا باپ ایک روپیہ اس کے پاؤں کے نیچے رکھتا ہے ۔ وہ بھی نائن لیتی ہے ۔ پھر اس کو آبٹن ملتے ہیں اور ایک تیر اس کے ہاتھ میں دیتے ہیں ۔ جب وہ چوکی سے اٹھنے لگتا ہے تو اس کے آگے چند پیالئیں[1] مٹی کی رکھتے ہیں ۔ وہ پاؤں مار کے توڑتا ہے ؛ یہ بھی ایک شگن ہے ۔ اور اس روز مہندی بھی لگاتے ہیں ۔ اور جب تک تنور سرد نہ ہوں ، تب تک کوئی تیل نہیں چڑھاتا ۔ اور جو تیر لڑکے کے ہاتھ میں دیتے ہیں ، اس تیر کی محافظت بدرجۂ کمال رکھتے ہیں بلکہ اس تیر کو بھی گانا باندھتے ہیں ۔ اگر وہ تیر کسی سے ٹوٹ جاوے تو بدشگنی خیال کرتے ہیں ۔ اور جتنے تیر ٹوٹتے ہیں

---

۱ ۔ یعنی پیالیاں ۔

آتنے ہی کہتے ہیں کہ اس کے قبیلے کے (لوگ) مریں گے ۔
جس دن لڑکے کے یہاں تیل ہوتا ہے اُس دن لڑکی والوں کے یہاں کچھ نہیں ہوتا اور تیسرے دن لڑکی والوں کے یہاں مہندی ہوتی ہے ۔

مہندی کا دستور :

مہندی کا یہ دستور ہے کہ لڑکی کو چوکی پر بٹھاتے ہیں اور پاؤں کے نیچے کچھ نقدی رکھتے ہیں ، اور سالو کا کپڑا سب عورتیں مل کر اس کے سر پر تانتی ہیں ، اور لڑکی کو مہندی لگاتی ہیں ، اور حجامہ کو ویلیں دیتی ہیں ، اور رات بھر خوشی کرتی ہیں ، اور برادری میں نانوں کی بھاجی ہوتی ہے ۔ اس میں نان بکثرت تقسیم ہوتے ہیں ۔ پھر اسی روز چکی چوہا کرتے ہیں ؛ یعنی آبٹن بنانے کے لیے چکی لاتے ہیں اور جو اور کھجور اور چینی ملا کر اس میں نائن پیستی ہے ۔ اور سات جوان عورتیں رشتہ دار بھی ہاتھ لگاتی ہیں ، اور نائن کو کچھ کچھ دیتی ہیں ۔ پھر وہ آبٹن لڑکی کے بدن پر ملتی ہیں اور اس کے ملنے سے رنگ صفا نکلتا ہے ، اور یہ بھی ایک شگن ہے ۔ اور یہ چکی چوہا لڑکے والے کے یہاں بھی اسی طور ہوتا ہے ، اور اس کو بھی نیک شگن جان کر ضرور کرتے ہیں ۔

لڑکے کی مہندی :

بعد چار روز کے مہندی کرتے ہیں ۔ وہ بھی اسی طور چوکی پر بیٹھتا ہے ، اور سالو تانتے ہیں ، اور سب عورتیں اپنے ہاتھوں پر مہندی لگاتی ہیں ، اور نانوں کی بھاجی کرتے ہیں ۔ اور اس کو ساھدی کی مہندی کہتے ہیں ۔ جس روز لڑکے کے یہاں ساھدی کی مہندی ہوتی ہے ' اُس روز لڑکی والوں کے گھر چوری کی مہندی کرتے ہیں ۔

---

۱ ۔ اصل : ہوتے ہیں ۔

چُوری کی مہندی سے یہ مراد ہے کہ اُس روز سب رسمیں برابر کرتے ہیں مگر نانوں کی بھاجی نہیں کرتے۔ اور جس روز لڑکی والوں کے گھر بھاجی والی مہندی ہوتی ہے اُس روز لڑکے والوں کے گھر چُوری کی مہندی ہوتی ہے۔ یہ پنجابی اصطلاح ہے۔

ساھدی (کی) مہندی :

جب رات کو لڑکے والوں کے یہاں ساھدی کی مہندی ہوتی ہے تو اس کی پہلی فجر کو سب نزدیکی رشتہ دار بھی جمع ہوتے ہیں اور چودھری بھی آتے ہیں۔ اس دن کو "سیدے کا سدا" کہتے ہیں۔ حسبِ جائداد کوئی اُس روز پُلا زردہ، کوئی نان گوشت، کوئی فقط لُچّی وغیرہ پکاتا ہے اور سب لوگ کھاتے ہیں۔ بعد فراغت ضیافت کے چودھری اور چند آدمی برادری کے مردوں کے "سَدے" کے واسطے مقرر ہو کے جاتے ہیں؛ یعنی کل سب لوگ فجر یا دوپہر کو فلانے کے گھر ضیافت کھانے آویں اور اس ضیافت کا نام لُہار تر کھانوں میں "رستہ" ہے۔ لڑکی کے یہاں ساھدی کی مہندی کی بڑی فجر پُلا زردہ یا صرف پُلا پکاتے ہیں۔ سب سے پہلے عورتوں میں وہ کھانا تقسیم ہوتا ہے، بعد ازاں کسی بڑے مکان میں فرش بچھاتے ہیں اور سائبان قنات لگاتے ہیں اور برتن وغیرہ سب کا بندوبست کرتے ہیں۔ کوئی مٹی کا برتن اور کوئی مِس کے برتن منگاتا ہے۔ دیگوں میں زردہ پُلا تیار ہوتا ہے۔

پُلا ایک قسم کے چاول ہیں جس میں گوشت اور فلفل سیاہ اور لونگ اور دارچینی اور کابلی چنے پڑتے ہیں اور فی دیگ بیس سیر چاول پڑتے ہیں اور پانچ سیر گوشت، اور نمک وغیرہ گرم مصالحہ۔ اور کوئی اڑھائی سیر، کوئی دو سیر، کوئی تین سیر، کوئی چار سیر گھی ڈالتا

ہے - اور زردے میں گھی اور چینی اور زعفران اور مغزیات پڑتے ہیں - یہ فی دیگ دس بارہ سیر چاول ڈالتے ہیں اور پانچ سیر چینی اور چار سیر گھی اور آدھ سیر کشمش و بادام وغیرہ - فقط

اور چند آدمی پانی پلانے کے واسطے مقرر ہوتے ہیں - غرض سب برادری کے لوگ آتے جاتے ہیں اور کھا کے چلے جاتے ہیں - جو کوئی نہیں آتا تو اس کا کھانا اس کے گھر پر جاتا ہے - شہر لاہور میں یہ کھانا لوہار ترکھانوں میں بکثرت ہوتا ہے اور یہ لوگ گھی وغیرہ بھی بہت ڈالتے ہیں اور خرچ ان کا بھی بہت ہوتا ہے -

چاول دو قسم ہیں ؛ ایک بیگمی دوسرے دیسی - بیگمی تو خوشبودار ہوتے ہیں اور پکانے میں لمبے ہو جاتے ہیں - یہ بیش قیمت ہوتے ہیں - اور دیسیوں میں خوشبو نہیں ہوتی اور لمبے بھی نہیں ہوتے ہیں - اور بیگمی پھر دو قسم ہیں ؛ ایک نئے دوسرے پرانے - نیوں میں گھی کم پڑتا ہے اور پرانوں میں گھی بہت خرچ ہوتا ہے - یہ اعلیٰ لوگوں میں پکاتے ہیں - اور ادنیٰ لوگ گھی بھی کم ڈالتے ہیں اور ان کا خرچ بھی کم ہوتا ہے -

مگر شہر لاہور میں لوہار ترکھان اور کلال اور کنجر اس ضیافت میں مشہور ہیں - اس ضیافت میں بقوم نجاراں یہ قید نہیں کہ سب برادری جمع ہو کے کھاوے بلکہ اس میں یہ دستور ہے کہ جو کوئی آیا کھا گیا - اور بعض قوموں میں دستور ہے کہ جب سب لوگ جمع ہو جاویں تو کھانا تقسیم ہو - کوئی کوئی پلا کے ساتھ قورمہ بھی کرتا ہے - اور جو کوئی غریب ہوا تو وہ یہ ضیافت رات کو کرتا ہے تا کہ تھوڑا خرچ ہو - جب ضیافت سے فراغت ہوئی تو پھر چودھریوں کو بموجب مقدور صاحب خانہ پگڑی دوپٹے دیتا ہے - کوئی کوئی کھیس دوشالہ بھی دیتا ہے - فقط

اور ساھدی کی مہندی کے روز سب برادری کی رشتہ دار عورتیں جوڑے کپڑوں کے گوٹہ کناری لگا کے دیتی ہیں ۔ فقط
جب ضیافت سے فراغت ہوئی تو رات کو برات ہوتی ہے ۔

برات کا حال :

برات کو یہ کرتے ہیں کہ پہلی شام کے وقت دراسوئے کرتے ہیں ۔

دراسوئے سے یہ مراد ہے کہ لڑکے کا باپ سب کپڑے اور زیور جو تیار کرتا ہے اور جَون سے کپڑے رشتہ داروں کے گھروں سے آتے ہیں ، سب جمع کر کے چنگیروں میں اور زیور تھال میں رکھتا ہے اور چند آدمی برادری کے جمع ہوتے ہیں اور نقارچی وغیرہ آتے ہیں ۔ آگے آگے نقارچی نقارہ تُوتی بجاتے ہیں اور پیچھے سب کپڑے اور زیور نائن وغیرہ خدمت گار اٹھاتے ہیں اور پیچھے پیچھے سب برادری کے لوگ اسی طرح لڑکی والے کے گھر جاتے ہیں اور وہ سب کچھ ان کو دے آتے ہیں ۔ بعض لوگوں میں دستور ہے کہ اس روز ناچ بھی دراسوئے کے ساتھ جاتا ہے اور بدستور راستے میں ویلیں دیتے ہیں اور بعض کنچنی کو بھی روپے دیتے ہیں ۔ اور یہ سب برادری کا خرچ بطور قرضہ شادی والے کے سر پر ہوتا ہے ۔ جب دراسوئے لڑکی والے کے گھر جاتی ہے تو وہ آگے سے دودھ مصری ملا کے سب کو پلاتا ہے اور اس دن لڑکی والے کو سب اس کی برادری (کے لوگ) جوڑے کپڑوں کے اور نقد بطور تنبول دیتے ہیں ۔ پھر وہاں سے سب لوگ کپڑا اور زیور دے کر واپس اپنے گھروں میں جاتے ہیں اور دونوں طرف عورتیں خوب کپڑے پہنتی ہیں ۔ لڑکے والے کی طرف سب مرد بھی عمدہ کپڑے پہنتے ہیں ۔ لڑکی والے کی طرف نئے کپڑے نہیں پہنتے ۔

جب پھر برات جاتی ہے تو سب برادری پھر لڑکے والے کے گھر جمع ہوتی ہے اور پُھلیرا یعنی گل فروش بہت سے پھول لاتا ہے۔ شمع دان روشن ہوتے ہیں۔ نقارچی وغیرہ، بعضوں میں ناچ والی کنچنی بھی، حاضر ہوتے ہیں۔ پھر زنانیوں میں دولھے کو نہلاتے ہیں اور غسل حجام دیتا ہے۔ حجام وہ کپڑے مع جوتا لے لیتا ہے اور کچھ نقد بھی اس کو دیتے ہیں۔ اِس غسل کا نام "کھارا" ہے۔ اس پر نہا کے دولھا چپنی پاؤں سے توڑتا ہے۔ پھر ایک سالو سے دولھے کو لپیٹ کے باہر مجمعِ برادری میں لاتے ہیں اور زعفرانی کپڑے پہناتے ہیں۔ اور یہ کپڑے دولھے کے ننھیال سے آتے ہیں۔ اور اس کے چھوٹے بھائی کو بھی، خواہ حقیقی ہو خواہ مچیرا[1] ہو، ایسے کپڑے پہناتے ہیں اور اس کا نام "سباہلا" رکھتے ہیں۔ اور وغیرہ اس کے بھائیوں کو پگڑئیں[2] زعفرانی بندھواتے ہیں۔ جب دولھا پگڑی باندھنے لگتا ہے تو پہلے حجام پگڑی کو ہاتھ میں لیتا ہے اور کہتا ہے: "فاتحۂ خیر۔" اس پر سب لوگ حاضرینِ مجلس دعا کرتے ہیں کہ خدا اس دولھے کو شادی مبارک کرے۔ پھر لڑکے کا باپ یا کوئی اور بزرگ سب کے ہاتھ لگوا کے وہ پگڑی دولھے کے سر باندھتا ہے۔ پھر سہرا پھولوں کا اسی طرح فاتحۂ خیر کر کے باندھتے ہیں۔ وہ سہرا سر سے پاؤں تلک لمبا ہوتا ہے۔ سباہلے کو بھی سہرا باندھتے ہیں۔ اور دولھے کے ہاتھ میں ایک تیر اور ایک تلوار بھی دیتے ہیں۔ بعد ازاں مقنع یعنی چھاپے کا دوپٹہ سر منہ پر ڈال دیتے ہیں۔

پھر تنبول پھرنا شروع ہوتا ہے۔ اس کا یہ معمول ہے کہ ایک

۱۔ غالباً ماموں کا لڑکا مراد ہے۔ چچیرا یعنی چچازاد بھائی کے مقابلے کا لفظ ہے۔

۲۔ پنجابی، بجائے پگڑیاں۔

صراف کو بلاتے ہیں اور منشی بھی حاضر ہوتا ہے ۔ پھر صاحبِ خانہ ایک تھال اور اس میں چانول اور تِل بقدر چھٹانک کے لا رکھتا ہے ۔ اور ایک روپیہ اپنے پاس سے حجام کو دیتا ہے ۔ وہ ایک روپیہ لے کر تھال میں ڈالتا ہے اور بہ آوازِ بلند کہتا ہے کہ ایک روپیہ صاحبِ خانہ کا ، اور صراف دیکھتا ہے اور منشی لکھتا ہے ۔ پھر اہلِ برادری اور دوست آشنا دینے لگتے ہیں ۔ غرض اسی طرح جو جو دیتا ہے اُس کا نام حجام باآوازِ بلند کہتا ہے ، صراف پھر کہتا جاتا ہے اور منشی لکھتا ہے ۔ جب بس ہوئے پھر شمار کرتے ہیں ۔ بعد حساب وہ روپیہ لڑکے کے ماں باپ کے حوالے ہوتا ہے ۔ وہ ان میں سے ایک روپیہ حجام کو اور ایک روپیہ مہتر اور ایک گل فروش اور ایک بہشتی کو دیتا ہے اور سب باقی کے روپے اپنے پاس رکھتا ہے ۔ بعد ازاں برات کی تیاری ہوتی (ہے) ۔ اکثر شرفا میں تنبول ظاہر کر کے معرفت حجام کی نہیں لیا جاتا ۔

برات کا یہ دستور ہے کہ ایک گھوڑی یا گھوڑا منگوایا اور اس پر دولھے اور سباہلے کو چڑھایا ۔ پھر اس گھوڑی یا گھوڑے کو دال چراتے ہیں ۔ یہ بھی ایک شگن ہے ۔ اس کو ''واگ پکڑائی'' بھی کہتے ہیں ۔

باگ پکڑائی کا یہ دستور ہے کہ لڑکے یعنی دولھے کی بہنیں جمع ہو کر دروازے میں آ کھڑی ہوتی ہیں اور چنے کی دال پانی میں بھگو کر ساتھ لاتی ہیں اور خوشی کے گیت گاتی ہیں ۔ پھر دولھا گھوڑے کو اُس طرف لے جاتا ہے ۔ وہ دال گھوڑے کو چراتی ہیں اور اس کے ماتھے پر پھولوں کے سہرے لٹکاتی ہیں ۔ پھر دولھا سوجب اپنے مقدور کے ان کو کچھ نقد دیتا ہے ۔ مگر اب عام دستور ایک دو روپیہ ہے ۔ وہ آپس میں علی السویہ تقسیم کرتی ہیں ۔

پھر نقارہ ، توتی ، دف بجنی شروع ہوتی ہیں ۔ سب سے آگے نقارچی ،

آگے پیچھے براتی لوگ ، بعد ازاں دولہا کی گھوڑی ۔ بعض دولہا کے واسطے چھتر بنواتے ہیں اور چھتر کاغذوں کا بناتے ہیں ۔ اور مشعلوں کے دوشاخے روشن ہوتے ہیں ۔ یہ سب حال تصویر[1] سے معلوم ہو سکتا ہے ۔ اور راستے میں کچھ کچھ آتش بازی بھی چلتی ہے ۔ پھر گھر سے روانہ ہو کر کسی خانقاہ پر جاتے ہیں اور وہاں دولہے کو سلام کراتے ہیں اور کچھ نذر دے کر دعا مانگتے ہیں ۔ شہر لاہور میں دستور ہے کہ حضرت میراں بادشاہ کی قبر پر ، جو مسجد وزیر خاں میں ہے ، یا حضرت ایاز کی قبر پر ، جو ٹکسالی بازار میں ہے ، جاتے ہیں ۔ اور امرت سر میں حضرت شاہ شمس دے کی خانقاہ پر ، جو چھٹی کٹڑی کے پاس ہے ، سلام کے واسطے جاتے ہیں ۔ بعد ازاں برات لڑکی والوں کے گھر پر جاتی ہے ۔ جب ان کے مکان کے متصل جا پہنچتی ہے تو پھر "مِلنی" ہوتی ہے ۔

مِلنی کا دستور :

مِلنی کا یہ دستور ہے کہ لڑکی والے سب جمع ہو کر آ کھڑے ہوتے ہیں اور تاشے نقارے بجنے موقوف ہو جاتے ہیں ۔ اور دو صفیں مقرر ہوتی ہیں ؛ ایک لڑکی والوں کی اور ایک لڑکے والوں کی ۔ پھر لڑکی والوں کی طرف سے حجام دودھ لا کے سب براتیوں کو پلاتا ہے ۔ اور بعد ازاں لڑکی کا باپ لڑکے کے باپ سے معانقت کرتا ہے ۔ پھر اس طرح بزرگ بزرگ دونوں طرف کے بغل گیری کرتے ہیں اور برات کو لڑکی والے اپنے گھر پر لے جاتے ہیں ۔ وہاں جا کے پھر لڑکے والے آتش بازی چھڑواتے ہیں اور لڑکی والوں کی عورتیں سٹھنیاں دیتی ہیں ۔ سٹھنی زبانِ پنجاب میں سمدھن کو کہتے ہیں اور وہ ایک قسم کے گیت

---

۱ ۔ اصل کتاب میں تصویر شامل نہیں ہے ۔

کا نام ہے جس میں کچھ ہنسی کے چچلی (کذا) ہوتی ہیں ۔ ذکر کرنا اس کا نادانی ہے ۔ اگرچہ یہ رسم ادنئی لوگوں کی ہے مگر اب اکثر سب ایسا ہی کرتے ہیں ۔ پھر دولہا اور براتیوں کو ایک مکان میں بٹھاتے ہیں ۔ وہاں پھر مُلاّ ان کی مسجد کا آتا ہے اور لڑکی کے باپ کی طرف سے دو گواہ اور ایک وکیل آتا ہے اور یہ لوگ آکے نکاح پڑھواتے ہیں ۔

نکاح کا دستور :

نکاح کا یہ دستور ہے کہ گواہ اور وکیل مجلس میں آ کر مُلاّ کو کہتے ہیں : "السلام علیکم" مُلاّ جواب دیتا ہے : "و علیکم السلام" پھر مُلاّ پوچھتا ہے کہ کیوں آئے ہو ؟ وہ کہتے ہیں کہ واسطے نکاح کرانے کے ۔ وہ کہتا ہے کہ کس طرح ؟ بیان کرو ۔ وکیل ان میں سے جواب دیتا ہے کہ میں فلانے کی طرف سے ، جو لڑکی کا باپ ہے ، اس کی فلانی لڑکی کا نکاح کرانے کے واسطے آیا ہوں تاکہ اتنے حق مہر پر نکاح کرادوں ۔ وہ پوچھتا ہے : "کون گواہ ہے ؟" وکیل کہتا ہے کہ یہ دو گواہ ہیں ۔ اور حق مہر کا بیان آگے کروں گا ۔ پھر مُلاّ پوچھتا ہے کہ مجھ کو حکم ہے نکاح پڑھوں ؟ وہ جواب دیتا ہے : "بسم اللہ ، بے شک پڑھو ۔" پھر مُلاّ دولھے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پہلے اس کو شش کلمے پڑھاتا ہے اور بعد ازاں خدا کی تعریف کا خطبہ پڑھتا ہے اور حدیثیں جناب محمد صاحب (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کی جو نکاح کی تاکید میں ہیں اور پھر تین دفعہ مُلاّ دولھے سے اقرار قبولیت کا کراتا ہے ۔ یعنی دولھے کو مُلاّ کہتا ہے کہ تو نے فلانے فلانے کی لڑکی کو اِتنے مہر پر قبول کیا ؟ وہ کہتا ہے : "میں نے قبول کیا ۔" تین طرح یوں ہی اقرار کراتے ہیں ۔

بعد ازاں "ملا" فاتحہ خیر پڑھتا ہے اور دولھا دلھن کے حق میں دعا کرتا ہے ۔ پھر "ملا" کو ایک روپیہ پانچ آنے دے کر رخصت کرتے ہیں ۔ وہ ایک روپیہ آپ لیتا ہے اور باقی محلہ دار کو دیتا ہے ۔ اور کھانا بھی "ملا" کو دیتے ہیں اور نکاح پڑھوائی دولھا کا باپ دیتا ہے ۔ قبل از عملداریِ سرکارِ انگریزی نکاح پر محصول سرکاری تھا ، اب معاف ہے ۔

حق مہر اس کو کہتے ، یعنی جناب محمد صاحب (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کا حکم ہے کہ جب کسی کا نکاح ہو تو دولھا سے ایک اقرار چاہیے کہ اگر وہ دلھن کو طلاق دیوے تو وہ حق مہر ادا کرے ۔ اور موجب شرعِ محمدی کے چھبیس روپے کتنے آنے مہر کے ہیں ۔ اور اب ادنٰی لوگوں اور امیروں میں دستور ہو گیا ہے کہ ہزاروں اور لاکھوں روپے کا مہر مقرر کرتے ہیں ۔

بعد از فراغتِ نکاح براتیوں کو لڑکی والا کھانا دیتا ہے ۔ اور اس میں یہی رسم ہے کہ چوبھے کے تھال دیتے ہیں ۔ ایک ایک آدھا آدھا تھال ہر براتی کو ملتا ہے اور وہ اپنے اپنے گھر لے جاتا ہے ۔ اور وہاں براتیوں کو پُلا کھلاتے ہیں ۔ بعض جو غریب ہوتے ہیں وہ برات کو صرف چاول اور شکر سرخ کھلاتے ہیں ، پُلا وغیرہ نہیں کرتے ۔ بعد ازاں براتیوں کو دودھ پلاتے ہیں ۔ اگر برات کے ساتھ ناچ بھی ہو تو پھر ناچ شروع ہوتا ہے و گرنہ خیر ۔ پھر براتی لوگ اپنے اپنے گھر گئے اور دولھا وہاں رہا ۔ پھر تخت ملتا ہے ۔

تخت کا حال :

تخت کا یہ دستور ہے کہ بعض اُسی وقت بعد از ضیافتِ نکاح اور بعض فجر کو دولھا کو لڑکی والے گھر میں زنانیوں میں بلاتے ہیں اور دولھن کا ہاتھ چکنا کر کے اس کے ہاتھ میں چُھارا دیتے ہیں

اور دلھن کی بہنیں خوب مضبوط کر کے اس کے ہاتھ کو دبا چھوڑتی ہیں اور پھر دولھا کو کہتی ہیں کہ اس کا ہاتھ کھول دو۔ وہ بہت زور لگاتا ہے۔ بہ سبب چکنے کے وہ نہیں کھلتا، اس پر بہت ہنسی ہوتی ہے۔ آخر کار ایک آدھ گھنٹے میں وہ کھولتا ہے اور وہ چُھارا لے کر کھا لیتا ہے اور دلھن کے ہاتھ میں ایک روپیہ دیتا ہے اور ایک چاندی کا چھلّا دلھن کے ہاتھ کی انگلی میں پہناتا ہے۔ اس چھلّے کا نام "کنوار کا چھلا" ہے۔ پھر وہ ڈومنیوں کو بلاتے ہیں۔ وہ آکے ڈھولک بجاتی ہیں اور گیت گاتی ہیں۔ وہاں دولھا کو پیڑی پر بٹھاتے ہیں اور وہاں بھونے ہوئے دوشالے کی پلیاں[1] دولھا، دلھن کے سر پر مارتا ہے۔ پھر شیشہ اور قرآن شریف منگواتے ہیں۔ قرآن شریف کو پاس رکھ کے آئینے میں دولھا دلھن دونوں اپنا منہ دیکھتے ہیں۔ پھر کئی ایک باتیں ہنسی کی ہوتی ہیں۔ چنانچہ دلھن کا پاجامہ اور آزار بند دولھا کو دیتے ہیں تا کہ بغیر کسی لکڑی کے اس میں ڈال دے۔ غرض وہ مشکل سے ڈال دیتا ہے۔ دلھن کا سر گوندھتے ہیں اور سب زیور اس کو پہناتے ہیں۔ اور میراثن عورتیں دولھا کے گلے میں کپڑا ڈال کے دلھن کے ہاتھ دیتی ہیں اور کھینچتی ہیں اور پھر دولھا کو کہتی ہیں کہ تو دلھن کو کہہ کہ میں کھاؤں اور تو کھا، میرے گلے سے پٹکا آتار۔ پیسر بہت ہنسی سے دولھا اور اس کے لواحقوں کو دشنام اور گالئیں[2] جن کو سٹھنی زبانِ پنجابی میں کہتے ہیں، دیتی ہیں۔

پھر کوئی کھڈنکنی کھیلتا ہے۔ وہ ایسا کرتے ہیں کہ کانسی کا کٹورا تیل سے چکنا کر، پرات میں اوندھا کر کے رکھتے ہیں اور اوپر سے دلھن کی بہنیں، جنھیں اس ملک میں دولھا کی سالیاں کہتے

۱۔ غالباً مراد ہے دوشالے کے پلّو۔

۲۔ پنجابی بجائے گالیاں۔

ہیں ، دبا رکھتی ہیں اور دولھا کو کہتی ہیں کہ اس کٹورے کو سیدھا کر - وہ یعنی دولھا بہت زور لگا کے سیدھا کرتا ہے مگر بڑی ہنسی ہوتی ہے کہ کٹورا چکنا ہوتا ہے ، وہ اس کو سیدھا کرتا ہے - جب اس پر ہاتھ سے زور لگاتا ہے ، ہاتھ پھسل جاتا ہے اور سب عورتیں اور سالیں[1] اوہی اوہی کر کے شرمندہ کرتی ہیں - ایسی ایسی واہیات باتیں کرتی ہیں - اگرچہ شریعتِ اہلِ اسلام میں یہ سب باتیں ناروا اور ناجائز ہیں مگر اب ہر قوم میں کرتے ہیں -

جب ان واہیاتیوں سے فراغت ہوتی ہے تو پھر کھاٹ ہوتی ہے - اس کا یہ معمول ہے کہ لڑکی والے ایک پلنگ بہت اچھا رنگین اور ایک پیڑا رنگین اور اس پر روئی‌دار بچھونا اور چند برتن اور زیور اور کپڑوں کے جوڑے رکھتے ہیں اور دولھا کو پیڑے پر بٹھاتے ہیں اور دونوں طرف کی برادری جمع ہوتی ہے - دولھا کو وہاں پیڑے پر بٹھا کے سسرال اپنی طرف سے کپڑے پہناتے ہیں اور پھر سہرا پھولوں کا اس کے ہاتھ پر بندھواتے ہیں - پھر وہ سسر کے نزدیکی رشتہ داروں کو سلام کرتا ہے - وہ ایک ایک دو دو روپے دولھا کو دیتے ہیں - اس کا نام سلامی کا روپیہ ہے - ارزل لوگوں میں دستور ہے کہ اس وقت پھر لڑکی کے باپ کو اس کے رشتہ دار تنبول دیتے ہیں - بعد ازاں دولھا کے باپ ، بھائی اور نزدیکی رشتہ داروں کو کپڑے ملتے ہیں - کسی کو کپڑے دوپٹہ اور کسی کو جامہ پاجامہ[2] اور پگڑی دوپٹہ دیتے ہیں - اگر کوئی دولت مند ہوا تو کھیس لنگی اور ریشمی کپڑے دیتا ہے - بعد ازاں فاتحہ خیر ہوتا ہے - یعنی سب لوگ دلھن دولھا کو دعا دیتے ہیں - بعد ازاں ڈولی لے جانے کی تیاری ہوتی ہے -

---

۱ - پنجابی ، بجائے سالیاں - ۲ - اصل : کذا -

اس کا یہ معمول ہے کہ پھر نقارے وغیرہ بجنے لگتے ہیں اور گھوڑی یا گھوڑا دولھا کے واسطے آتا ہے۔ دولھا کو پھر سسرال زنانہ لوگوں میں بلاتے ہیں۔ وہ جاتا ہے اور دلھن کو اٹھا کے اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ دلھن اس وقت بدرجۂ کمال روتی اور چیختی ہے اور اس کے لواحقین بھی سب روتے ہیں۔ اس حالت میں دلھن کو کچھ چاول کچے دیتے ہیں اور اس کو بھی سہرا پھولوں کا ماتھے پر باندھتے ہیں۔ وہ چاول دونوں ہاتھوں سے اٹھا اٹھا کے ماں باپ کی طرف پھینکتی ہے اور گریہ و بُکا کا بازار ایسا گرم ہوتا ہے کہ دیکھنے والا بھی پڑا روتا ہے۔ پھر لڑکی کے سسر کے آگے دست بستہ لڑکی کا باپ دلھن کو سپرد کرتا ہے اور روتا ہے۔ دولھا کا باپ اس کو تسلی دیتا ہے۔ پھر دلھن کا باپ یہ جملہ دولھا کے باپ سے ہاتھ جوڑ کے کہتا ہے کہ میں نے اپنی لڑکی کو بہت لاڈ پیار اور چاؤ چوز سے پرورش کیا ہے اور اب یہ تمھاری لونڈی کے موافق ہے۔ اس کو اچھی طرح سے رکھنا۔ وہ اس کو بہت دلاسا دیتا ہے۔ پھر ڈولی آتی ہے۔ اس میں دلھن اور اس کی کوئی بہن سوار ہوتی ہیں اور دولھا گھوڑے یا گھوڑی پر چڑھتا ہے اور بارات کی طرح سب سے آگے نقارچی، اس کے پیچھے براتی، اس کے پیچھے دولھا کی گھوڑی اور اس کے پیچھے ڈولی ہوتی ہے۔ چنانچہ تصویر اس کی یہ ہے[1]۔ بعد ازاں لڑکے کا باپ واڑا کرتا ہے۔

واڑا کرنا:

واڑا زبان پنجابی میں خیرات اور تصدق کو کہتے ہیں۔ اس کا یہ معمول ہے کہ جب دولھا گھوڑی پر اور دلھن ڈولی میں سوار

۱۔ اصل میں تصویر نہیں ہے۔

ہوتی ہے تو دولھا کا باپ اپنی قدر کے موافق ڈولی اور گھوڑی پر سے کچھ پھینکتا ہے - کوئی پیسے کوڑییں[1] ، کوئی روپیہ ، کوئی چوانی ، کوئی امیر ہوا تو روپے اور ٹکے - اور اس واڑے کو غریب غربا لوٹ لیتے ہیں -

بعد ازاں دولھا دلھن کو اپنے گھر لاتا ہے - جب دولھا کے گھر ڈولی پہنچے تو ڈولی کو گھر کے دروازے کے آگے رکھتے ہیں اور دولھا گھوڑی پر سے اترتا ہے - بعد ازاں دولھا کی ماں ، چچی ، خالہ ، بڑی بہنیں ، نانی ، مامی ، سب دروازے میں آ کے کھڑی ہوتی ہیں اور خوشی کے گیت گاتی ہیں - ان گیتوں کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بیٹا فتح سے گھر آیا اور دلھن کو ساتھ لایا - پھر پانی وار کے پیتی ہیں -

پانی وارنا :

''پانی وارنا'' سے یہ مراد ہے کہ دولھا اور دلھن دونوں دروازے میں کھڑے ہوتے ہیں اور دولھا کی ماں اور دوسری عورتیں اس کے ساتھ پانی کا کٹورا ویسے ویسے گیت گا کے اور دونوں کے سر سے تصدّق کر کے پینے لگتی ہیں - جب وہ کٹورا منہ سے لگاتی ہیں تو دولھا روک لیتا ہے اور پینے نہیں دیتا - پھر وہ مکرّر اسی طرح کرتی ہیں - غرض وہ سات دفعہ ایسا کر (تی ہیں) - آخرکار دولھا ایک روپیہ اس میں ڈالتا ہے اور وہ پانی دولھا کی ماں یا بہن پی لیتی ہے اور ہمراہی عورتیں بھی پیتی ہیں - بعد ازاں دولھا دلھن گھر میں آتے ہیں - اس حیص بیص میں شام ہو جاتی ہے -

بعضوں میں پھر اس روز کھچڑی یعنی دال چاول ملا کے پکاتے

---

[1] پنجابی ، بجائے کوڑیاں -

ہیں اور ایک برتن میں ڈال کے دولھا دلھن کے آگے لا رکھتے ہیں ۔ اور اس میں یہ دستور ہے کہ سات لقمے دولھا دلھن کو اور سات لقمے دلھن دولھا کو اپنے ہاتھ سے کھلاتی ہے ۔ بعد ازاں تلوار اور تیر دولھا سے لے لیتے ہیں ۔ پھر اس رات دونوں کو ایک پلنگ پر سلاتے ہیں ۔ اگر دونوں جوان اور بالغ ہوئے تو اسی رات زفاف ہوا ، وگرنہ خیر ۔ اسی طرح تین روز گزرتے ہیں ۔ بعد تین روز کے گانا" کھلتا ہے ۔ آگے یہ دستور تھا کہ ڈولی لانے اور گانا" کھلنے کے بیچ میں کئی منگتے لوگ مخنث اور میراثی اور نقلیے اور کئی قسم کے فقیر مانگنے آتے تھے ۔ دولھا کا باپ ضرور کچھ ان کو دیتا تھا اور اس میں رعایا کو بہت تکلیف ہوتی تھی ، کیونکہ وہ منگتے بہ جبر لیتے تھے ۔ مگر اب سرکار کمپنی بہادر نے یہ رسم بالکل مسدود کر دی ہے ۔ اب کوئی نہیں آتا ۔

گانا" کھولنا :

گانا" کھلنے کا یہ دستور ہے کہ ڈولی کے تین دن پیچھے دلھن کی ماں کے گھر سے کوئی اس کو لینے آتا ہے ۔ جب ظہر کا وقت ہوتا ہے تو ایک جگہ میں فرش بچھاتے ہیں اور اس پر دولھا دلھن کو لا بٹھاتے ہیں اور سب عورتیں بھی حاضر ہوتی ہیں ۔ پھر ایک برتن میں دودھ پانی ملا کے بیچ میں لا رکھتے ہیں اور دولھا دلھن کے گانے" ، "رکھ کھول کے اس میں ڈالتے ہیں اور پھر دولھا پاؤں اس میں رکھتا ہے ۔ دلھن دودھ پانی سے اسی برتن میں دولھا کے پاؤں دھوتی ہے ۔ پھر دلھن پاؤں اس میں رکھتی ہے اور دولھا دھوتا ہے ۔ بعد ازاں حجامہ آتی ہے اور گانا" اور "رکھ کو بیچ میں سے اٹھا کے اپنے ہاتھ میں لیتی ہے اور دونوں کو کہتی ہے "خبردار ! ہوشیار ہو ! میں ان کو دودھ پانی میں پھینکتی ہوں ، پکڑو ۔" پھر وہ ہاتھ میں لے کر ہاتھ کو

پھیرتی اور فریب دیتی ہے - دلھن دولھا دونوں ہاتھ پڑے پھیلاتے ہیں ، مگر وہ کسی کے ہاتھ نہیں دیتی - پھر وہ یکبارگی پھینک دیتی ہے - پھر اس کو دونوں میں سے جو کوئی چالاک ہوا ، پکڑ لیتا ہے - اسی طرح سات دفعہ کرتے ہیں - پھر دوسری عورتیں ہنسی اور دل لگی کے واسطے اسی طرح آپس میں کھیلتی ہیں - پھر نائن کو ایک روپیہ ملتا ہے اور دولھا دلھن کو ایک چھلّا چاندی کا دیتا ہے - اس چھلّے کا نام "کُنوار دار کا چھلّا" ہے -

اور بعضوں میں یہ بھی دستور ہے کہ جب کانا کھیلنے کا وقت ہوتا ہے اور دلھن دولھا کے پاؤں دھونے لگتی ہے تو اس وقت دولھا دلھن کے ہاتھ پر سات دفعہ پاؤں کی ایڑی مارتا ہے - اس میں ایک عجیب ہنسی ہوتی (ہے) - اور وہ یہ ہے کہ دلھن ہاتھ اسی برتن میں جس میں دودھ پانی ہوتا ہے ، رکھتی ہے اور دولھا پاؤں کی ایڑی مارتا ہے - وہ چپ سے ہاتھ کھینچ لیتی اور ایڑی نہیں لگنے دیتی ، تو اس حال میں دولھا شرمندہ ہوتا ہے - اس وقت دلھن کی رشتہ دار عورتیں اپنی فتح کا گیت گاتی ہیں - اسی طرح سات سات دفعہ ہوتا ہے -

انھی دنوں میں دلھن کو بطورِ رونمائی نزدیکی رشتہ دار عورتیں کچھ نقدی دیتی ہیں - پھر دلھن اپنی ماں کے گھر ڈولی میں سوار ہو کے جاتی ہے اور دولھا بھی شیرینی لے کے اس کے ساتھ جاتا ہے اور رات کو وہیں رہتا ہے -

سالی کا حال :

اس ملک میں دستور ہے کہ جورو کی بہن کو "سالی" اور بھائی کو "سالا" اور سالے کی جورو کو "سالے ہاج" کہتے ہیں اور اکثر سالی اور سالے ہاج دولھا سے کئی وضع کے ٹھٹھول کرتی ہیں - اور سالی کے

تمسخر اس ملک میں مشہور ہیں - جب دولھا، دلھن کے ماں باپ کے گھر یعنی سسرال میں جاتا ہے تو وہ بہت تکلف سے کھانا پکاتے ہیں اور دولھا یعنی ''جوائی'' کو کھلاتے ہیں اور وہ رات کو وہیں سوتا ہے - جب وہ سو جاتا ہے تو سالیں اس کی جوتی چھپاتی ہیں -

جوتی چھپائی :

جوتے چھپانے کا یہ دستور ہے کہ جوتی بہنوئی کی اُٹھا کے کسی جگہ میں چھپا چھوڑتی ہیں - جب وہ فجر کو اٹھتا ہے اور جوتی نہیں ہوتی تو سالیں کہتی ہیں کہ بھائی صاحب آپ پاؤں ننگے شہر میں پھرتے ہیں ؟ بڑے آپ بے عزت ہیں ؟ وہ شرمندہ ہو جاتا ہے - آخرکار وہ ان سے طلب کرتا ہے، وہ بہ ہزار دقت اس کو دیتی ہیں اور ایک دو روپے لیتی ہیں -

بعضوں میں اور تمسخر بھی کرتی ہیں ؛ یعنی ایک چارپائی جو بُنی ہوئی نہ ہو، اس کو لیا اور اس پر بچھونا بچھایا اور دولھا کو کہا کہ اس پر بیٹھ جاؤ - وہ اس پر بیٹھا، بیٹھا کیا بلکہ جھٹ پٹ بچارا زمین پر جا پڑا اور سب سالیوں نے ہنسی کی - زمیندار گاؤں کے رہنے والے بہت تمسخر کرتے ہیں، بلکہ میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ گوبر وغیرہ بہنوئی کو مَل دیتے ہیں اور قس علیٰ ھذا ایسی ایسی واہیات (باتیں) کرتے ہیں - یہ باتیں صرف ہنسی کی ہیں -

پھر بعد چار روز کے مُکلاوا ہوتا ہے اور بعضے مُکلاوا بہت دنوں پیچھے کرتے ہیں، اور زمیندار لوگ برس برس دو دو برس کے بعد مُکلاوا بھیجتے ہیں -

مُکلاوے کا حال :

اور مُکلاوے کی یہ رسم ہے کہ دولھا کے گھر سے چند عورتیں

واسطے لینے دلھن کے آتی ہیں ۔ اگر ایک ہی شہر میں ہوئے تو اسی روز و الا "نہ بعد چار پانچ روز کے دلھن والے دلھن کو روانہ کرتے ہیں اور چند کپڑے دلھن اور دولھا اور اس کے ماں باپ کے لیے ہمراہ دیتے ہیں ۔ اس کا نام مُکلاوا ہے ۔ فقط

جو کچھ کہ دولھا کے ماں باپ بیاہ میں دولھن کو دیتے ہیں اس کا نام "وری" ہے اور جو دلھن کے والدین کھاٹ پر دیتے ہیں اس کا نام فارسی میں "دھیز" اور زبان پنجابی میں "داج" ہے ۔ بعضے شہری صاحبِ مقدور اور اکثر زمیندار لوگ داج میں گائے ، بھینس ، اونٹ ، گھوڑے اور امیر لوگ ہاتھی بھی دیتے ہیں ۔ اور ان جانوروں کو بوقت دینے کے چاندی سونے کے زیور اور ریشم کے کپڑے بنا کے دیتے ہیں ۔ اور کھاٹ پر یہ برتن ضرور ہوتے ہیں : کڑاہی ، لوہے کا تَوا ، اور کرچھی ، لوہے کا دیگچا ، دیگچی ، تھال ، کٹورا مس کا ۔ اگر کوئی توفیق والا ہوتا ہے تو پرات کانسی یا مِس کی بھی ہمراہ دی ۔ اور سب باتیں توفیق پر منحصر ہیں ۔ کسی نے دولھا کو ریشم کے کپڑے دیے ، کسی نے صرف کپڑے زعفرانی رنگا کے دے دیے اور جو سردار امیر لوگ ہیں وہ ہزاروں لاکھوں روپیوں کا مال اسباب داج میں دیتے ہیں ۔ بعدازاں یہ معمول رہتا ہے کہ جب دلھن والوں نے چاہا کہ ہم لڑکی کو گھر میں بلاویں تو وہ جا کے آٹھ دس روز کے واسطے لے آئے اور پھر دولھا والے آئے اور لے گئے ۔ اکثر روانگیِ دلھن کے وقت والدین اس کے کچھ کھانا پکا کے ساتھ بھیجتے ہیں اور اگر بُعدِ مسافت ہوا تو کچھ نقد دیتے ہیں ۔ بعض کوئی کپڑا بھی ساتھ دیتے ہیں اور مُکلاوے پر چوبھا وغیرہ ساتھ دینا ضرور ہوتا ہے ۔

یہ دستور ہے کنواروں کی شادی کا ۔ اور کنوارا زبانِ پنجابی

میں اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی شادی نہ ہوئی ہو اور اس لڑکی کو کنواری۔ اور جس مرد کی عورت مر جاوے تو اس کو رنڈا اور جس عورت کا خصم مر جاوے اس کو رنڈی اور بیوہ کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی شادی کا کچھ اور ہی دستور ہے، وہ بھی لکھنا چاہیے۔

شادی کی قسم :

سنو صاحب! یہ شادی کئی قسم کی ہے۔ ایک رنڈے رنڈی کی، دوسری رنڈے اور کنواری کی، تیسری رنڈی اور کنوارے کی، چوتھی کنچنی اندر ڈالنا۔

رنڈی رنڈا :

رنڈی رنڈے کا یہ دستور ہے کہ پہلے عورتوں میں اقرار ہوا، بعد ازاں مقررہ دن ہر مرد نے چند آدمی جمع کیے اور شیرینی کچھ ساتھ لی اور حجام مشعل لیے کر ساتھ ہوا اور اس عورت کے گھر گئے۔ وہاں ایک دو آدمی رشتہ دار عورت کے آئے اور مُلاّ کو بلایا اور نکاح پڑھا گیا اور شیرینی تقسیم ہوئی۔ مُلاّ ایک روپیہ چار آنے لے گیا اور بی بی کو ڈولی میں ڈال کر گھر لے آئے۔ فقط

دوسری قسم دوشیزہ اور رنڈے کی :

اس شادی میں یہ دستور ہے کہ چونکہ عورت دوشیزہ، یعنی کنواری ہوتی ہے، سب دستور بیاہ کے، جو میں نے بتفصیل لکھے ہیں، کرنے پڑتے ہیں۔ فقط

تیسری قسم رنڈی اور کنوارے کی :

اس میں بھی رنڈی رنڈے کے موافق نکاح کر لاتے ہیں۔

چوتھی قسم کنچنی اندر ڈالنا :

اس میں پہلے مناسب معلوم ہوا کہ کچھ یہاں کنچنیوں کا حال لکھوں ۔ فقط

کنچنی :

کنچن ، جس کو پنجابی میں "کنجر" کہتے ہیں ، یہ ایک قوم ہے ۔ کسب ان کا زنا کرنا ۔ یہ لوگ لڑکیوں کو بھی زنا کراتے ہیں اور ایک قسم ان میں نوچی ہوتی ہے ۔ نوچی سے یہ مراد ہے کہ کسی لڑکی کم سِن کو انھوں نے مول لے کر پرورش کیا ، وہ ان کی نوچی ہوئی ۔ اب بردہ فروشی بند ہے ، سکھوں کے وقت بردہ فروشی ہوتی تھی ۔ اور ان میں کئی قومیں ہیں ۔ چار قسم کنچن ہیں : ایک شہردار ، دوسرے بھڑکے ، تیسرے لوے ، چوتھے بیڈی ۔ آگے ان میں کئی قومیں ہیں ؛ کوئی مانکی ، کوئی دھرکے ، کوئی ماگت کے ، کوئی دیرنے ، کوئی سرار ، کوئی سوتے ھیتی ، کوئی نٹ کنچن ، قس علیٰ ھذا ۔ یہ قوم بہت بے حیا ہے ۔ کسب ان سب کا زنا ۔ ہر وقت اپنے بدن کی آرائش میں مشغول رہتے ہیں ۔ آبٹن اور دنداسہ سرخی سے کام ہے ۔ ان کے یہاں جس وقت کوئی چاہے جاوے ، دو چار روپے دیوے اور زنا کر آوے ۔ ان کے گھر بیٹا ہو تو اتنی خوشی نہیں کرتے اور اگر لڑکی ہو تو بہت خوشی کرتے ہیں ۔ لڑکیوں سے بھی زنا کراتے ہیں اور لڑکے کی جورو کو بہو کہتے ہیں ۔ یہ لوگ بہوؤں کو ستر داری کراتے ہیں ۔ اکثر کنچنیوں کو حملِ زنا ہو جاتا ہے ۔ اور دارالزنا[1] میں لڑکی لڑکا پیدا ہوتا ہے ۔ اگر وہ کنچنیوں کی لڑکی

---

۱ ۔ سکھوں کے عہد میں "دارالزنا" لنڈے بازار میں واقع تھا ۔ وہاں سے
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کے پیٹ سے ہوا تو اس کو "کنجر" اور اگر نوچی کے شکم سے ہوا تو اس کو "گھر جم" کہتے ہیں ۔ کوئی کنجر تو کشمیری ارزل لوگوں کو کچھ طمع دے کر ناطہ لے لیتے ہیں اور بعض مواضعات کنچنوں سے ناطہ لیتے ہیں ۔ مگر ان میں خرچ بہت کچھ ہوتا ہے ۔

اگر کسی کے گھر بچہ تولّد ہوا تو بدستور چالیس روز پرہیز کرتے ہیں اور چھلے میں پانچ دفعہ سر دھوتے ہیں اور ہرمل جلاتے رہتے ہیں ، مگر یہ لوگ چھٹے چھلے پر اپنی قوم کو جمع کر کے شراب بھی دیتے ہیں اور پنجیری بھی چھلے کے روز تقسیم کرتے ہیں ۔ اور بیاہ شادی میں بکثرت روپیہ خرچ کرتے ہیں ، بلکہ چھ سات ہزار روپے سے کم نہیں خرچ ہوتا ۔ حال ان کا اور سب دستور ان لوگوں کا اگرچہ راقم آثم نے بخوبی دریافت کیا ، مگر چونکہ سراسر بے حیائی اور بے شرمی ہے ، لہٰذا قلم دریدہ جگر کو ان روسیاہوں کے احوال اور دستور سے روسیہ نہ کیا ۔

آمدم برسرِ مطلب ؛ شرفا کنچنیوں سے کس طرح شادی کرتے ہیں اور گھر میں لے آتے ہیں ؟

سکھوں کے وقت میں تو بدقّت یہ کام ہوتا تھا کیونکہ اگر کوئی کنچنی کسی سے نکاح کرتی تھی تو وارث اِس کے بہت شور و غل کرتے تھے ، بلکہ ہزار ہا روپیہ خرچ کرا دیتے تھے ۔ اب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دھوبی منڈی ، پھر چوک چکلا ، پھر چوک سرجن سنگھ (موتی بازار) اور اس کے بعد شاہی محلے میں منتقل ہوا جہاں کے مشہور مقامات یہ ہیں :

(۱) چیت رام روڈ ۔ (۲) بازار شیخو پوریاں ۔

(۳) گلی ۔ (۴) گزر شاہباز خاں

(دیکھیے "ہم اور ہمارا معاشرہ" ۔ از حکیم امیرالدین)

یہ نکاح آسان ہے ۔ کیونکہ جب سے عمل‌داری سرکار کمپنی بہادر کی ہوئی ہے ، انھوں نے حکم دے دیا ہے کہ جو کنچنی یا نوچی چاہے بے شک نکاح کر لے ۔ سو اب جو کنچنی کسی اشراف سے نکاح کرنا چاہتی ہے ، سرکار سے حکم لے کر بے شک کر لیتی ہے ۔ جب کوئی اشراف چاہے کہ آج نکاح کرے ، تب دو چار دوست آشنا جمع کیے اور شیرینی تقسیم کی اور نکاح مُلا سے پڑھوا لیا ۔ اب بعض بعض شرفا اس نکاح پر بھی زردہ پُلا کرنے لگ گئے ہیں ۔

اور یہ تعجب کی بات ہے کہ جب کوئی کنچنی کسی اشراف سے نکاح کرتی ہے تو بہت اشراف بن جاتی ہے ۔ ہزار ہا جگہ میں نے بچشمِ خود دیکھا کہ جو کنچنی بہت بد ذات اور زوردار گانے بجانے والی ہے ، اور کبھی اپنے ہاتھ سے کام نہ کرتی تھی ، جب کسی سے نکاح کیا تو پھر ہزار طرح کی محنت کرتی ہے اور ہار سنگھار بالکل چھوڑ دیتی ہے ۔ کوئی کنچنی منکوحہ زناکار میں نے نہیں سنی ۔

ہنسلی کا دستور :

بعض مسلمان لڑکوں کو پیر کی ہنسلی پہناتے ہیں اور اس کے لیے بہت خوشی کرتے ہیں ۔ حال اس کا یہ ہے کہ جو کوئی اولاد کو بہت چاہتا (ہے) تو جب اس کے گھر لڑکا پیدا ہوتا ہے تو وہ اقرار کرتا ہے کہ میں اس لڑکے کو بارہ یا دس یا آٹھ برس تک سال بسال پیر کی ہنسلی گلے میں ڈالوں گا ۔ جب وہ لڑکا ایک سال کا ہوا تو ایک ہنسلی اس کے گلے میں پہناتا ہے ۔ اس طرح جب وقتِ معہودہ آیا تو سب برادری کو جمع کیا اور ضیافت اپنے مقدور بھر کی اور ہنسلیوں کو اس کے گلے سے اتارا اور ان کی قیمت لے کر سادات کو تقسیم کی ۔ اور لڑکے کو زعفرانی کپڑے پہنائے اور چند آدمی ساتھ

لے کر کسی خانقاہ پر بھی جاتے ہیں ۔ اور بعض لوگ ہنسلیوں کی شادی پر برادری سے تنبول بھی لیتے ہیں ۔ فقط

کھڈیہ :

کھڈیہ بھی ایک گروہ ہے ۔ کام ان کا یہ ہے کہ چاندی کے تار کو اہرن پر رکھ کے بہت باریک طلا کناری کے واسطے بناتے ہیں ۔ ان کی بھی کوئی ذات مقرر نہیں ۔ جس قوم نے چاہا یہ کام شروع کیا ۔ مگر کچھ سیل دینی پڑتی ہے ۔ ان لوگوں کو ”دیکھ“ بھی کہتے ہیں ۔ اب سیل معاف ہے ، کوئی روک ٹوک نہیں ، جو چاہے یہ کام سیکھ لے ۔ اور شہر لاہور میں یہ لوگ اکثر فیابین دروازہ لاہوری اور شاہ عالمی کے دوکانیں کرتے ہیں ۔ وہ جگہ ”تارکشوں کا کٹرہ“ کر کے مشہور ہے ۔ فقط

تارکش کا حال :

تارکش بھی ایک گروہ ہے ۔ یہ بھی چاندی کے تار کو لمبا کرتے ہیں ۔ اور جب یہ تار کو مہین کر لیتے ہیں تو پھر وہ کھڈیہ اور ”دیکھ“ کے پاس جاتی ہے ۔ یہ لوگ اہرن ہتھوڑے سے کام نہیں رکھتے ، بلکہ پہلے تار کو ، جو کندلہ کش سے آتی ہے ، اس کو بارے میں سے نکال لیتے ہیں اور پھر ایک چار پائی تختے پر دو چرخے لگا کے ان کو پھیرتے ہیں ۔ وہ بسبب بارہ لگانے کے مہین ہو جاتی ہے ۔ بارہ ایک لوہے کی چیز ہے ، اس میں مہین مہین چھید ہوتے ہیں ۔ فقط

بہ فضل ایزد متعال جلّ جلالہ کچھ کچھ احوال ذات مسلمان اور ان کا احوال تو لکھا گیا ۔ اب بڑے دن اہل اسلام کے لکھنے مناسب متصوّر ہوئے ۔ سو جو کہ مروج اس ملک کے ہیں ، لکھتا ہوں ۔

اہلِ اسلام کے بڑے دن

سنو اے صاحبِ والا مراتب ! کہ اہلِ اسلام کا سالِ نو ماہِ غم یعنی محرّم ، جس کو زبانِ پنجابی میں ''دہے'' کہتے ہیں ، سے شروع ہوتا ہے ۔ یہ مہینا ہمارے نزدیک بہت غم و الم کا ہے کیونکہ اس میں جناب حضرت امام حسین سید الشہدا رضی اللہ عنہ نے مع اپنے وابستگان کے ، جو جملہ بہتّر تن ایک نسل کے تھے ، میدانِ کربلا میں شربتِ شہادت پیا اور یہ جنگ یزیدِ پلید سے ہوا ۔ دس روز اول محرّم سے الی دہم محرّم یہ جنگ رہا اور چند روز پانی بھی اہلِ بیتِ رسولِ مقبول علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نہ ملا ۔ اور یہ قصہ قضیہ کہ پر سوز و الم ہے ، اگر کوئی دیکھنا چاہے تو کتابوں میں دیکھے ، روضۃ الشہدا میں سب حال ہے ، فقط ۔ اس میں سب مسلمان بنامِ حسین دودھ شربت پلاتے ہیں اور ہر گونہ طعام پکا کے نذرِ سیدالشہدا تقسیم کرتے ہیں ۔ اور غریب غربا ، دوست اقربا کو کھلاتے ہیں ۔ اس ضیافت کا نام ''نیازِ حسین'' ہے ۔ ہر مسلمان اپنے مقدور بھر فاتحہ حضرت کا دلاتا ہے ۔ اور بعض شیعہ لوگ ''عشرہ'' کرتے ہیں ۔ عشرے سے یہ مراد ہے کہ اول محرّم سے دہم محرّم تک ہر رات مرثیہ خوانی کراتے ہیں اور مرثیہ خوان اور سامعین کو کھانا کھلاتے ہیں ۔ اور مرثیہ خوانوں کو کچھ نقد اور دستاریں بھی دیتے ہیں ۔ اس مرثیہ خوانی کا نام ''مجلس'' ہے جو[1] دو قسم ہوتی ہے : ایک سنّی کی ، ایک شیعہ کی ۔

شیعہ کی مجلس کا یہ دستور ہے کہ وہ ایک بڑے مکان میں فرش مکلّف بچھاتے ہیں اور سائبان بھی تانتے ہیں اور شمعدان فانوس قندیل روشن کرتے ہیں اور ایک منبر سیاہ رنگ بچھاتے ہیں اور ایک تکیہ

---

۱ ۔ اصل میں اس جگہ ''اور'' لکھا تھا ۔

اور مسند بھی بیچ میں رکھتے ہیں ، اور تکیے پر پھولوں کے سہرے ادب کے واسطے رکھتے ہیں ، اور تمام رات مرثیہ خوانی کراتے ہیں۔ مرثیہ خوان تین تین چار چار آدمی مل کر مرثیہ پڑھتے ہیں ، اور مرثیہ خوانی کو مرثیہ خوانوں کی چوکی کہتے ہیں۔ چونکہ شہادت جناب امام حسین کی واقعہ پرغم ہے لہذا جب مرثیہ خوانی ہوتی ہے تو ہر کہ و مہ گریہ و بکا کرتا ہے۔ اور اہل شیعہ پگڑیں اتار کے ماتم کرتے ہیں اور "تبرّے" کہتے ہیں ۔ تبرّے کو سبّ بھی کہتے ہیں[1]۔

اور سنّی لوگ بھی اکثر عشرہ اور مجلس کراتے ہیں اور مجلس کو شب کہتے ہیں ۔ اس میں سب رسمیں برابر ہیں مگر یہ لوگ منبر نہیں رکھتے اور تبرّا نہیں بولتے ۔ فقط

شیعہ لوگوں میں ، متّصل منبر کے ، شدّے بھی رکھتے ہیں ۔ اور شدّے سے یہ مراد ہے کہ ایک بانس پر بہت اچھے اچھے کپڑے باندھتے ہیں۔ اور بعض بانسوں پر کمان باندھ کر ساتھ اس کے تلواریں لٹکاتے ہیں۔ اور منبر پر گاہ گاہ ایک ان کا فاضل آدمی بیٹھ (کر) وقائع حضرت کے نثر میں پڑھتا ہے اور مرثیہ نظم میں ۔ اور مرثیے کی یہ رسم ہے کہ جب مرثیہ خوان آتے ہیں تو مسند پر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں "فاتحہ" ۔ پھر سب حاضرین مجلس ہاتھ کھڑے کر کے درود حضرات شہدا پر پہنچاتے ہیں۔ پھر مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ سب لوگ سن کر روتے ہیں اور اگر بہت غم ہوا تو ماتم کے واسطے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک آدمی کہتا ہے "ماتم حسین" ۔ پھر سب شیعہ لوگ سینہ زنی کرتے ہیں اور "حسین حسین حسین حسین" بولتے ہیں ۔

---

۱ ۔ اس کے بعد چند متنازعہ فیہ سطریں حذف کر دی گئی ہیں ۔

بعد پاؤ گھنٹے کے ایک شخص کہتا ہے "ایک نعرۂ حیدری !" پھر سب کہتے ہیں : "یا حسین!" اور ماتم بند ہوتا ہے - پھر مرثیہ خوانی ہونے لگتی ہے - اسی طرح ایک دو دفعہ ماتم کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور رات بھر مرثیہ خوانی ہوتی رہتی ہے اور ہر طرف سے یہ آوازہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کہتا ہے : "ایک نعرۂ حیدری" سب لوگ کہتے ہیں : "یا حسین !" پھر کوئی کہتا ہے : "ایک نعرۂ سروری" سب کہتے ہیں : "یا حسین" پھر کوئی کہتا ہے : "بولے نہ بولے تو اماموں کا چور ! ایک نعرۂ صفدری !" سب پکارتے ہیں : "یا حسین۔" اور اہلِ سنّت کہتے ہیں : "مدد چار یار ، مدد چار یار۔"

اور یہ ماتم کرنا شرع میں بالکل منع ہے[2] - ان باتوں سے کئی دفعہ سنّی شیعہ میں دنگا فساد ہو جاتا ہے - اکثر مسلمان لوگ "سبیل" بھی لگاتے ہیں - سبیل سے یہ مراد ہے۔

سنو سبیل کا حال :

سبیل اس کو کہتے ہیں کہ بازاروں کوچوں میں سائبان تان کر بلّیوں سے ایک جگہ بیٹھنے کی بناتے ہیں اور اس پر مٹکے مٹی کے اور چھوٹی چھوٹی ٹھلیاں رکھتے ہیں اور نیچے ان کے سرسبز پتّے رکھتے ہیں اور پانی یا دودھ یا شربت ہر شخص کو پلاتے ہیں اور کہتے ہیں : "نذرِ حسین پانی یا دودھ یا شربت پی جاؤ۔" جس کا دل چاہتا ہے پی جاتا ہے -

اور اکثر لوگ ان دنوں میں حلیم پکاتے ہیں - حلیم سے مراد ہے کہ مکئی اور گیہوں اور گوشت اور مصالحے اور سریت وغیرہ ڈال کر پکاتے ہیں اور سب لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں - اور بعض شہر میں ، کیا منی

---

۱ - اب "نعرۂ حیدری" کے جواب میں عموماً "یا علی" کہا جاتا ہے -

۲ - یہاں سے پھر ایک جملہ حذف کر دیا گیا ہے -

کیا شیعہ ، یوں مجلس امام ہمام کرتے ہیں کہ پہلے سب دوست آشنا ، غریب غربا کو کھانا کھلایا اور پھر رات بھر مرثیہ خوانی کرائی ۔ فجر کو (مجلس) برخاست ہوئی ۔ مرثیہ خوانوں کو دستاریں دیں اور نقد بھی کچھ کچھ دیا ۔ مگر ایسی مجلسوں میں منبر نشان نہیں رکھے جاتے ۔ اور انھی روزوں میں تعزیہ بناتے ہیں اور یہ تعزیہ آٹھویں تاریخ محرّم کی نکال کر ، جو جو بناتے (ہیں) ، اپنی جگہوں پر رکھتے ہیں ۔ اور تعزیہ گویا شکل روضۂ حسین[۳] کی ہے ۔ . . .[۱] . تعزیہ . . .[۱] سُنّی شیعہ سب بناتے ہیں ۔ پھر دوسرے دن تعزیوں کی گشت کرتے ہیں ۔ گشت سے یہ مراد ہے کہ اپنی جگہ سے آٹھا کر سب شہر میں پھرتے ہیں اور پھر اپنے گھر پر لا رکھتے ہیں ۔ اور گشت نہم محرّم کو ہوتی ہے ۔ بعض دن کو اور بعض رات کو گشت کراتے ہیں مگر رات کو خرچ مشعلوں کا زیادہ پڑتا ہے ۔ اس کو تعزیہ آٹھانا (بھی) کہتے ہیں ۔

اس میں یہ دستور ہے کہ آگے آگے تاشے بجتے ہیں اور بعض اونٹوں پر بڑے نقارے یعنی شترے رکھ کر بجاتے ہیں ۔ پیچھے ان کے نشان آدمیوں کے ہاتھ میں اور گھوڑے ہاتھیوں اونٹوں پر لیے جاتے ہیں ۔ اور نقاروں میں سے یہ آوازہ نکلتا ہے : "چڑھے دُلدل ، مرے کافر" ۔ نشانوں کے پیچھے گتکا باز لوگ ہوتے ہیں اور بعد ازاں مرثیہ خواں لوگ ۔ اگر رات کا وقت ہوا تو مرٹھی اور مشعلیں بھی ہوتی ہیں ۔ سب سے پیچھے تعزیہ جس کو تابوت بھی کہتے ہیں ۔ اور تعزیے بہت بہت بڑے بنتے ہیں ۔ بلکہ بڑے تعزیوں پر ہزار ہزار روپیہ لگ جاتا ہے ۔ اور ہندوستان میں کئی لاکھ روپیہ ایک ایک تعزیے پر خرچ ہوتا ہے ۔ اور گشت کا یہ معمول ہے کہ ہزارہا آدمی تعزیوں کے

۱ - یہاں سے کچھ الفاظ حذف کر دیے گئے ۔

ساتھ ہوتے ہیں اور ہزارہا عورت مرد مکانوں پر بیٹھ کے دیکھتے ہیں ۔
اور مسلمانوں میں جس کے گھر اولاد نہیں ہوتی تو وہ اقرار کرتا ہے کہ اگر میرے گھر خدا بیٹا دیوے تو میں اسے اماموں کا فقیر بناؤں ۔ جب پیدا ہو تو اس کو ہر سال گلے میں سبز کفنی اور مولی کا سرخ آنتا پہناتے ہیں اور اکثر صرف اٹنا پہناتے ہیں ۔ سبز رنگ محرم میں ضرور پہنتے ہیں ۔ بعض یہ اماموں کے فقیر تعزیوں کے ساتھ ہوتے ہیں ۔ بعض مکانوں پر بیٹھ کے تماشا دیکھا کرتے ہیں ۔ غرض جب نقارہ آیا سبھوں نے جانا کہ تعزیہ آیا ۔ اور تعزیے کے گشت کا یہ معمول ہے کہ دس بیس قدم لوگ چلے تو پھر ٹھہر گئے ۔ تعزیے کے آگے تو مرثیہ خوانی شروع ہوئی اور ان کے آگے گتکا وغیرہ شروع ہوا ۔ کئی لوگ مرثیہ خوان اور کھیلنے والوں کو دستاریں دیتے ہیں اور مرثیہ سن کے خوب روتے ہیں ۔ بعض نافہم . . .[1] سن کر ہنسی کرتے ہیں ۔ اور بہشتی مشکیں لے کر بازاروں میں پھرتے ہیں ۔ جس نے ایک دو پیسے دیے، پانی حسین علیہ السلام کے نام پر پلوا دیا ، بازار میں ڈھلوا دیا ۔ اور کئی لوگ پھولوں کے سہرے تعزیوں پر پھینکتے ہیں اور ہر طرف ایک ''نعرۂ حیدری'' کا زور ہوتا ہے ، یعنی ہر کوئی بولتا ہے : ''ایک نعرۂ حیدری !'' اور سب کہتے ہیں ''یا حسین !'' اور اب اِس زمانے میں سنی لوگ واسطے چھیڑنے . . .[1] کے ''مدد چار یار'' بھی بولتے ہیں ۔ اور بعض بعض تعزیے کے آگے گوگل اور عنبر کا دھواں بھی دُھکاتے ہیں اور اس رات گشت کر کے پھر اپنے مکانوں پر تعزیوں کو لا رکھتے ہیں ۔ اور دسویں تاریخ محرم کو پھر تعزیوں کو دفن کے واسطے لے جاتے ہیں ۔ اس وقت بھی گتکا باز اور مرثیہ خوان اور نقارچی لوگ اور ہاتھی گھوڑے

---

۱ ۔ یہاں سے کچھ الفاظ حذف کر دیے گئے ۔

اونٹ ساتھ ہوتے ہیں اور تعزیوں کو شہر میں پھرا کر شہر سے باہر لے جاتے ہیں اور دفن کر آتے ہیں ۔ بعض لوگ جن کے تعزیے بہت بڑے اور بیش قیمت ہوتے ہیں ، وہ تھوڑا سا دفن کرتے ہیں اور بقیہ شہر کے باہر کسی جگہ میں رکھ چھوڑتے ہیں ۔ بعد چند روز کے لیے آتے ہیں . . .[۱] ۔

شیعہ لوگ اس روز گھوڑا نکالتے ہیں ۔ گھوڑا نکالنے سے یہ مراد ہے ؛ سنو ! میں اس کا سب احوال بیان کرتا ہوں ۔

گھوڑے کا بیان :

جناب رسول مقبول علیہ السلام نے ایک گھوڑا جناب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بخشا ۔ وہ گھوڑا بہت وفادار اور چالاک اور خوبصورت تھا ۔ جب دشت کربلا میں محرّم شریف کے دنوں جناب امام حسین رضی اللہ عنہ جا اترے ، آپ کے ہم رکاب کُل بہتّر آدمی گھر کے تھے اور یزید پلید نے ساٹھ ہزار سپاہی بسرکردگیِ شمر لعین و عمر سعد لعین بھیجا اور خوب جنگ ہوا ۔ جب سب لوگ جاں نثارانِ حسین شربتِ شہادت پی چکے اور صرف جنابِ امام باقی رہے تو زنانوں میں رخصت لینے کے واسطے تشریف لے گئے ، تو سب اہلبیت میں گریہ و پکار ہونے لگا اور سب نے کہا کہ ''یا حسین ! اب ہمارے گھر کے سب لوگ شربتِ شہادت پی چکے ہیں اور اب صرف آپ اور آپ کے چھوٹے فرزند جناب زین العابدین باقی ہیں اور وہ بھی بیمار ہیں اور اب آپ شہید ہونے چلے ہیں ۔ نہ جاؤ اور ہم کو اس رنجِ مفارقت سے بچاؤ ، و درصورتِ دیگر ہم کو حکم دو کہ ہم کیا کریں ؟ حضرت نے اہلبیت کو جواب دیا کہ : ''صبر کرو ، اب ہم

۱۔ اس کے بعد دو تین جملے حذف کر دیے گئے ۔

شہید ہوں گے ۔ ماتم ہمارے میں ، منہ پر طمانچہ زنی بالکل نہ کرنا ، سر کے بال ننگے نہ کرنا اور حضرت زین العابدین سے میری نسل قیامت تک باقی رہے گی" ۔ اس اثنا میں جناب بیوی شہربانو ، جو بہت عزیز قبیلہ[1] جناب امام کا تھا ، تشریف لائیں اور بہت رو کے عرض کی کہ : "یا حسین ! میرا یہاں کوئی رشتہ دار نہیں اور سوا آپ کے میرا کوئی رفیقِ غمخوار نہیں ۔ اگر آپ شہید ہوں گے تو میں کیا کروں (گی) اور میرا کون ہے ؟" حضرت نے جواب دیا کہ : "اے شہربانو ! تم تسلی کرو ۔ میں اب جا کے شہید ہوں گا اور پھر گھر میں نہ آؤں گا ، مگر یہ میرا گھوڑا جس کا نام ذوالجناح ہے ، جب میں شہید ہو جاؤں گا تو میرا سب اسباب لے کر تمھارے پاس آوے گا ، تم اس پر سوار ہو جانا ، یہ تمھیں بہشتوں میں لے جائے گا ۔" القصہ ایسا ہی ہوا ۔ اور بعضے مؤرخ اس پر (متفق) ہیں کہ وہ بی بی صاحب بھی مع اہلبیت مقید ہو کر گئیں ۔

اب شیعہ لوگ لاہور میں محرم کی دسویں تاریخ ایک گھوڑا سفید رنگ نُقرہ نکالتے ہیں اور اس پر عربی زین باندھتے اور اس کے ہرنے سے زرہ اور خود لٹکاتے ہیں اور دو تلواریں بھی بہ شکلِ ذوالفقار باندھتے اور ایک چادر سفید اس کی پیٹھ پر ڈالتے ہیں اور اس پر لہو کے داغ ڈالتے ہیں اور تیر بھی اس کپڑے میں چھپاتے ہیں اور اس کے گلے میں بطورِ دستورِ عرب ایک دوشالہ باندھتے ہیں اور ایک آدمی آگے سے باگ ڈور اس کی پکڑتا ہے اور سب شیعہ اس کے آگے سر ننگے ہو کر ماتم کرتے ہیں اور مرثیہ خوانی بھی ہوتی ہے ۔ عجیب درد کا وقت ہوتا ہے ۔ اگر ہندو دیکھتا ہے تو وہ بھی رو پڑتا ہے ۔

---

۱ ۔ مراد ہے حرم ۔

اور ہر بازار میں لوگ واسطے دیکھنے کے جمع ہوتے ہیں ۔ ہر طرف سے گلاب کا عرق اس پر چھڑکا جاتا ہے مگر بعض تعصّب سے اس کو ہنسی کرتے ہیں ۔ . . .[1] بعض لوگ ان کو ''مدد چار یار'' کہتے ہیں اور اکثر اس پر کشت و خون ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ جب میجر کرکر صاحب بہادر لاہور میں ڈپٹی کمشنر تھے ، تب سنی شیعہ میں بہت فساد ہوا اور بہت لوگ مجروح ہوئے ۔ تب سے اب ہمیشہ شہر لاہور میں ڈپٹی کمشنر صاحب اور کوتوال اور تحصیل دار اور سب تھانے دار لوگ اور ایک دو کمپنی پلٹن کی اور ایک ملٹری صاحب اور ایک رسالہ ، شیعہ لوگوں کی محافظت کے واسطے گھوڑے کے ساتھ ہوتا ہے تا کہ کوئی سنّی دست درازی نہ کر سکے ۔ مگر تو بھی وہ لوگ باز نہیں آتے ۔

الغرض شیعہ لوگ گھوڑے کو امام باڑے میں لے جاتے ہیں اور وہاں جا کے خوب ماتم کرتے ہیں اور بطورِ نیاز وہاں کھانا کھلاتے ہیں اور گھوڑے کا اسباب اتارتے ہیں ۔ شہر لاہور میں امام واڑہ[2] بھاٹی دروازے کے باہر متصل برف خانے کے ہے اور وہاں مدت سے گامے شاہ نام شخص فقیر اب تک رہتا ہے ۔ اور اس تاریخ کو بہت لوگ حضرت کے نام کا فاتحہ دلاتے ہیں اور اکثر اس دن مسلمان لوگ گنج بھرتے ہیں ۔

گنج سے یہ مراد ہے کہ کئی ایک مسلمان اولاد کے واسطے اقرار کرتے ہیں کہ جب تک یہ لڑکا لڑکی ہمارا زندہ رہے ، ہم ہمیشہ محرّم میں گنج بھرا کریں گے ۔ گنج سے یہ مراد ہے کہ میٹھے چانول یا کھیر

---

۱ ۔ یہاں سے کچھ الفاظ حذف کر دیے گئے ۔

۲ ۔ پنجابی ، برائے امام باڑہ ۔

یا فرنی پکاتے ہیں اور مٹی کی پیالیوں میں بھرتے ہیں ۔ اگر میٹھے چانول نہ ہوئے تو ان پر دہی تھوڑا تھوڑا ڈالتے ہیں ۔ اگر کھیر یا فرنی ہوئی تو خیر ۔ مگر ہر حال میں چھوٹے گلاس مٹی کے دودھ اور شربت سے بھی بھرتے ہیں اور فاتحہ دے کر برادری میں تقسیم کرتے ہیں ۔

اکثر شیعہ اور بعضے سنّی لوگ بطور ماتم داری سیہ پوش رہتے ہیں ۔ اور تیسرے ، اکیسویں ، تیسویں ، چالیسویں دن فاتحہ دلاتے ہیں اور مرثیہ خوانی کراتے ہیں ۔ فقط

پھلیدانہ :

شہر لاہور میں پانچویں محرّم شریف کی فرید آستانے کا میلہ ہوتا ہے اور عوام کالانعام اس کو پھلیدانہ کہتے ہیں ۔ اصل میں یہ دن جناب حضرت بابا فرید شکرگنج قدّس سرّہ کی وفات کا روز (ہے) ۔

یہ میلہ بھی لاہور میں متّصل برف خانے کے ہوتا ہے ۔ وہاں سب لوگ جمع ہوتے ہیں اور اکثر وہاں جا کے گُڑ اور کھڑی ، جس کو زبانِ پنجابی میں "کِھل" کہتے ہیں ، کھاتے ہیں ۔ اور بعضے وہاں حجامت بھی کراتے ہیں ۔ اور اس میلے میں حجام لوگ یہ جملہ پکار کے کہتے ہیں : "گُڑ کِھل کھا جا تے سِر مُنا جا" یعنی گُڑ اور کھڑی کھا لے اور سر منڈا لے ۔ اور چونکہ مزار پُرانوار حضرت بابا فرید کی[1] پاک پٹن میں ہے ، اس تاریخ کو وہاں بڑا میلہ ہوتا ہے اور دُور دُور سے وہاں خلقت جمع ہوتی ہے ، بلکہ مشہور ہے کہ وہاں سوا لاکھ آدمی ہر سال جمع ہوتا ہے ۔ اور اس میلے میں یہ

---

۱ ۔ 'مزار' مؤنّث بجائے مذکّر ، پنجابی ۔

دستور ہے ، اور مصنف نے بھی ایک دفعہ میلہ دیکھا ہے ، کہ وہاں قبر کے جنوب رویہ ایک دروازہ ہے ۔ اس کو بہشتی دروازہ کہتے ہیں ۔ اکثر اہل اسلام کا یہ اعتقاد ہے کہ جو کوئی اس دروازے سے نکلے گا ، دوزخ کی آنچ اس پر حرام ہے ۔ اگرچہ عورتوں کو اس دروازے سے نکلنا ممنوع ہے مگر تو بھی ہزار ہا جاتی ہیں اور اس دروازے کو ہاتھ لگا آتی ہیں ۔ میں نے دیکھا کہ پنجم محرم کو حلقۂ خانقاہ میں ہزارہا مخلوق بہ وقت ظہر ، یعنی دو تین بجے دن کے ، جمع ہوتی ہے ۔ اور کئی لوگ کھجور کی شاخیں ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوتے ہیں اور آدمیوں کو مار مار کے ہٹاتے ہیں تاکہ اس انبوہ میں کوئی لتاڑا نہ جاوے مگر کون ٹلتا ہے ۔ زمین دار لوگ لنگوٹے باندھ کر دوڑ دوڑ کر اس دروازے میں گھستے ہیں ۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نیچے آدمی کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے سروں پر اور آدمی پڑے دوڑتے ہیں ۔ غرض اسی طرح دوسری فجر تلک اژدہام خلقت کا رہتا ہے ۔

پھر دوسرے دن وہاں لوگوں کو تبرّک ملتا ہے ۔ اور بعضے مسلمان اس دروازے سے سوت یا کپڑا نکال لاتے ہیں اور اپنے کفن میں لگاتے ہیں ۔ تبرّک وہاں کا کاک ہیں اور کاک ایک چھوٹی چھوٹی روٹی سی ہوتی ہے ۔ اور جناب بابا کے ہاتھ کی روٹی کی زیارت کراتے ہیں ۔

بابا فرید کی روٹی :

سنو اس روٹی کا احوال کہ حضرت بڑے متعبّد تھے ، بلکہ ان کو "زہد الانبیا" کہتے ہیں ؛ یعنی انھوں نے پیغمبروں کے موافق زہد و ریاضت کی ہے ۔ چنانچہ بارہ برس جنگلوں میں پھرتے رہے اور درختوں کے پتّے کھاتے رہے ۔ بارہ برس کے بعد اپنی والدہ کے پاس ، جو ان

کی مرشد تھیں ، آئے اور سب حال بارہ برس کا سنایا ۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت کے بالوں میں تمام جوئیں پڑ گئی ہیں ۔ انھوں نے فرمایا کہ آؤ بیٹا ہم تمھارا سر صفا کریں ۔ القصہ سر دیکھنے لگیں ۔ جوں نکالتے نکالتے بال بھی ساتھ کھینچا گیا تو حضرت بابا نے "وائے" کیا تو اُن کی والدہ نے پوچھا کہ بیٹا ! کس واسطے وائے کرتے ہو ؟ تو انھوں نے عرض کی کہ اے مائی ! تم نے جو میرا بال کھینچا تو مجھ کو درد ہوئی لہٰذا میں نے "وائے" کیا ۔ تب والدہ نے ، جو اُن کی مرشد تھیں ، فرمایا کہ اے بیٹا ! تو درختوں کے پتّے توڑ توڑ کر بارہ برس کھاتا رہا ۔ گو کہ تو نے کچھ نہ کھایا لیکن درختوں کو ستایا ۔ جب تُو درختوں کے پتّے آ کھاڑتا ہوگا تو اُن کو بھی درد ہوتی ہوگی ۔ یہ بات سنتے ہی بابا فرید شکر گنج پھر جنگل میں چلے گئے اور ایک روٹی کاٹھ کی گلے میں ڈال لی اور بارہ برس تلک جنگلوں میں پھرتے رہے ۔ جب بھوک لگتی تھی تو اُس روٹی کو منہ مارتے تھے ۔ غرض اسی طرح اتنی مدت گزاری ۔ چنانچہ اب تک اُس روٹی پر نشان دانتوں کے باقی ہیں ۔

اور ہزار کرامات ان کی اس ملک میں مشہور ہیں ۔ اور وہ چشتی تھے ، اب تلک اولاد ان کی چشتی کہلاتی ہے ۔ مرشد ان کے خواجہ قطب صاحب ، ان کے مرشد خواجہ معین الدین چشتی جن کی مزار پُرانوار اجمیر شریف میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ جب لوگ اس روٹی کی زیارت کرتے ہیں تو حتی المقدور کچھ نذر دیتے ہیں ۔

گنبد بابا صاحب کا میانہ اور قبرِ مبارک بھی میانہ ہے ۔ مکان بہت اچھا (ہے) ۔ جب لوگ پاک پٹن میں جاتے ہیں تو وہاں سے ڈبے[1] اور

---

۱ ۔ مراد غالباً سُوت کے بُنے ہوئے کھیس ہیں جن پر کالے اور سفید رنگ میں گلکاری ہوئی ہوتی ہے ۔ پنجاب میں انھیں "ڈبے کھیس" کہتے ہیں ۔

پلنگ اور لنگی سوغات لاتے ہیں ۔ اس ملک میں یہ چیزیں بہت عمدہ تیار ہوتی ہیں ۔ سکھوں کے وقت میں وہ ضلع بار کا مشہور تھا اور راہ بہت بکھرا اور پُرخطر ۔ اکثر لوگ راستے میں لوٹے جاتے تھے ۔ وہ ملک چوروں کا مشہور تھا ۔ اب عمل داریٔ انگریزی میں شیر بکری ایک گھاٹ میں پانی پیتی ہے ۔ جب ملکوں سے قافلے اس طرف آتے جاتے ہیں ، خصوص میلے پر ، تو سب لوگ رستے میں یہ جملہ بولتے ہیں :

"اللہ محمد چار یار ہادی قطب فرید فرد عالم تو شاہ شکر گنج"

اور بار اس ضلع کو کہتے ہیں جہاں لکڑیں بہ درجۂ کمال پیدا ہوتی ہوں ۔ سو اس نواح میں ہیمہ[1] سوختنی بہ کثرت پیدا ہوتی ہیں ۔ جب راقم گیا تھا تو گاڑی پنجابی[2] اس راہ سے بہ دقت چل سکتی تھی ۔ اب تو سڑکیں بن گئی ہوں گی ۔ لاہور سے پاک پٹن اسی کوس ہے ۔ بابا فرید کے جانشین بیٹے کو اب تک دیوان صاحب کہتے ہیں اور سب خلقت اُن کا ادب کرتی ہے ۔ فقط

بعضے علماے زمان اس رسم کو یعنی بہشتی دروازہ دیکھنے اور نکلنے کو از رُوئے شرع نہیں مانتے بلکہ ہنسی کرتے ہیں ۔ مگر فقراے صافی دل اور ہم لوگ جو جان نثار اس جناب کے ہیں ، بہ دل و جان مانتے ہیں اور بہ صدقِ دل وہاں حاضر ہوتے ہیں اور حضرت کی مزار کی مٹی کو خاکِ شفا جانتے ہیں ۔ اور ایک بسنی[3] مٹی کی کُنجی بھی

---

۱ - ہیمہ : جلانے کے کام آنے والی لکڑی ۔

۲ - اصل : گاڈی ، غالباً سہو کتابت ، کیونکہ پنجابی میں "گاڈی" گاڑی بان کو کہتے ہیں۔ "گاڑی پنجابی" سے مراد لکڑی کی بیل گاڑی ہے ، جسے پنجاب میں "گڈ" کہتے ہیں ۔

۳ - بسنی : غالباً "کوری" مراد ہے ، ص ۱۳۵ ۔

وہاں سے لاتے ہیں ۔ اور یہ مشہور ہے کہ جب کسی کو پیٹ میں درد ہو ، وہ اس میں پانی پیے تو درد دُور ہو جاتی[1] ہے ۔ فقط

اور شہر لاہور میں ہر سال برس برس کے بعد حضرات گرد نواح شہر لاہور کا عرس ہوتا ہے ۔ چنانچہ شاہ ابوالمعالی صاحب[2] ، حضرت پاک صاحب[3] اور حضرت میاں میر صاحب[4] ، حضرت موج دریا بخاری صاحب ، حضرت شاہ چراغ صاحب[5] ، حضرت صدر دیوان صاحب ، حضرت ایشاں صاحب[6] ، حضرت پیر مکّی صاحب[7] ، حضرت مادھو لعل حسین[8] ، القصّہ یہ عرس ہوتے ہیں ۔ ان میں بہ دستور فاتحہ ہوتا ہے اور دوسرے دن مجلس ۔ اور عرس کا حال میں نے ابتدا میں لکھا ہے ۔

بھڈے پیرے :

پھر بھڈے پیریوں کو قدم ہوتے ہیں ۔ یہ میلہ سخی سرور سلطان

---

۱ ۔ پنجابی میں ''درد'' مونث ہے ۔
۲ ۔ ولادت : ۹۶۰ھ ، وفات : ۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ ۔
۳ ۔ حضرت عبدالرحمٰن عرف پاک رحمٰن و شاہ رحمٰن ، حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش کے خلفا میں سے تھے ۔ ان کا مزار موضع بھڑی ضلع گوجرانوالا میں ہے ۔
۴ ۔ ولادت : ۹۵۷ھ ، وفات : ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ ۔
۵ ۔ وفات : ۲۲ ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ ۔
۶ ۔ نام : حضرت خواجہ خاوند محمود ۔ وفات : ۱۲ شعبان ۱۰۵۰ھ ۔
۷ ۔ وفات : ۱۲ ربیع الثانی ۱۰۴۸ھ ۔
۸ ۔ ولادت : ۹۴۵ھ ۔ وفات : ۱۰۰۸ھ ۔

کے نام کا ہوتا ہے ۔ اس کا ذکر بھی میں شیخوں کے حال میں لکھ آیا ہوں ۔

بسنت کا حال :

بعد ازاں تیسری جمادی الثانی کو بسنت کا میلہ ہوتا ہے ۔ یہ میلہ تمام ہندوستان میں تو کئی دن ہوتا ہے ۔ چنانچہ شاہجہان آباد میں میں نے دیکھا کہ ایک ہفتہ بھر ہر روز بسنت ہوتی تھی ۔ کبھی کسی بزرگ کی قبر پر اور کبھی کسی حضرت کی درگاہ پر ۔ مگر شہر لاہور میں حضرت مادھو لعل حسین صاحب کی مزار پر جو متصل شہلا باغ کے ، بیرون دروازہ دہلی کے واقع ہے ، بہت دھوم دھام سے ہوتا ہے اور خلقت بہ کثرت ، ہندو مسلمان جاتے ہیں ، اکثر بسنتی رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں ۔

اور سب میلوں میں یہ دستور ہے کہ ہر رقم کی شیرینی اور مٹی کے کھلونے بکتے ہیں ۔ خصوصاً دہلی دروازے کے باہر متصل سرائے سلطان[1] ٹھیکہ دار اس میلے کا زور ہوتا ہے ۔ آگے ہندو مسلمان

---

۱ ۔ محمد سلطان کی نیک نامی و خوش خلقی کا بیان طویل ہے ۔ ان کی حوصلہ افزائی کے موافق اگر ان کو حاتم سے نسبت دیں تو بجا ہے ۔ اس بزرگ نے ایک عالی شان سرائے بیرون دہلی دروازہ بنائی ہے کہ جس کے وسط میں ایک بڑی پرنمود مسجد بنائی ہے اور ہر طرف مکانات پختہ آسائشِ مسافرین کے واسطے بنائے ہیں ۔ اسی ہزار روپے سے زیادہ اب تک لگ چکے ہیں اور آیندہ تعمیر جاری ہے ۔ اس سرائے میں رعایت احسن صالحانہ یہ مشروط ہے کہ کسی مسافر سے ایک حبہ تک نہیں لیا جاتا اور غربا و مساکین کو کھانا اور گزارہ ملتا ہے ۔ ایسے مخیّر اور صاحبِ ہمت اشخاص دنیا میں بہت کم ہوں گے ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

نالائق بھی اس میلے پر جاتے تھے اور اب چند سال سے' بہ سبب تعصّب ہندوؤں نے بسنت کا میلہ حقیقت رائے کی سمادھ پر مقرر کیا ہے اور وہاں بھی جاتے ہیں ۔ اور وہ سمادھ بھی پاس شہلا باغ کے ہے ۔ چنانچہ اس تفرقے سے لطف میلے کا کم ہو گیا ہے ۔

سرکار نے اسی روز ملاحظہ اسپاں کے لیے حضرت مادھو لعل حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر (تاریخ) مقرر کی ہے ۔ صدہا گھوڑے تاجروں کے وہاں جمع ہوتے ہیں اور بعد ملاحظہ حسبِ پسند انعام پاتے ہیں ۔ اس سے مسلمانوں کے میلے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے ۔ فقط

گنج بخش کا عرس :

بیسویں تاریخ ماہ صفر کی حضرت داتا گنج بخش صاحب قدّس سرّہ العزیز کا عرس ہوتا ہے ۔ یہاں بھی بہت خلقت جمع ہوتی ہے ۔

یہاں دو عرس ہوتے ہیں : ایک چھوٹا انیسویں صفر کو ، دوسرا بیسویں کو ۔ اس میں کئی خلقت دو رات اور کئی ایک رات ، وہاں رات بھر حاضر رہتی ہے اور تمام رات خدا کی عبادت کرتے ہیں ۔ رات کو وہاں سے لوگوں کو حلوہ نان بہ طریقِ تبرّک ملتا ہے ۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

خدائے کریم ان کی نیک نیّت میں برکت دے اور اجرِ خیر کا جزائے خیر بخشے ۔"

(ہفتہ وار "کوہِ نور" لاہور ۔ ۵ فروری ۱۸۵۶ع) ۔

میاں محمد سلطان ٹھیکیدار کشمیری خاندان کے فرد تھے ۔ ۴ فروری ۱۸۷۶ع کو وفات پائی ۔

(نقوش ، لاہور نمبر ، ص ۴۰۶)

۱ ۔ اصل : کے ۔

کئی لوگ نقد روپیہ وہاں نذر چڑھاتے ہیں ۔ ان کو دستار بھی ملتی ہے ۔

اس مزار پر کئی مجاور ہر روز بیٹھے رہتے ہیں اور ہر روز خصوصاً جمعرات جمعہ کو بہت خلقت وہاں ہمیشہ جاتی ہے ۔ پھول مزار پر چڑھاتے ہیں اور کوڑیں یا پیسے مجاوروں کو دیتے ہیں ۔ اور ہر جمعے کو چار پانچ بجے دن کے وہاں خلقت جمع ہوتی ہے اور کبھی کبھی ناچ بھی ہوتا ہے ۔

متّصل اس کے قطب شاہ ایک فقیر کا تکیہ ہے ۔ وہ بڑا دانا آدمی ہے ۔ اس نے ایسی رقّت کی ہوئی ہے کہ سارے لاہور کی رنڈیاں وہاں سلام کے واسطے حاضر ہوتی ہیں اور مجرا کرتی ہیں اور اس کو مرشد کے برابر جانتی ہیں ۔ اور میری دانست میں کچھ کاملیّت اس میں پائی نہیں جاتی ۔ مگر اس ملک میں دستور ہے کہ جہاں کسی فقیر کے پاس چار کنچنی گئیں اور چرچا ہوا ، وہ فقیر کامل بن گیا ۔ فقط

آخری چار شنبہ :

بعد ازاں اخیری چار شنبے کا میلہ ہوتا ہے ۔ یہ تمام ملک میں بڑا دن ہے کیونکہ جناب حضرت محمد صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جب بہت بیمار تھے تو اس روز انھوں نے ذرا آرام پایا اور غسل کرکے تبدیلِ پوشاک بھی حضرت نے فرمائی اور عطر بھی لگایا اور باہر سبزہ بھی لتاڑا[1] ۔ اور پھر جب دولت خانے میں تشریف لائے تو بہت بیمار ہو گئے اور وفات پائی ۔ اور پھر چار شنبے کا روز ان کی حینِ حیات

---

۱ ۔ پنجابی ، یعنی روندا ۔

میں نہ آیا ، لہذا اُس دن کا نام آخری چار شنبہ ہے ۔

اس روز سب لوگ نئے اور صفا کپڑے پہنتے ہیں اور عطر بھی لگاتے ہیں اور باغوں میں سبزہ لتاڑنے بھی جاتے ہیں ۔ اور اس روز کو بہت مکرّم روز خیال کرتے ہیں ، بلکہ اس پر کسی بزرگ کی رباعی ہے :

نظم :

آخری چار شنبہ ماہ صفر
جانبِ باغ سیر کن بنگر
ہر کہ امروز می کند شادی
غم نہ بیند بہ قولِ پیغمبرؐ

اسی روز داتا گنج بخش صاحب کی مجلس ہوتی ہے اور وہاں بھی بڑا میلہ ہوتا ہے ۔ سب اہلِ دل حاضر ہوتے ہیں اور سرود بھی ہوتا ہے اور فقیر حالت کھیلتے ہیں ۔ بعضے مسلمان اس روز میٹھی روٹی اور چُوری تیار کرتے ہیں اور بعضے اس روز چاندی کا چھلّہ بنوا کر ہاتھ میں ڈالتے ہیں ، اور اس چھلّے کو مبارک جانتے ہیں اور تبرّک سمجھتے ہیں ۔

اور نزدیک شیعہ لوگوں کے یہ دن بہت غم و الم کا ہے ۔ وہ از روئے اپنی کتب ثابت کرتے ہیں کہ جناب سرور عالمؐ نے اسی روز وفات پائی ہے ۔ مگر وہ بھی اس روز فاتحہ حضرت کا دلاتے ہیں ۔ فقط

مولوی غلام حسین صاحب :

اور دہم صفر کو شہر لاہور میں محلۂ چابک سواراں ، مسجد چینی میں عرسِ مبارک جناب مولوی غلام حسین صاحب چشتی کا

ہوتا ہے ۔ یہ مولوی صاحب بڑے معارف آگاہ اور صاحبِ عبادت اور ریاضت تھے ۔ پچیس برس حضرت نے استراحت نہیں فرمائی اور مسکینی میں سید السالکین اور فنا فی الحسین تھے ۔ صاحبِ رقت ایسے تھے کہ اگر کہیں نام سرور دوجہاں[ص] یا حسین[ع] آ جاتا تھا تو عالمِ گریہ میں بے ہوش ہو جاتے تھے ۔ اور کرامات ان کی ہزار ہا مشہور ۔ سب روسائے پنجاب اُن کو قبلہ و کعبہ جانتے ہیں ۔

اس عرس میں نان حلوہ تقسیم ہوتا ہے اور چراغاں خوب روشنی سے ہوتی ہے ۔ روسا ، فقرا سب حاضر ہوتے ہیں اور اس روز نذریں بھی چڑھتی ہیں اور گھنٹہ دو گھنٹہ مرثیہ خوانی بھی وہاں ہوتی ہے ۔ چونکہ اس حضرت نے ۱۲۶۰ھ یعنی یک ہزار و دو صد و شصت سال ہجری میں اپنی وفات پائی ہے ، لہذا خلقت بہ کثرت جمع نہیں ہوتی اور دس گیارہ بجے تک زائرین سے فراغت حاصل ہو جاتی ہے ۔

چراغوں کا میلہ :

چراغاں ، یہ میلہ شہر لاہور میں بہت دھوم دھام سے اول رجب المرجب کو ہوتا ہے ۔ اس سال سے یعنی سالِ انطباعِ کتابِ ھذا سے یہ میلہ اول شعبان کو مقرر ہو گیا ہے ۔ شہر امرت سر وغیرہ نواحیات کے لوگ بہ کثرت آتے ہیں ۔ اور اس کو حضرت مادھو لعل حسین کے چراغ بھی کہتے ہیں ۔ شبِ دوم رجب المرجب کو لوگ وہاں جاتے ہیں ۔ ہر طرح کی دوکانیں وہاں جمع ہوتی ہیں ۔ تمام رات ناچ راگ رنگ ہوتے رہتے ہیں اور شراب کباب بہ کثرت اُڑتے ہیں ۔ اور ہر شخص حتی المقدور لباس وغیرہ میں خرچ کرتا ہے اور دوم رجب کو سب خلقت شہلا باغ میں جمع رہتی ہے اور ہر ایک مقام میں چند دوست فرش مکلّف بچھائے ہوئے جمع بیٹھے

ہوئے ہوتے ہیں ۔ کوئی کچھ پکا کے کھاتا ہے ، کوئی شراب کباب کھاتے پیتے ہیں ، کوئی ناچ دیکھتا ہے ، کوئی قوالاں کو بُلا کے راگ سُنتا ہے ۔ کئی بے شرم کمینے لوگ اپنی آشنا کنچنیوں کو بھی ساتھ لے بیٹھتے ہیں ۔ کہیں کوئی تماشا ہو رہا ہے ، کہیں کچھ کھیل ہو رہی ہے ۔ غرض عجب طور کا سماں بندھا ہوا ہوتا ہے ۔

باہر دروازے شہلا باغ کے سینکڑوں یکّے اور گاڑی اور بگھی گھوڑے ، ہاتھی تماشائیوں کے جمع ہوتے ہیں اور ہر رقم کی شیرینی وغیرہ لوازمات کا بہ کثرت بِکاؤ ہوتا ہے ۔ اللہ اللہ ! میں حیران ہوں کہ اگرچہ اس زمانے میں ہر نقیر و قطمیر شاکی ہے اور جس سے پوچھو ، یہی کہتا ہے کہ میں بے کاری سے تنگ ہوں اور روٹی کپڑا بھی بہ خوبی پیدا نہیں ہوتا ، لیکن اس میلے میں جسے دیکھو خوش و خرّم ، مرفہ الحال نظر آتا ہے ۔ خدا جانے باعث اس کا کیا ہے ۔ خرچ کا یہ حال ہوتا ہے کہ غریب سے غریب آدمی ایک دو روپے سے کم خرچ نہیں کرتا ۔

اور اس میلے میں کوتوال ، تھانے دار لوگ اپنے محرّر اور چپڑاسیوں سمیت محافظت کے واسطے حاضر رہتے ہیں ۔ فقط

آج بہ تاریخ گیارھویں ماہ مارچ سے بروز دوشنبہ یہ میلہ شہلا باغ میں ہے ۔ رات کو خلقت مرقدِ مادھو لعل حسین رضی اللہ عنہ پر بہت تھی اور بکثرات و مسّرات میرے دوستوں نے مجھے وہاں چلنے کے واسطے اشارہ کیا اور بہت بجد ہوئے کہ چراغوں کے میلے پر چلو ، مگر دل نے گواہی نہ دی ۔ اور مجھے میلے پر جانے سے شرم آتی ہے ۔ تمام عمر میں چند بار مجھ کو اتفاق جانے کا پڑا ہے ۔ فقط

طُرفہ تو یہ ہے کہ اگرچہ تیوہار اہلِ اسلام کا ہے مگر یہاں ہندو مسلمان دونوں فریق جاتے ہیں ۔ آج شہر میں سے سب آدمی

باہر گئے ہیں ۔ کوئی کوئی دوکان کھلی ہوئی نظر آتی ہے اور بہت سی بند ہیں ۔ گویا ہڑتال ہوئی ہوئی ہے ۔ آگے اس میلے کا اتنا چرچا نہ تھا ۔ اب مدت دس گیارہ برس سے یہ دستور مقرر ہے کہ عقل حیران ہے کہ یہ لوگ کیسے کیسے دستور نرالے نکالتے ہیں ۔

میں نے ایک سال دیکھا کہ کئی اندھے اور بہت ضعیف جن سے قدم بھی بہ آسانی اٹھایا نہیں جاتا ، وہ بھی اس میلے پر چلے جاتے ہیں ۔ فقط

غسل کا دستور :

نہم ماہ محرّم کو کئی حضرات کے مزاروں کا غسل ہوتا ہے ۔ چنانچہ شہر لاہور میں حضرت داتا گنج بخش صاحب قدّس سرّہ العزیز کا غسل ہوتا ہے ۔ جو لوگ کہ اس مزار کے خادم ہیں ، وہ لوگ اس روز گلاب کی شیشی اور عطر لے کر پانچ بجے دن کے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور سب مجاور لوگ کورے گھڑے پانی کے بھر کر لا رکھتے ہیں ۔

پہلے فاتحہ پڑھتے ہیں اور بعد ازاں قبر سے غلاف اتارتے ہیں اور خادموں سے عطر اور گلاب لے کر پہلے وہ قبر پر ڈالتے ہیں اور مخرج پانی کے بند کر لیتے ہیں اور پھر پانی سے مزار کو دھوتے ہیں اور پانی کے گھڑے اوپر روڑھاتے ہیں اور سب لوگ درود شریف پڑھتے ہیں ۔ بعد ازاں اس پانی کو ، جو معطّر ہوتا ہے ، گھڑوں میں بھر لیتے ہیں اور خادموں کو بانٹ دیتے ہیں ۔ وہ لوگ اپنے گھروں میں وہ پانی لے جاتے ہیں اور بطور تبرّک پیتے ہیں ۔ فقط

قبرستان کا جانا :

اور اِسی روز سب لوگ زن و مرد اپنے اپنے قبرستان میں جاتے

ہیں ۔ اس کا یہ دستور ہے کہ بہشتی اور گل فروش قبرستان میں صبح جا ٹھہرتے ہیں اور فجر سے سب لوگ کوئی باپ ، کوئی عورت ، کوئی بہن ، کوئی ماں کی قبر پر جاتے ہیں ۔ اگرچہ از روئے شرع عورتوں کو قبروں پر جانا بالکل ممنوع ہے مگر تو بھی جاتی ہیں ۔ کوئی کوئی 'مسروں'[1] کی دال بھی ساتھ لے جاتے ہیں اور پھول مول لے کر معہ دال قبروں پر ڈالتے ہیں اور بہشتی کو پیسے دے کر قبروں پر چھڑکاؤ کراتے ہیں ، کوئی آپ پانی لا کر قبروں پر ڈالتا ہے ، اور فاتحہ پڑھتے ہیں ۔

اور یہ مشہور ہے کہ اس دن 'روح'[2] موتلی کا حاضر ہوتا ہے اور پھول وغیرہ دیکھنے سے خوش ہوتا ہے ۔ فقیر فقرا بھی حاضر ہوتے ہیں ، ان کو بھی کچھ کچھ نقد دیتے ہیں ۔ بعض لوگ اس دن قبروں کو لیپن بھی کرتے ہیں ۔ کئی عورتیں وہاں جا کر روتی ہیں درآں حالیکہ قبرستان میں رونا بالکل منع ہے ۔ میں نے ایک کتاب میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب عورت قبرستان میں جاتی ہے تو موتلی کو وہ عورت برہنہ اور ہیٹ نظر آتی ہے اور موتلی کا 'روح ہزار ہا بد دعا دیتا ہے ۔ پس اس حالت میں عورتوں کو جانا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے ۔ مگر یہ اس روز ضرور جاتی ہیں اور کئی وہاں جا کے گریہ و بکا کرتی ہیں ۔ اور اس روز اکثر فاتحہ موتلی کے نام کا دلاتے ہیں ۔ فقط

عرس جناب غوثِ اعظم قدس سرہ العزیز :

بہ تاریخ سترھویں ماہ مبارک ربیع الثانی کی ، ہر مقام میں ہم

---

۱ ۔ پنجابی ، بجائے مسور ۔

۲ ۔ پنجابی ، مذکر بجائے مونث ۔

لوگ ، جو دل و جان سے مطیع و قربان جناب حضرت یوسفِ ثانی ، قطبِ ربانی ، محبوبِ سبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں ، فاتحہ حضرت کے عرس کا دلاتے ہیں ۔ اوصاف جناب حضرت ممدوح کے لاتعد و لاتحصٰی ہیں ، لقب حضرت کا محی الدین ۔ سنہ چار سو اکہتر (۴۷۱) ہجری مبارک میں حضرت کا تولّد ہے اور عمر مبارک حضرت کی ایکانویں[1] سال کی ۔ اور پانچ سو بیس (۵۲۰ھ) میں حضرت رحلت فرمائے عالمِ بقا ہوئے ۔ چناں چہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے :

سنینش کامل و عاشق تولّد   وفاتش جور معشوقِ الٰہی

حضرت سیّدِ حسنی الحسینی ہیں ۔ کُنّیت آں حضرت کی طریقت میں شاہِ مشائخ اور امامِ ائمہ ہے اور شریعت میں محبوبِ سبحانی ابو محمد بن جناب سید ابی صالح بن عبداللہ بن یحییٰ زاھد بن محمد بن داؤد بن موسٰی الحو بن عبداللہ محض بن حسن مثنٰی بن (امام) حسن بن علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ ۔ اور حسینی اس طرح سے کہ والدہ ماجدہ حضرت عبداللہ محض فاطمہ بنت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور علاوہ برآں والدہ مبارک حضرت غوث صمدانی کی بنی حسنی ہیں ۔ اور وجہِ تسمیہ محی الدین یوں ثابت ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ :

"میں بروز جمعہ نواحِ بغداد میں سیاحت کرتا تھا ۔ ناگاہ ایک مریض مجھ کو نظر آیا ، بہت نحیف البدن اور لاغر (و) لاچار ۔ اس نے مجھ کو السلام علیکم کیا ۔ میں نے جوابِ سلام دیا ۔ اس نے مجھسے اپنے پاس بلایا اور مجھے کہا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا ۔ میں نے اسے اٹھا کر بٹھایا ۔ فی الفور اس کا بدن صحیح و سالم اور تندرست ہوگیا اور رنگ روپ بہت خوبصورت نکل آیا ۔ میں نے اس سے باعث پوچھا ۔

---

۱ ۔ پنجابی ، نجانے اکیاون ۔

اُس نے مجھے کہا کہ تو مجھ کو پہچانتا ہے ؟ میں نے انکار کیا ۔ اس نے جواب دیا کہ میں تیرے جدّ کا دین ہوں جو مدت سے ضعیف ہوگیا تھا ۔ اب تو نے مجھے زندہ کیا ۔ آج سے نام تیرا محی الدین ہے ۔ یہ بات سن کے وہاں سے میں جامع بغداد میں آیا ۔ وہاں بعد نماز کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نعلین میرے جھاڑ کر میرے آگے رکھتا ہے اور مجھ کو کہتا ہے کہ پہن یا محی الدین ! بعد اس کے یک بارگی لوگ مجھ پر ہجوم لائے ۔"

آں حضرت کا نام آسمانوں میں بازاشہب ہے اور غوث الثقلین ہے کیونکہ حضرت کا تصرّف جنّ و اِنس دونوں فریق پر ہے ۔ چنانچہ حضرت ابو سعید بغدادی سے روایت ہے کہ ایک جوان لونڈی اس کے لبِ بام سے گم ہوگئی ۔ وہ حضرت غوث اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرضِ حال کی کہ یا مولا ! ایک کنیز خوب صورت میرے لبِ بام سے گم ہوگئی ہے ۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے ابو سعید ! فلانے مقام پر جا اور گرد اپنے ایک دائرہ کھینچ کر اس میں بیٹھ اور کہہ بسم اللہ علی نیت عبدالقادر ۔ جب تھوڑی رات جائے گی تو گروہ درگروہ جِنّ موجود ہوں گے ۔ تُو اُن سے مت ڈریو اور عندالصبح بادشاہ جنّوں کا معہ لشکر حاضر ہوگا اور تجھے کہے گا کہ بتلا کیا حکم ہے ۔ مجھے حضرت محبوب سبحانی نے تیری خدمت میں بھیجا ہے ۔ تُو اُس وقت اس کو حال گم ہونے کینزک کا سنا دینا ۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا اور ایسا ہی ہوا ۔ اور بادشاہِ جنّ نے کنیزک اس کی منگوادی ۔

اور حضرت کو جِیلی اس واسطے کہتے ہیں کہ جنابِ مقدّس ، ساکنِ جِیل کے ہیں (جو) ملکِ طبرستان میں واقع ہے ۔ اور بعضوں کے نزدیک جِیل ایک موضع مضافاتِ بغداد میں ہے ۔ اور بیعت حضرت

کی شیخ ابوسعید مخدومی کی خدمت میں بسلسلۂ جناب حضرت معروف کرخی ۔ اور جناب خضر حضرت کی صحبت میں اکثر رہتے تھے ۔ شیخ بقا بن بطو فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب غوث اعظم حضرت احمد (بن) حنبل رضی اللہ عنہ کی قبر پر زیارت کے واسطے تشریف لے گئے ۔ ناگاہ حضرت امام کی قبر شق ہو گئی اور امام باہر آئے اور حضرت سے معانقہ کیا اور کہا کہ یا غوث ! میں شریعت اور طریقت اور حقیقت میں تیرا محتاج ہوں ۔

حضرت کی والدۂ ماجدہ کی کُنیت اُم الخیر ، فاطمہ نام ، بنت شیخ ابو عبداللہ صومعی ۔ ولادت با سعادت جناب حضرت غوث اعظم کی اول رمضان ہے ۔ اور حضرت کی والدہ سے روایت ہے کہ حضرت نے ماہ رمضان میں کبھی دودھ نہیں پیا مگر بہ وقتِ افطار ۔

حضرت سولہ سترہ برس کی عمر میں جیلان سے تشریف لا کر بغداد میں عالم فاضل ہوئے ۔ اور اسی سفر میں ساٹھ قطاع الطریق[۱] نے حضرت کی خدمت میں آ کر توبہ کی ہے ۔ قریب چالیس سال کے حضرت وعظ فرماتے رہے اور جب منبر پر تشریف لے جاتے تھے تو فرماتے تھے : ”اے اہلِ زمین و آسمان ! آؤ اور سنو میری بات اور سیکھو ، کیونکہ میں نائب اور وارث جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ہوں ۔ اور قریب سترہ ہزار نفر کے ہر وعظ میں خلقت جمع ہوتی تھی اور ہر مجلس میں دو تین آدمی مؤثر ہو کر جاں بحق ہو جاتے تھے ۔ اور حضرت شیخ ابو سعید فرماتے ہیں کہ بارہا مجلسِ وعظِ غوثِ اعظم میں صف ہائے پیغمبراں و ملائکہ میں نے دیکھی ہیں ۔

حلیۂ مبارک حضرت کا : نحیف البدن ، میانہ بالا ، نص الصدر ،

---

۱ ۔ قطاع الطریق : رہزن ۔

کشادہ پیشانی ، گندم گوں ، پیوستہ ابرو ، آواز حضرت کا بلند تھا[1] اور لباس علمایانہ[2] ۔

سوا سلاطین کے حضرت ہدیہ اور تحفہ اہلِ اسلام سے قبول فرماتے تھے ۔ نقل ہے کہ ایک روز ابوالمظفر خلیفۂ بغداد دو بدرے زر کے حضرت کی خدمت میں لایا ۔ حضرت نے قبول نہ فرمائے ۔ اس نے بہت منّت و زاری کی ۔ حضرت نے دونوں ہاتھوں سے بدرے اٹھائے ۔ دونوں سے خون جاری ہوا ۔ حضرت نے فرمایا : ''اے ابوالمظفر ! تجھ کو خدا سے ترس نہیں آتا کہ خونِ مسلمانان مجھے دیتا ہے ۔'' فی الفور خلیفہ بے ہوش ہو گیا ۔

حضرت اہلِ جاہ و شوکت کے یہاں کبھی تشریف نہ لے جاتے تھے اور ایسے لوگوں کو تعظیم بھی نہ دیتے تھے ۔ حضرت کے اوصاف اگر لکھوں تو ایک دفتر چاہیے بلکہ کسی بنی نوع انسان کو طاقتِ تحریر و تقریر نہیں ۔ کرامات حضرت کی امین من الانس و اظہر من الشمس ہیں ۔

حضرت کی امداد کا قائل ہوں اور ہمیشہ استمداد کرتا ہوں ۔ حضرت بے شک زندہ پیرِ دست گیر ہیں ۔ ناز و نیاز میرا صرف جناب حضرتِ غوثِ اعظم پر ہے[3] ۔

حضرت کے عرس کے روز اکثر مقاموں میں ختم شریف ہوتے ہیں اور ہر طرح نذر و نیاز تقسیم ہوتی ہیں ۔ میری بھی شب و روز حضرت کی جناب میں التجا ہے کہ مجھے اپنے قدموں میں بلاویں اور

---

۱ ۔ آواز مذکّر بجائے مونث ، کذا ۔
۲ ۔ بجائے عالمانہ ، کذا ۔
۳ ۔ ایک جملہ یہاں سے حذف کر دیا گیا ہے ۔

بندۂ حلقہ بگوش کو یاد سے فراموش نہ فرماویں ۔ حضرت کا قدم کل اولیاء اللہ کے کندھے پر ہے ۔ اور سچ ہے کہ :

یا شاہ ! اگر تم سے مددگار نہ ہوتے
حل عقدۂ لاحل کبھی زنہار نہ ہوتے

پنجاب میں اگرچہ بہ سبب بے علمی کے اس روز کے (منانے کا) چنداں رواج کم ہے ، مگر سبحان اللہ ! اہلِ کشمیر و ولایت[1] اس روز کو بہتر عید سے جانتے ہیں ۔ اے مسلمان بھائیو ! اس جناب فلک رکاب کی جتنی ارادت بہ دل و جان پیدا کرو گے ، وِتنی ہی روز قیامت کو آرام و چین پاؤ گے ۔ ایسے حلّالِ مہمات کا دامن دل کے ہاتھوں سے بہ خوبی پکڑے رہو ۔ فقط

معراج شریف :

معراج شریف بھی ہم لوگوں میں بڑا دن اور اشرف الایّام ہے ۔ اس میں جناب سرور دو جہان رحمتِ عالمیان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو معراج مبارک ہوا ہے ۔ اور اس واسطے سب اہلِ اسلام خوشی کرتے ہیں اور مسجدوں میں چراغاں کرتے ہیں اور تمام رات دین دار لوگ جاگتے رہتے ہیں ۔ کوئی نفل پڑھتا ہے ، اور بڑی مسجدوں میں تمام رات وعظ کرتے ہیں ۔ کوئی وعظ سنتا ہے اور جن کو خدا نے اہلِ مقدور کیا ہوا ہے ، وہ مسجدوں میں بہ طورِ فاتحہ ، جنابِ سروری کے وعظ سننے والوں کو اور غریب مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں ۔ کوئی پُلا زردہ ، کوئی شیریں برنج ۔ اور ہم جیسے غریب لوگ گھروں میں کچھ پکا کر مسجد میں بھیجتے ہیں اور

---

۱ ۔ ولایت سے مراد غالباً افغانستان وغیرہ کا علاقہ ہے ۔

کوئی کسی غریب کو کھلا دیتا ہے ۔ اور درود شریف پڑھتے ہیں ۔ یہ رات ماہ رجب کی ستائیسویں رات ہے ۔ فقط

شبِ برات :

چودھویں تاریخ ماہِ شعبان المعظّم کی اہلِ اسلام میں ہوتی ہے ۔ اس میں رات کو اکثر نماز نفل گزارتے ہیں اور متقی لوگ رات بھر عبادت کرتے رہتے ہیں ۔ اور اب یہ رسم ہو رہی ہے کہ ہر ایک شخص اپنے اپنے گھر میں آتش بازی : انار ، پھلجھڑی ، مہتابی ، ہتپول لا کے چھوڑاتا ہے اور ہر ایک جگہ میں اس کا چرچا ہوتا ہے ۔ اور عورتیں اس رات 'مسروں'[1] کی دال پکا کے کھانے کو ثواب جانتی ہیں ۔ اور خشخاش بھی ضرور کھاتے ہیں ، اور یہ کہتے ہیں کہ جتنے دانے خشخاش کے کھاوے ، اتنے ہی گناہ اس کے دور ہو جاتے ہیں ۔ اور گھروں میں کپڑے اور برتن ضرور زیر زبر کرتے ہیں بلکہ ہر چیز کو پھیلا چھوڑتے ہیں اور اس کو فالِ نیک جانتے ہیں ۔ اور ہر شخص اپنے بزرگوں کے نام کا فاتحہ بھی دلاتا ہے ۔ اور محرّم شریف کے موافق قبروں پر پھول جا کے چڑھاتے ہیں اور اس روز قبرستانوں میں گویا میلہ ہوا رہتا ہے ۔ عورتیں بھی بہ کثرت جاتی ہیں ۔ اور بعضے لوگ اس روز بزرگان کا فاتحہ حلوے منڈے پر دلاتے ہیں ۔ زمیندار لوگ آتش بازی تو نہیں چلاتے مگر فاتحہ وغیرہ ضرور کرتے[2] ہیں ۔

عربی زبان میں اس کو لیلۃ القدر بھی کہتے ہیں (کذا) ۔ اور یہ اب بہت خوشی کا دن مقرر ہو رہا ہے ۔ چنانچہ مصنّف مثال دیتے ہیں کہ "اس کے دن عید اور رات شب قدر برات (کذا) کی طرح گزرتی ہے ۔"

---

۱ ۔ پنجابی ، بجائے مسور ۔
۲ ۔ پنجابی ، بجائے دلاتے ۔

یعنی بہت خوشی سے اوقات بسر کرتا ہے ۔ فقط

رمضان :

پھر رمضان شریف آتا ہے ۔ اس میں روزے رکھنا ہوتا ہے ۔ رمضان شریف ایک مہینے کا نام ہے جس میں ہر روز مہینا بھر روزے رکھنا فرض ہے ۔ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اس مہینے میں رحمت کے دروازے آسمانوں پر کھلے رہتے ہیں اور جو کچھ روزدار کھاوے پیوے وہ سب کچھ بے حساب ہے ، یعنی روزِ قیامت نہ اس کا حساب ہے نہ کتاب ہے (کذا) ۔

مجھے مذہبی باتوں سے کیا ! میں ملک کا دستور پڑا لکھتا ہوں ، سو لکھوں ۔ دستور رمضان شریف میں یہ ہے کہ جب رؤیتِ بلالِ رمضان ہوئی تو اسی رات اہلِ سنّت و جماعت لوگ تراویح پڑھتے ہیں ۔

تراویح ایک نماز کا نام ہے جس کی بیس رکعتیں ہیں اور ان کے پڑھنے کا تین طرح دستور ہے ؛ ایک تو اکیلے یعنی بے امام اور دوسرا باجماعت ۔ اور باجماعت دو قسم ہیں ؛ ایک تو یہ دستور ہے کہ بعضے مسجدوں میں حافظ قرآن شریف کا مقرر کرتے ہیں اور وہ امام ہوتا ہے اور سب اس کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں ۔ وہ بیس رکعتیں دو دو رکعت کر کے پڑھتے ہیں ، اور جب چار رکعت ادا کر لیتے ہیں تو سب لوگ یہ تسبیح پڑھتے ہیں :

تسبیح :

"سبحان ذوالملک و الملکوت سبحان ذو الملک الحی الذی لا ینام و لا یموت ۔ سبّوح قدوس ربّنا و رب الملایکہ و الروح ۔ اللھم اجرنا من النار یا مجیر یا مجیر یا مجیر ۔"

یہ تسبیح کوئی ایک دفعہ دو دفعہ پڑھتا ہے اور بعدازاں سب کہتے ہیں : "بر خواجہ عالم صلوات" ۔ اور سب پھر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تراویح اسی طرح پڑھتے ہیں ۔

کوئی حافظ بیس رات ، کوئی ستائیس رات میں ختم قرآن شریف کرتا ہے ۔ اور ختم کرنے کی رات میں یہ دستور ہے کہ سب نمازی کچھ پتاشہ[1] ، کچھ نقد اپنے حتی المقدور ساتھ لاتے ہیں اور کوئی کوئی دستار بھی لاتا ہے اور بعد ختم قرآن شریف کے حافظ کو دیتے ہیں اور پتاشے وغیرہ شیرینی تقسیم کرتے ہیں ۔ بعضے لوگ اس روز سونف ، اجوائن ، فلفل سیاہ ساتھ لےجاتے ہیں اور حافظ سے اس روز اس پر دم کراتے ہیں اور گھر میں لے جاتے ہیں اور بہ طور تبرّک کھاتے ہیں ۔ اور کئی حافظ میں نے ایسے سنے کہ ایک رات اور بیس رکعت میں قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں ۔ فقط

رمضان میں اکثر لوگ نمازی بن جاتے ہیں ۔

اور روزہ رکھنے کا یہ معمول ہے کہ پہلی رات کو تین چار بجے کے وقت سب لوگ اُٹھتے ہیں اور جو کچھ دل چاہے کھا پی لیتے ہیں اور پھر نیّت روزے کی کرتے ہیں ۔ اور جو کوئی روزہ رکھے اور نیّت نہ کرے تو اس کا روزہ درست نہیں ۔ نیّت یہ ہے :

"اللّٰھم اِنیّ آمنت بک و بصوم غدی نویت" یعنی بار خدایا ! میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور کل کا روزہ رکھنے کی میں نے نیت کی ہے ۔

پس جب یہ نیّت کی تو روزہ رکھنا ضرور ہوا اور بے نیّت روزہ رکھنا معتبر نہیں جانتے ۔ اور سحری کے وقت کھانا پینا اُس وقت تک درست ہے جب تلک سفید اور سیاہ تاگے میں بہ سبب اندھیرے کے

---

۱ ۔ پنجابی ، بجائے بتاشہ یا بتاسا ۔

فرق نہ معلوم ہووے ، اور جب سفید سیاہ تاگے میں تمیز ہونے لگے تو کھانا پینا ممنوع ہے ۔

اور رمضان شریف کے بھی نمازی مشہور ہیں ، یعنی ہر ایک مسلمان نماز پنج وقت پڑھتا ہے ۔ اور افطار بہ وقتِ غروبِ آفتاب کرتے ہیں ، تمام دن نہ کھانا نہ پینا ۔ ستائیسویں کا روزہ رکھنا بہت مبارک جانتے ہیں اور اس روز بہ وقتِ افطار غریب غربا کو یا مسجدوں میں کھانا بھیجتے ہیں ۔ اور جمعۂ آخرِ ماہ رمضان شریف کو قضائے عمری کہتے ہیں ۔

قضائے عمری :

قضائے عمری کا یہ دستور ہے کہ جمعے کے دن ہر ایک پوشاک مصفّا پہنتا ہے اور سب لوگ مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور پانچوں وقت کی نمازیں قضا کر کے گزارتے ہیں ۔ پھر امام مسجد میں نماز کراتا ہے اور امام ایک خطبہ مُشعرِ درد و الم و مُفارقتِ رمضان شریف منبر پر کھڑا ہو کے بہ آوازِ بلند پڑھتا ہے اور سب لوگ دست بستہ بیٹھ کے سنتے ہیں اور بعضے ایمان دار لوگ روتے ہیں ۔ اور قضائے عمری کے دن جو نمازیں قضا کر کے پڑھتے ہیں تو ان کا یہ مطلب ہے کہ اس روز قضا کر کے نمازیں پڑھنے کا یہ ثواب ہے کہ تمام عمر میں جو جو نماز قضا ہوئی ، اس کا نعم البدل یہ نماز ہو جاتی ہے ۔ فقط

عیدِ فطر :

جب رمضان شریف کا ماہ ختم ہوتا ہے تو پھر عید فطر ہوتی ہے ۔ عیدِ فطر سب سے بڑا دن اہلِ اسلام کا ہے اور اس میں ہر ایک مسلمان خوشی کرتا ہے ۔ اور تین دن تک عید کا حکم ہے ۔ دوستوں

کو ملنا اور تین دن کام کو ہاتھ نہ لگانا اور خوش بہ خوش رہنا اور ضیافتیں کھانی اور صدقۂ فطر ادا کرنا ۔

صدقۂ فطر یہ ہے کہ ہر شخص کیا عورت ، کیا مرد ، کیا امرد[1] ، کیا بچہ ، ہر ایک فی نفر دو سیر گندم یا جو دیوے ، حکم ہے ۔

اور ملکِ پنجاب میں یہ دستور ہے کہ عید کے دن سیویاں ہر شخص اپنے گھر میں پکاتا ہے ۔ اگر دولت مند ہوا تو وہ مہین سیویاں لایا اور اس میں چینی اور دودھ ڈالا ، اور اگر غریب ہوا تو موٹی سیویاں گھر میں بنا کر اس نے پکائیں اور شکر سرخ اور دودھ ملا کر کھائیں ۔ اور اس روز دوستوں کو بھی سیویوں کے تھال بھیجتے ہیں ۔ اور لڑکیوں کے سسرال میں بھی چند روز پہلے دہار[2] بھیجتے ہیں ۔

دہار عید فطر :

دہار کا یہ معمول ہے کہ کچھ سیویاں اور کچھ نقد اور کوئی کپڑا لڑکی اور داماد کا روانہ کرتے ہیں اور یہ چیزیں حجامہ لے جاتی ہے ۔ آگے لڑکی کے سسرال سے اس حجامہ کو کچھ روپیہ دھیلی بطورِ انعام ملتا ہے ۔ اور پھر یہ اسباب سسرال اپنی برادری میں تقسیم کرتے ہیں ۔ فقط

جب عید کے روز پہر دن برآمد ہوتا ہے تو نمازِ عید ہوتی ہے ۔ ہر شخص نئے زرق برق کے کپڑے پہن کر مسجد میں جاتا ہے ۔ وہاں امامِ مسجد نماز اور خطبہ کراتا ہے ۔ بعد از فراغت نماز و خطبہ

---

۱ ۔ اصل : مرد ۔

۲ ۔ تہوار یا عید کے موقع پر لڑکی ، بہو یا داماد کو بھیجا جانے والا تحفہ ، خواہ وہ نقدی کی صورت میں ہو یا جنس کی صورت میں ۔

مُلاّ کو کچھ نقدی دیتے ہیں اور کوئی کوئی دستار بھی دیتا ہے۔ اور حکم ہے کہ اُس روز صدقۂ فطر ہر ایک مسلمان دیوے۔ سو بعضے بعضے، جن کو عقل و علم سے بہرہ ہے، موجب حکمِ نبوی کے گیہوں مُلاّ کو دیتے ہیں۔ پھر سب مسلمان آپس میں معانقہ کرتے ہیں بلکہ تین روز ہر ایک دوست کو مل کر معانقہ کرتا ہے اور ہر شخص اپنے لڑکے بالوں اور دوستوں کے لڑکے بالوں کو کچھ نقدی، کوئی دو آنے، کوئی چار آنے، کوئی روپیہ، کوئی دس بیس روپے دیتا ہے اور اس کا نام "عیدی" ہے۔

شہر لاہور میں اسی روز ظہر کے وقت موچی دروازے کے باہر حضرت شاہ ابوالمعالی کے مزار پر میلہ عید کا ہوتا ہے۔ وہاں سب لوگ جاتے ہیں اور شام تک جمع رہتے ہیں۔

پھر دوسرے دن دوم شوال کو دہلی دروازے کے باہر میلہ ہوتا ہے۔ اس میلے کا نام "ٹـرو" ہے۔ یہاں بھی بہت خلقت جاتی ہے اور تیسرے دن بھی اسی طرح میلہ ہوتا ہے۔ اس کا نام بھی ٹـرو ہے۔ اکثر لوگ باغوں میں جاتے ہیں اور دوستوں کی ملاقاتوں کا چرچا رہتا ہے۔ اور جس کے گھر کچھ ماتم ہوا ہوا ہوتا ہے تو وہ عید وغیرہ، کسی بڑے دن کی شادی نہیں کرتے، بلکہ روتے پیٹتے ہیں اور اس روز کا نام "پُھوڑی" ہے۔ فقط

بقر عید:

بعد ازاں بقرعید دہم ذوی الحجہ کو ہوتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ نہم ذوی الحجہ، جس کو عرفہ کہتے ہیں، اُس روز مکہ شریف میں حج ہوتا ہے اور اس دن کو اہلِ اسلام بہت مبارک جانتے ہیں۔ اور جناب حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علی نبیّنا و علیہ الصلٰوۃ نے اس روز اپنے فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کو جنابِ باری تعالیٰ

میں قربان کیا[1] ہے ۔ اگر کوئی سارا قصہ دیکھنا چاہے تو اور کتابوں یا قرآن شریف میں دیکھ لے ۔

یہ عید بھی بہ مثل عید فطر کے ہے ۔ اور سب دستوار برابر مگر سیویاں نہیں پکاتے اور کئی قسم کا کھانا پکاتے ہیں ۔ قربانی کا یہ دستور (ہے) کہ مینڈھا ، بھیڑ ، بکرا لائے اور اس کو حلال[2] کیا اور برادری اور محلّے میں تقسیم کیا ۔ یہ عید بھی تین روز ہوتی ہے اور قربانی بھی تین روز کرنی روا ہے ۔ از روئے شرع قربانی صاحبِ زکٰوۃ[3] کو دینی لائق ہے ۔ اور اگر کوئی اور بھی دیوے تو مضائقہ نہیں ۔

تاریخ

اِس ملک میں رسمِ عام ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب تصنیف کرے یا کوئی مفید عمارت بنوائے تو اس کے واسطے اکثر "تاریخ" شعرائے نامدار تیار کرتے ہیں ۔ امیروں سے تو اس کے عوض میں صدہا روپیہ ان کو ملتا ہے ۔

اور تاریخ سے یہ مراد ہے کہ اس سے نام مصنّف اور حال کتاب اور سنہ تصنیف اس کا بہ حسابِ ابجد معلوم ہو جاوے ۔ اور وہ تین قسم (کی) ہوتی ہے : ایک تخلیہ ، دوسرا تعمیہ ، تیسرا سالمہ ۔ تخلیہ تو وہ ہے کہ جس میں سے کچھ عدد نکال کر تاریخ درست پوری نکلے ۔ اور تعمیہ وہ ہے کہ جس میں چند عدد سے تاریخ سالم ہو جاوے ۔ اور سالمہ وہ ہے کہ جس کے عدد برابر برآمد ہوں ۔

---

۱ ۔ اصل : دیا ، غالباً سہو کتابت ۔

۲ ۔ پنجابی ، بجائے ذبح کیا ۔

۳ ۔ مراد ہے صاحبِ ثروت یا وہ شخص جس پر زکٰوۃ واجب ہو ۔

اور تاریخ اکثر نظم میں ہوتی ہے - تاریخ کا کہنا بہت مشکل کام ہے - بعضی کتابوں کی تقریظ بھی لکھی جاتی ہے اور اس میں بھی نامِ کتاب اور مصنّف لکھا ہوا ہوتا ہے مگر وہ نثر میں ہوتی ہے -

اب بہ وقتِ انطباع اس کتاب "یادگارِ چشتی" کے جو چند تاریخیں حضرات ابنائے زماں سے اور ایک تقریظ معہ مات تاریخ جناب والدی ماجدی ، فضیلت پناہ ، یکدلی آگاہ ، فخر الشعرا مولوی احمد بخش صاحب یکدل سے پہنچی ، بہ جنسہ درج ذیل کی جاتی ہے - یقین کہ شائقین ملاحظہ فرما کر مسرور ہوں گے - فقط

از نتائجِ طبعِ فضلیت مرتبت

بھائی محمد جان صاحب لاہوری کوٹھی‌دار پشمینہ

در امرت سر

نظم

وہ واہ جی بھائی مرے وہ واہ وہ طالع ترے
کیا نقشبندی کی ہے یے[1] دیکھا جو میں اب کے اسے
آگے جو تصنیفات ہیں ، تیری وہ اِک آیات ہیں
وحدت سے سب یکذات ہیں مطبع میں اب دے دے اِسے
حکام جو انگریز ہیں ، انصاف سے لب ریز ہیں
شاہنشہان و تیز ہیں ، اب نذر کر دیجیے اِسے
بھائی جو نیک سرشت ہو اور یادگارِ چشت ہو
طالب جو سیر بہشت ہو ، کہہ دو آ سے لیجے اِسے

---

۱ - بجائے "یہ" ، قدیم طرزِ کتابت - قافیے کی رعایت سے مرتّب کی کتابت کو تبدیل نہیں کیا -

ہو صاحبوں کو گر خبر دیں گے بہت سا سیم و زر
ڈالیں گے سب اُس پر نظر کوئی اگر بیچے اِسے
اُردو کی جب یہ زبان ہے اور سہل اور[1] آسان ہے
شائق کی گویا جان ہے لے پڑھنے والے رہے اِسے
بندہ "محمد جان" ہے ، سو آپ کا خواہان ہے
اس پر گواہ قرآن ہے ، ہے رات دن دیکھے اِسے
ہے نقشبندی یہ عجب ،وہ ،واہ ،وہ چشتی نسب
میں نے بھی کی تاریخ اب سو بندہ اب بھیجے اِسے
ناگہ فرشتہ گیا جو مِل کہنے لگا وہ مجھ سے پل
تاریخ ہے وے نقد دل جو مشتری اب لے اِسے

۱۲۷۵ھ

طبع زادِ برادرِ عزیزم محمد علی سلمہ متخلص بہ پُردل

چو مقبولِ خدا شد جملہ کارِ چشتیٔ یک دل
بر افضالِ الٰہی شد مدارِ چشتیٔ یک دل
چو ارژنگِ معانی یادگارِ چشتیٔ ما شُد
ہمی مانند بمانی کاروبار چشتیٔ یک دل
پیٔ تاریخش[2] اتمامش بہ "پر دل" ہاتفی گفتہ
ہمایوں بہ بعالم یادگار چشتیٔ یک دل

۱۲۷۵ھ

---

۱ - اصل میں صرف "و" لکھا تھا ۔ مصرع موزوں کرنے کے لیے اگر "و" کی بجائے "اور" کو استعمال کیا جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے ۔
۲ - کذا ، غالباً "تاریخ اتمامش" ۔ ممکن ہے طبع اول میں سہو کتابت ہو ۔

از فکرِ رسا و ذهنِ باصفا مشفقی جناب انور شاه واعظِ کشمیر متخلص به انور

بحمد الله ز سعیِ نورِ احمد مولوی چشتی
شده این نامهٔ نامی گرامی نزد هر مقبل
به تاریخِ تمامش خواست "انور" ملهمِ غیبی
به‌گفتا شد تمام این یادگار چشتیٔ یک دل

۱۲۷۵ھ

از طبعِ روشن جناب محمد حسن متخلص به شعری کشمیری

عیان شد از جنابِ مولوی نور احمدِ چشتی
نگارین نامهٔ رشکِ بهارِ باغی و دشتی
تعالی الله ازین طبعی که میگوید خرد او را
نوشتی صفحهٔ دفتر ارژنگ به نوشتی (کذا)
رسد گر آن ملیحِ هند در ایران برنگینی
شود محو از خجالت دعویٔ ترشیزی و دشتی[1]
پیٔ تاریخِ سالِ عیسوی شد مصرعی موزون
به زیبائی رقم و نامه زیبا خانه چشتی[2]

۱۲۷۵ھ

ز طبعِ سیادت مآب فقیر انور حسین رسول شاہی مداحِ آل عبا متخلص به بہا سلمه الله

در یمِ طبعِ نور احمدِ ما
چون روان این سفینهٔ علم است

---

۱ - اصل : نرشیری و دشتی -
۲ - اصل : کذا -

گفت از روئے بہجتم ہاتف
اے "ہا" گو خزینۂ علم امت

۱۲۷۵ھ

ایضاً منہ سلمہ اللہ تعالیٰ

ہے "یادگارِ چشتی" یک‌دل و دل ربا
کرتے ہیں جس کو دیکھ کے دل شائقیں فدا
اللہ رے نور احمدِ چشتی کہ سر بہ سر
پہنائے جس نے اس کو دُرِ علم بے بہا
لکھیئے نگارخانۂ ہند اس کو گر کوئی
پس آگے اہلِ علم کے لاریب ہے بجا
دیکھا ہے جس نے غور سے یا اس کو پڑھ لیا
کہتا ہے آفریں ہے مصنّف کو مرحبا
کیونکر "ہما" نہ مصرع تاریخِ کو لکھوں
جو یادگار چشتیؔ یک‌دل ہے دل رُبا

۱۲۵۷ھ

من مصنّف فقیر نور احمد متخلّص بہ چشتی عفا عنہ

جب میں نے کہا کہ دوستو تم
چشتی کے یہ مضحکات دیکھو
بولا ہاتف بہ سنہ ہجری
چشتی کے عجائبات دیکھو

۱۲۷۵ھ

تقریظی[1] کہ والد ماجدم بہ مطالعۂ عبارت منشورۂ[2] کلتپرہ برائے سرفرازی ایں مستمند عنالت فرمودند

چوں بالحاق آں مامور بودم بفحوای المامور معذور مکتوب نمودم ۔ واللہ ولی التوفیق و علیہ التکان حامداً لمن الّف کتاب الممکنات علی ما اقتضاہ عبارت القیاس و انظم نثرہ برباعیات العناصر و المحسنات الحواس و مصلّیا علی الفرد المنتخب عن لف الشرف و نشر الکمال و علی آلہ و اصحابہ الذین تتبعوا محاسن السیر و صوالح الاعمال ۔ اما بعد بر اذہان ثاقبۂ اولی النہی و ضمائر بارزۂ اہل ذکا[؟] مستتر مباد کہ چوں بر طبق الجرعۃ تدل علی الغدیر و الحبۃ علی البیدر الکبیر لطف کتاب یادگار چشتی من مصنّفات شیرازہ بند وقر ذوفنونی نہر منفجر آبسال سعادت بطونی ، سرفراز انجمن بزرگی و بزرگواری ، سزاوار مکارم فتحمندی و بختیاری ، صبح عید بشارت و بہروزی ، مصباح مشکٰوۃ اطاعت شباروزی ، واسط العقد سبحۂ برخورداری ، درۃ التاج ملک ملک سخن وثاری ، ناظم کشور دری ، ناثر ماثر سخن وری بہ صنعتی فلذۃ الکبدی مولوی نور احمد چشتی اللاہوری اطال اللہ عمرہ و ضاعف قدرہ از نظم و نثر مرقوم کہ دو شعبہ از یک اصل اند ، پر ظاہر لیکن ایفاء لہا و عدداً براز لہا اومی بہ ضمیمہ ، توقع التفات اصحاب تساہل کہ نظر بتحشم ایں متحد القلب چشتی نژاد کہ تخریج کلام مسجع در تصحیف تحریج است بر رغم جمیعی طباع کہ بہ خیال بندی مشغوف و بہ ہماں تخیل کسراب بقیقتہ یحسبہ الظمان ماء محظوظ اند احیاناً ینصفح پرداختہ و یکخودقعی نہادہ صلات حسن قبول دریغ ندارند و تنشیطاً

---

۱ ۔ اصل : تقریضی ، سہو کتابت ۔

۲ ۔ اس تقریظ کے بہت سے الفاظ اور جملے مشتبہ ہیں مگر اصل نسخے کے مطابق ہیں ۔

نراقمها لفظ خیراک و احسنت بر زبان گزارند که الراحمون یرحم الرحمن و چون کیست ایں لحاق نسبت قلیل منه بود که بشیرازه علیحده تناسب نداشت ضبطاً للانتشار و تحرزاً عن التلاشی نبذی بطریق تقریظ که جسارت از ہفت تاریخ است طراز دنیش کرده آمد که چون پیمبر یافت اندر لوح شاں و زیب و زین خود جمل گردید و را کسب گشت فرزندش حسین ۔

وللہ درّ من قال :

از پدر تعظیم فرزند خلف نبود عجب
شاخ گل گل را بہ فرق خویشتن جا می‌دهد

و چوں ایں مستکین عفی الله عنہ خود بخود ازیں گفتار پریشان سر بجیب تامل است لطفاً و اشفاقاً بمواخذۂ سہو ظاہر و خطائے صریح یعنی تحصیل ما حصل پردازند ۔

چوں ز بے پرنیاں شدن خجلم
تو نسازے بحثو منفعلم (کذا)

تاریخ

کتابِ خود را چو چشتیِ ما بہ نورِ احمد در اسم گفتہ
مطالعۂ او بذوق و شوق دخول روحی بجسم گفتہ
چو دیدم آنرا نزاکت او پسندم آمد ز سال جستم
سروشِ غیبی بہ بندہ یکدل کتابِ چشتی طلسم گفتہ

۱۲۷۵ھ

ایضاً منه

کتابِ یادگارِ چشتیِ ما
چو شد مشهور از نیکو سرشتی

بہ یکدل سال تاریخش ملک گفت
کلیدِ گنجِ دانش کلک چشتی
۱۲۷۵ھ

چوں ذکرِ شہادتِ حُسینی
شد درج دریں بطور اجمال
گشتند آئمۂ مطہّر
راضی ز مصنّفِ خوش اقبال
تاریخ طلب چو کردم از عقل
او داشت ز گفتنش زبان لال
ز اثنا عشرم مدد رسیده
مرغوبِ دوازده شده سال
۱۲۷۵ھ

ایضاً تعمیه

نمی باشد ارژنگِ گل اعتبارے
بیاسا ز گلگشتِ بستانِ چشتی
کتابش عجب یادگارِ جہانست
کہ دارد ز سعدی مدد جانِ چشتی
همی خواستم سالِ اتمامِ او را
کہ لعل اند و مرجان از کانِ چشتی
سروش آمد از غیب و از روے ابجد
بگفتہ بگوشم گلستانِ چشتی
۱۲۷۵ھ

تو مشتِ گنجِ اسرارِ الٰہی
بیا زیں یادگارِ چشت بردار
بضمنِ وصفِ او ہاتف ز سالش
بہ یکدل گفت مشتِ گنجِ اسرار
۱۲۷۵ھ

ایضاً منہ

شبے با ہاتفے گفتم کہ ہاتف
نہ دیدم دفترِ چشتیِ لاہور
بگفتا من ز حالِ نور احمد
بخوبی واقفم کاو ہست مشہور
نیم آگہ ز قالش گر بگوئی
بگوش خود درآرم دُرِ منثور
بخواندم چند سطر از یادگارش
بصوتِ مخفی و با لحنِ مستور
بگفتا سالِ وصفِ قال و حالش
ز روئے ابجدم مقبول منظور
۱۲۷۵ھ

خط

برخلاف محاورۂ انگریزی کے اِس ملک کی رسم ہے کہ جب کسی طرف خط لکھتے ہیں تو آداب القاب بہت بڑھا کے لکھتے ہیں۔ اور خط تین قسم کا ہوتا ہے: اول بطرفِ اعلیٰ، دوسرا بطرفِ ادنیٰ، تیسرا بنامِ مساوی یعنی برابر والے۔ تو اُن تینوں میں علیحدہ علیحدہ

القاب لکھے جاتے ہیں ۔

مرنے کا دستور

جب مسلمانوں میں کوئی مرتا ہے تو اس کو غسل دے کر کفن پہناتے ہیں اور پھر اسقاط کرتے ہیں جس کا ذکر میں نے 'ملا' کی آمدنی میں لکھا ہے ۔ پھر جنازہ ہوتا ہے ۔ پھر دفن کرتے ہیں ۔ اور آگے یہ تین قسم ہیں : ایک لڑکے کا مرنا ، دوسرا جوان کا ، تیسرا ضعیف بوڑھے کا ۔

مرنا لڑکے یا لڑکی کا[1] :

کم سن شیرخوارہ کا تو یہ دستور ہے کہ اگر مر گیا تو غسل غسال سے دلایا اور کفن پہنایا ۔ اور ایک کپڑا اور لیا، اس کو جانماز کہتے ہیں ۔ اسقاط بارہ برس تک کے کا درست ہی نہیں ۔ بعد ازاں چند نزدیکی رشتہ دار لوگ جمع ہوئے اور جنازے کو اٹھایا ۔ اور لڑکے کے جنازے کو ایک آدمی ہاتھوں پر اٹھا لیتا ہے اور اس پر کوئی کپڑا کسی رنگ کا ڈال لیتے ہیں ۔ سب سے آگے ایک آدمی ہوتا ہے ۔ وہ رستے میں سے بچوں کو ہٹاتا جاتا ہے تاکہ کسی بچے پر اس موتلی کا سایہ نہ پڑے ۔ یہ صرف مشہور ہے[2] ۔

پھر شہر سے باہر جا کے کسی مکان پر جنازہ پڑھتے ہیں اور وہ جانماز 'ملا' نیچے (بچھا کے) جماعت جنازہ کراتا ہے ۔ جماعت سے یہ مراد ہے کہ وہ آگے ہو کے کھڑا ہوتا ہے اور سب لوگ پیچھے ۔

بعد ازاں صاحب میت کہتا ہے کہ اذن عام ہے بزرگو ! یعنی جس کا جی چاہے چلا جاوے ۔ اور جانماز 'ملا' لے جاتا ہے ۔

---

۱ ۔ اصل : "فصل لڑکے لڑکی ۔"
۲ ۔ یعنی شریعت کا حکم نہیں ، فقط رواج ہے ۔

پھر قبرستان میں جاتے ہیں اور گورکن کو بلا کے دو چار آنے دیتے ہیں - وہ چھوٹی سی قبر کھود کے دبا دیتا ہے -

اگر لڑکا ہوا تو بہت غم کرتے ہیں اور اگر بیٹی ہوئی تو بہت تھوڑا غم اور رونا پیٹنا چند روز - اور چالیس روز معصوم لڑکوں کو دودھ پلاتے ہیں اور لڑکے کی ماں کو نزدیکی رشتہ دار کھچڑی کے واسطے کچھ روپیہ دھیلی نقد دیتے ہیں ، اور وہ رات کو پکا کے برادری کی عورتیں کھاتی ہیں[1] - اور اگر لڑکا شیرخوارہ نہ ہوا یا دس بارہ برس کا ہوا تو بطورِ جوان دستور کرتے ہیں - اور جس گھر میں ماتم ہوتا ہے تو اس گھر میں سب رشتہ دار عورتیں مل کر باوازِ بلند روتی پیٹتی ہیں - اور وقت جان نکلنے کے عورت صاحبِ خانہ زور سے چیخ مارتی ہے کہ جس سے سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلانے کے گھر ماتم ہوا ہے -

جوان کا مرنا :

جوان کا مرنا بہت بڑی مصیبت ہے - جب کوئی جوان مرتا ہے تو حجامہ سب برادری میں خبر کرتی ہے[2] اور سب عورت مرد جمع ہوتے ہیں - عورتوں[3] میں تو گریہ و بُکا اور ماتم شروع ہوتا ہے ، باہر گلی میں لوگ ہوتے ہیں - درزی کفن سینے کو آتا ہے - وہ مردوں میں بیٹھ کر کفن سیتا ہے - اور حجام دو گھڑے اور دو لوٹے مٹی کے لاتا ہے - گھڑوں میں پانی بھر کر گرم کر کے باہر ہی رکھتے ہیں - جب پانی گرم ہوا تو غسال آتا ہے -

---

۱ - اصل : ”عورتیں کو کھاتی ہیں“ ، غالباً سہو کتابت -
۲ - اصل : کرتی ہیں -
۳ - اصل : عورتیں میں -

اگر موتئی عورت ہوئی تو (غسالہ) عورت[1] ، اگر مرد ہوا تو (غسال) مرد ۔ وہ موتئی کے کپڑے لے جاتا ہے ۔ اور دستور غسل کا فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے ۔ جس نے دیکھنا ہو ، دیکھ کے یاد کر لے ۔ بعد از غسل کفن پہنایا اور اسقاط کیا اور باہرلے گئے ۔ کوئی کوئی شہر کی جامع مسجد میں جنازہ پڑھتا ہے ۔ پھر قبرستان میں گئے، گورکن کو روپیہ دیا اور سب فقیروں اور غریبوں کو ، جو وہاں حاضر ہوئے ، کچھ نقد بانٹا ۔ بعضے لوگ گیہوں یا نان تنوری ساتھ لے جاتے ہیں اور وہ بھی وہاں تقسیم کرتے ہیں ۔

بعد ازاں گھر میں آئے اور سب برادری کو رخصت کیا ۔ وہ فاتحہ دے کر رخصت ہوتے ہیں اور گھر میں عورتیں ہوتی ہیں ۔ پھر دوسرے دن اور بعضوں میں تیسرے دن ُقل کرتے ہیں ۔ اس سے یہ مراد ہے کہ سب برادری کے لوگ فاتحہ کہنے آتے ہیں اور ُپرسا دیتے ہیں اورکہتے ہیں "صبر کرو ، خدا کے آگے زور نہیں چلتا" پھر نان اور پیاز اور پنیر سب برادری کو کھلاتے ہیں ۔

پھر چہلم تک ہر جمعرات کو فاتحہ دلاتے ہیں اور چہلم میں سب برادری کی روٹی کرتے ہیں ۔ بعضے صرف ُملاؤں کو بلا کر فاتحہ دلاتے ہیں ۔ اس روز کپڑے بھی لئے بنا کے ُملاؤں کو دیتے ہیں ۔ اور چہلم میں کئی قسم کے کھانے تیار ہوتے ہیں : حلوہ ، کھیر ، ترکاری وغیرہ ۔ اگر کوئی دولت مند ہوا تو بہت خرچ کیا اور اگر غریب ہوا تو تھوڑا ۔

بعضے تین روز قبر پر حافظ لوگوں کو بھی بٹھاتے ہیں اور بعد ازاں ان کو کچھ نقد دے کر رخصت کرتے ہیں اور چالیس دن

---

۱ ۔ اصل : "عورت ہوئی تو عورت ہوئی تو عورت ، اگر مرد ہوا تو مرد وہ ۔ ۔ ۔" غالباً سہو کتابت ہے ۔

مسجد میں روٹی بھیجتے ہیں - پھر شش ماہی اور سالیانہ کا فاتحہ ہوتا ہے اور چہلم تک ہر شنبہ و سہ شنبہ کو عورتیں اس گھر میں جمع ہو کر گریہ و بکا کرتی ہیں - غرض سب دولت کے قصے ہیں -

اگر عورت مرتی ہے تو اس کے جنازے پر گوارا باندھتے ہیں اور گوارا بانس کے ٹکڑوں سے تیار ہوتا ہے اور اس پر ایک کپڑا ڈالتے ہیں - اس کپڑے پر یہ شعر لکھا ہوا ہوتا ہے :

شکر بجا آر کہ مہمانِ تو
روزیِ خود میخورد از خوانِ تو

اگر کوئی دولت مند ہوتا ہے تو جنازے پر دوشالہ یا اور کوئی عزت دار کپڑا ڈالتے ہیں اور اس پر ایک چادر پھولوں کی -

بوڑھے کا مرنا :

بوڑھے بڑھیا کا مرنا بھی ایسا ہی کرتے ہیں مگر اس میں روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے - برادری میں نانوں کی بھاجی کرتے ہیں اور قُل کے روز سب برادری کے لوگ موتلی کے بیٹے کو دستار اور کچھ نقد دیتے ہیں اور مرنے کے دن سب نزدیکی رشتہ دار لوگ حاضری دیتے ہیں -

حاضری سے یہ مراد ہے کہ ایک دو روپے کے نان بھیجتے ہیں - اور چہلم اور شش ماہی اور سالیانہ پر بہت کچھ خرچ ہوتا ہے - اور چہلم میں بدستور جتنی جمعراتیں آتی ہیں ، اس میں فاتحہ دلاتے ہیں - اور ایک جمعرات کا فاتحہ بڑا ہوتا ہے - اس کو بڑی جمعرات کہتے ہیں - یہ چہلم کے برابر کرنی ہوتی ہے - اس میں سب برادری جمع ہوتی ہے اور کھانا کھاتی ہے - اور اپنی اپنی برادری کی رسم سے کوئی نان گوشت کرتا ہے ، کوئی پُلا زردہ پکاتا ہے - اور بعضے دولت مند

یا کامل کے مرنے پر جنازے کے آگے مولود خوانی کراتے ہیں۔

اس کا حال یہ ہے کہ چند آدمی مل کر جنازے کے آگے شعر مذمّتِ دنیائے ناپائدار کے پڑھتے ہیں ؛ چنانکہ اس کا یہ ایک مصرع ہے :

دنیا سرائے فانی ، غوغا چہ سی کنی

اور آگے آگے چھڑکاؤ کرتے جاتے ہیں۔ اور موتلی کی لاش کو صندوق میں رکھ کر دفن کرتے ہیں اور صندوق میں روئی اور گلاب وغیرہ عطریات رکھتے ہیں۔ بعضے قبریں پختہ اور بعضے گلی بناتے ہیں۔ فقط والسلام۔

یہ یاد رہے کہ اہلِ اسلام میں جب کوئی مرے ، خواہ بچہ ، خواہ جوان ، خواہ بوڑھا ہو ، تو اول غسل ، بعد ازاں کفن ، پھر جنازہ ، پھر دفن کرتے ہیں۔ فقط

تمت تمام شد نسخۂ کتاب **یادگار چشتی** مِن تصنیفِ جناب فضیلت مآب فضائل اکتساب مقبولِ اللہ الصمد **مولوی نور احمد صاحب** المتخلّص بہ چشتی لاہوری مدرسِ صاحبان عالیشان بہادر بتاریخ ۲۵ ماہ اگست ۱۸۵۹ء۔

الٰہی بیامرز ہمہ بندہ را نویسندہ ، خوانندہ ، گویندہ را